مجلس تحقیقات شرعیه

یسر و تیسیر

اور عصر حاضر کے تقاضے

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

یسر و تیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مجموعہ مقالات چھٹا فقہی سیمینار مجلس تحقیقات شرعیہ ۲۰۲۴ء

مرتب

منور سلطان ندوی

ناشر

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب	:	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے
نام مرتب	:	مولانا منور سلطان ندوی
صفحات	:	۳۳۰
سن اشاعت	:	ستمبر ۲۰۲۵ء
قیمت	:	

ناشر

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ملنے کے پتے:

۱۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۔ مکتبہ ندویہ، احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳۔ مکتبہ احسان، نزد شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

فہرست مضامین

	مقدمہ	مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	5
	پیش لفظ	مولانا عتیق احمد بستوی	۷
	عرض مرتب	منور سلطان ندوی	۸
افتتاحی نشست کے چند اہم خطابات			
	خطبہ صدارت چھٹا فقہی سیمینار	مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۱
	خطاب مولانا محمد زکریا سنبھلی		۱۵
	خطاب مولانا ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی		۱۹
	خطاب ڈاکٹر سعید الرحمن فیضی ندوی		۲۰
	خطاب ڈاکٹر عمر صوبیدار		۲۰
	خطاب مولانا رحمت اللہ میر کشمیری		۲۱
	خطاب قاضی مشتاق علی ندوی		۲۲
تمہیدی مباحث			
	سوالنامہ		۲۴
	تلخیص مقالات	مولانا ڈاکٹر محمد علی شفیق ندوی	۲۷
	عرض مسئلہ	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۶۵
	تجاویز		۸۵
مقالات			
	یسر سے متعلق اصول واحکام: دور حاضر کے تقاضوں کے تناظر میں	مولانا ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی	۸۸

	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی	۹۲
	تیسیر: اسلامی شریعت کی اہم بنیاد	مولانا محمد رضی الاسلام ندوی	۱۱۳
	یُسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا نذیر احمد کشمیری	۱۳۳
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا ڈاکٹر شاہجہاں ندوی	۱۴۱
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مفتی حبیب اللہ قاسمیؔ	۱۵۳
	یسر وتیسر اور عصر حاضر کے تقاضے	مفتی احمد دیولوی	۱۵۸
	تیسیر کا معنی، اور اس کی حکمت	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۷۰
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا ڈاکٹر کلیم اللہ عمری مدنی	۱۷۹
	اسلام میں یسر وتیسیر کا مفہوم اور اس کی حیثیت	مولانا محمد حسن ندوی	۱۸۵
	شریعت میں یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا عبید اللہ ندوی	۱۹۹
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مفتی محمد ذاکر نعمانی	۲۲۵
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا محمد صابر حسین ندوی	۲۳۸
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۲۵۰
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا جنید احمد قاسمی	۲۶۸
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا عبید الرحمٰن قاسمیؔ	۲۸۱
	اسلام میں یسر وتیسیر کا مفہوم اور اس کی حقیقت	مولانا اسجد حسن ندوی	۳۰۰
	یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے	مولانا سعود ممتاز ندویؔ	۳۰۸
مناقشہ			
	مناقشہ		۳۱۹

مقدمہ

بلاشبہ یہ اس وقت کی ایک بہت اہم ضرورت ہے کہ جدید وسائل کو سامنے رکھ کر نئے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے، یہ دنیا تغیر پذیر رہی ہے، خاص طور سے یہ زمانہ جس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، شاید اس سے پہلے اس کا تصور بھی مشکل تھا، اس وقت زندگی کے ہر میدان میں جو برق رفتاری ہمیں نظر آتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اس تیز رفتار سفر میں پیچھے رہ گئے تو ہم خود اپنا بھی نقصان کریں گے اور دین کی صحیح ترجمانی بھی لوگوں کے سامنے نہیں ہو سکے گی، اس وقت شرعی مسائل میں مسلسل غور وفکر کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے تا کہ دین کا صحیح مزاج لوگوں کے سامنے آئے اور ان کے لیے آسانیاں پیدا ہوں، اسی لیے دین اسلام میں ''یسر وتیسیر'' کے موضوع کو خاص اہمیت حاصل ہے اور قرآن مجید میں بھی یہ بات کہی گئی ہے:

{یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ}

(اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، وہ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

{لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَھَا}

(اللہ (تعالیٰ) کسی کو طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا۔)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کی تعلیم دی کہ انسانی نفسیات کو سامنے رکھ آسانی پیدا کی جائے، حدیث میں ہے:

''یسرا ولا تعسرا'' (آسانی پیدا کرو اور مشکل میں مت ڈالو۔)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ

''سددوا وقاربوا'' (سیدھے چلتے رہو اور میانہ روی اختیار کرو۔)

ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے اور اس سلسلہ میں غور وفکر بھی کرنا چاہیے کہ ہم لوگوں کے لیے آسانی وسہولت پیدا کریں، آسانی پیدا کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم تجاوز کر جائیں اور اصولوں کو سامنے نہ رکھیں، تب تو وہ انحراف اور ضلال ہے۔ ہمیں اصولوں کو سامنے رکھنا ہے، بنیادی طور پر کتاب وسنت ہمارے سامنے ہو اور پھر فہم سلف

کی بڑی اہمیت ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کتاب وسنت ہمارے سامنے ہے تو پھر فہم سلف کی ہمیں ضرورت نہیں بلکہ ہمارا فہم ہی کافی ہے، ظاہر ہے یہ بھی گمراہی کا راستہ ہے، اس لیے کہ خود کتاب وسنت میں اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ اولین دور میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد سلف صالحین نے دین کو سمجھا اور پھر اس کی ترجمانی کی، اس کی حیثیت بنیادی اور شریعت کی ہے، اگر ہم اسے نظر انداز کریں گے تو ہم انحراف کے راستے پر پڑ جائیں گے اور پھر گمراہی تک پہنچ جائیں گے، اس لیے ہمیں ان نزاکتوں کو بھی سامنے رکھنا ہے۔

آج کی اس جدید اور تغیر پذیر دنیا میں روز بروز نئے نئے اسباب ووسائل ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں خاص طور پر مصنوعی ذہانت (A.I.) اس وقت ایک مسئلہ بنتی جا رہی ہے، جس طرح اس میں سہولتیں ہیں، اسی طرح وہ کہیں نہ کہیں لگتا ہے کہ ایک عام انسانی ذہن سے ٹکرا رہی ہے اور اس کی سرعت انسانوں کے لیے مسائل بھی پیدا کرسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ذرائع ابلاغ بجائے خود ایک وسیع پلیٹ فارم ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ان جدید چیزوں اور وسائل کو ہم نے خدانخواستہ نظر انداز کیا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ ہماری بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں نئی نسل سہولت پسندی کا مزاج رکھتی ہے اور محض عزیمت پر عمل کرنا ان کی طاقت سے باہر معلوم ہوتا ہے، ایک بڑی تعداد ایسے نوجوانوں کی ہے جو دین اسلام کو سختی اور پابندیوں والا مذہب سمجھ کر دین سے بے زار ہوتی نظر آتی ہے، ایسی صورت حال میں علماء امت کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی نفسیات سے واقف ہوں، ان کے مزاج سے آشنا ہوں، جدید تقاضوں کا انہیں علم ہو اور اس کی روشنی میں وہ شریعت اسلامیہ کے مسائل کو سہل انداز میں پیش کریں، لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کے منہج سے سرمو انحراف نہ ہو۔

اللہ کا فضل ہے کہ ندوۃ العلماء روز اول سے عقائد واصول میں پورے تصلب کے ساتھ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر چلتا ہے، وہ اصول میں تصلب اور فروع میں توسع کا داعی ہے اور شرعی حدود میں ہر دور کے آلات ووسائل سے استفادہ کا قائل ہے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ گذشتہ سال ۲۰۲۴ء میں ندوۃ العلماء کے زیر انتظام مجلس تحقیقات شرعیہ کا ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا جس میں خاص طور پر ''یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے'' کے موضوع پر بھی متعدد علماء وفقہاء سے مقالات لکھوائے گئے، پھر ان کی تلخیص کا کام بھی کرایا گیا اور اب افادۂ عام کی غرض سے یہ بیش قیمت، تحقیقی مقالات زیور طبع سے آراستہ ہو رہے ہیں، میں مبارک باد دیتا ہوں مجلس تحقیقات شرعیہ کے رفیق، عزیز گرامی مولوی منور سلطان ندوی کو جنہوں نے ان مقالات کو مرتب کیا اور اشاعت کے لائق بنایا، اللہ نے انہیں اس کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے، دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور مفید بنائے۔ آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین وعلی الہ وصحبہ اجمعین

امابعد!

۲۰۲۴ء میں مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے تحت جو فقہی سیمینار منعقد ہوا، اس کا ایک موضوع تھا ’’یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے‘‘ یہ ایک اہم اصولی موضوع تھا جس پر غور وخوض کرنے اور کچھ بنیادی نکات طے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ مجلس تحقیقات شرعیہ کی طرف سے اس موضوع پر سوال نامہ تیار کر کے علماء اور اصحاب افتاء کی خدمت میں بھیجا گیا۔ الحمد للہ اصحاب علم وافتاء کی ایک معتد بہ تعداد نے اس موضوع پر مقالات لکھے اور قیمتی تحریریں روانہ کیں، جن میں سوال نامہ میں اٹھائے گئے سوالات کے جوابات تحریر کیے۔

ان مقالات اور تحریروں کی تلخیص کا کام ڈاکٹر مفتی محمد علی شفیق ندوی نے انجام دیا، تلخیص کا کام اپنی جگہ بڑا اہم اور نازک ہوتا ہے اور بڑی دقت نظر اور بیدار مغزی کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو اس مشکل کام کو انجام دیتے ہیں۔

اس موضوع پر عرض مسئلہ جناب مفتی محمد ظفر عالم ندوی نے تیار کیا تھا، عرض مسئلہ میں انہوں نے مقالات میں پیش کردہ آراء ودلائل کا خوبصورتی سے احاطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ سیمینار میں عرض مسئلہ پیش ہونے کے بعد شرکاء سیمینار نے تفصیل کے ساتھ زیر بحث سوالات پر اپنی آراء کا اظہار کیا اور اپنی ترجیحات پیش کیں۔

اس موضوع پر تشکیل کردہ تجویز کمیٹی نے تمام مقالات اور بحثوں کو سامنے رکھتے ہوئے معتدل اور متوازن تجاویز تیار کیں جسے شرکائے سیمینار نے اتفاق رائے سے منظور کیا۔

اس موضوع پر موصولہ مقالات، تحریرات، فتاوی اور تمام متعلقات چیزوں کو مرتب کرنے کی ذمہ داری فتاوی ندوۃ العلماء کے مرتب جناب مولانا منور سلطان ندوی کے ذمے کی گئی، جس کو انہوں نے بہت خوبی سے انجام دیا، میں اس خدمت پر ان کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں میں برکت دے اور ان کی علمی اور فکری کاوشوں کو قبولیت سے نوازے آمین۔

عتیق احمد بستوی

ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء

۲۵/ ۸/ ۲۰۲۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

فقہ اسلامی ایک زندہ اور ترقی پذیر علم ہے، اسلامی شریعت قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے ماہرین شریعت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دور میں پیش آنے والے مسائل کا گہرائی سے جائزہ لیں، غور وفکر کریں اور شریعت کے اصولوں، مقاصد اور اسلاف کے تیار کردہ فقہی سرمایہ کی روشنی میں ان کا ایسا حل پیش کریں جو اس علاقہ کے لئے قابل ہو۔

جس طرح ہر دور میں نئے نئے مسائل پیش آتے ہیں اسی طرح نئے افکار ونظریات بھی سامنے آتے ہیں، اصولی مباحث میں نئے افکار وخیالات کی آمد کوئی نئی بات نہیں ہے، موجودہ وقت میں دنیا کے ہر علاقہ کا دوسرے علاقے میں رابطہ آسان ہے، افراد کی طرح علوم وافکار بھی ایک علاقے سے دوسرے علاقوں تک منتقل ہو رہے ہیں، جن کی روشنی میں غور وفکر کے نئے دروازے کھل رہے ہیں، فقہ الیسیر کا تصور قدیم فقہاء بھی پایا جاتا ہے، اسی لئے قواعد فقہ میں اس موضوع پر اتنی کثرت سے قواعد ملتے ہیں، مگر منضبط انداز میں یہ بحث پہلے کم ملتی ہے، علامہ یوسف القرضاوی اور دیگر معاصر فقہاء اور مفکرین نے فقہ التیسیر کو مربوط شکل اور مدلل انداز میں پیش کر کے غور وفکر کا ایک نیا دریچہ کھولا۔

بہت ممکن ہے کہ وسیع وعریض دنیا کے کسی ایک خطہ میں فقہ التیسر کی زیادہ ضرورت ہو اور دوسرے علاقے میں اس کی ضرورت اتنی نہ ہو، مگر ایک علمی وفکری بحث کے طور پر فقہ التیسر کے ضروری مباحث موجودہ وقت کے فقہاء اور مفتیان کرام کے سامنے ہونے چاہئے، روزمرہ کے مسائل میں ایسے مواقع آتے ہیں جہاں اس سے فائدہ اٹھا جا سکتا ہے۔

فقہ التیسیر کے مطالعہ کی ضرورت اور اس سلسلہ میں خاص طور پر فقہ التیسر کے حدود کو منضبط شکل میں اجاگر کرنے کی خاطر مجلس تحقیقات شرعیہ کے ذمہ داران نے اس کو سمینار کا موضوع بنایا، الحمد للہ مجلس تحقیقات شرعیہ کی خواہش پر بڑی تعداد میں اہل علم اور اہل فقہ نے بھرپور مطالعہ اور غور وفکر کے بعد اپنے خیالات کو مقالات کی صورت میں پیش فرمایا۔

اس موضوع پر پیش ہونے والے مقالات اور باہم مذاکرہ کے بعد یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ تیسر کو اختیار کرنا رخصت ہے، اور اس کی بنیاد قرآن وحدیث ہی ہے، متعدد شرعی احکام میں عزیمت اور رخصت دونوں پہلو رکھے گئے ہیں، اور مکلف کو اختیار دیا گیا ہے کہ اپنے حالات کے لحاظ سے کبھی عزیمت کو اختیار کرے اور کبھی رخصت

سے فائدہ اٹھائے، دور صحابہ میں سفر کی حالت میں روزہ رکھنے والے صحابہ نے روزہ نہ رکھنے والے صحابہ کو غیر افضل عمل کرنے والا نہیں سمجھا، اس لئے تیسر کو ہوائے نفس کہنا صحیح نہیں ہے۔

یہ سمینار اپنے متعین تاریخوں میں بحسن وخوبی اختتام پذیرا ہوا، اور اس موضوع پر اتفاق رائے سے نہایت متوازن تجاویز بھی منظور ہوئیں جو اہل علم تک پہونچ چکی ہیں، سیمینار کے بعد حسب نظام مقالات کی ترتیب کا کام شروع ہوا، مجلس کے اراکین ومعاونین کے باہم مشورہ سے ''یسر وتیسر اور عصر حاضر کے تقاضے'' کے موضوع پر موصول ہونے والے مقالات کی ترتیب کی ذمہ داری راقم سطور کو دی گئی۔

اصل مقالات سے قبل سوالنامہ، تلخیص، عرض مسئلہ اور تجاویز بھی شامل کی گئی ہیں، تاکہ قارئین کو تمام مواد یکجا مل جائے، اور اخیر میں موضوع سے متعلق مناقشات بھی شامل ہیں، یہ فقہی سیمینار کا اہم اور دلچسپ حصہ ہوتا ہے۔

میں شکر گزار ہوں مجلس کے سکریٹری استاذ گرامی قدر مولانا عتیق احمد بستوی صاحب کا جن کی نگرانی میں مجلس کی علمی سرگرمیاں جاری ہیں، ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہ اس مجلس کے صدر ہیں، اور مولانا کی خصوصی توجہ مجلس اور مجلس کے کارکنان کو ہمیشہ حاصل رہی ہے، ہم ان کے بھی مشکور ہیں، مجلس کے کمپوزر ریحان خان کے تعاون کے بغیر وقت پر اس کی مجموعہ کی تکمیل مشکل تھی، وہ بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالی اس مجموعہ کو قبول فرمائے اور اسے نافع بنائے۔ آمین

چھٹا فقہی سیمینار

افتتاحی نشست کے چند اہم خطابات

خطبۂ صدارت چھٹا فقہی سیمینار

از مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین وعلیٰ من تبعہم بأحسان ودعا بدعوتہم الیٰ یوم الدین، أما بعد!
فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ''یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ''
وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ''ان الدین یسر و لن یشادّ الدین أحد الا غلبہ فسدّدوا وقاربوا وأبشروا''۔

حضرات علماء کرام اور فقہائے عظام!

میں سب سے پہلے آپ حضرات کا استقبال کرتا ہوں کہ آپ چھٹے فقہی سیمینار میں جو مجلس تحقیقاتِ شرعیہ کے زیر انتظام ندوۃ العلماء میں منعقد ہو رہا ہے، تشریف لائے۔ آپ میں سے اکثر حضرات نے بڑی عرق ریزی سے مقالات بھی لکھے جن کا خلاصہ بھی ان شاء اللہ آپ کے سامنے آجائے گا، جس پر آپ حضرات غور وفکر کریں گے۔

بلاشبہ یہ اس وقت کی ایک بہت اہم ضرورت ہے کہ جدید وسائل کو سامنے رکھ کر نئے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے، یہ دنیا تغیر پذیر رہی ہے، خاص طور سے یہ زمانہ جس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، شاید اس سے پہلے اس کا تصور بھی مشکل تھا، اس وقت زندگی کے ہر میدان میں جو برق رفتاری ہمیں نظر آتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اس تیز رفتار سفر میں پیچھے رہ گئے تو ہم خود اپنا بھی نقصان کریں گے اور دین کی صحیح ترجمانی بھی لوگوں کے سامنے نہیں کر سکیں گے، حقیقت میں ان اکیڈمیوں کے قیام کا مقصد یہی ہے۔ یہ اللہ کا محض فضل تھا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنے دور میں سب سے پہلے ہندوستان میں یہ فکر پیش کی اور اس کا شکر ہے کہ اس کے بعد یہ کارواں آگے بڑھا اور متعدد ایسی اکیڈمیاں قائم ہوئیں جن میں مسلسل غور وفکر جاری ہے؛ لیکن ہمیں اس میں اور زیادہ آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے تین اہم موضوعات ہیں، ایک مسئلہ ہے: ''یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے''، بلاشبہ یہ ایک بڑا اہم اور اصولی مسئلہ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا جو مزاج بیان فرمایا ہے، وہ آسانی کا ہے

اور قرآن مجید میں بھی یہی بات کہی گئی ہے:

"یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ"

(اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، وہ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا)۔

اس موضوع پر قرآن مجید میں اور بھی ایسی آیتیں ہیں جن میں یہ بات کہی گئی ہے۔ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے اور اس سلسلہ میں غور وفکر بھی کرنا چاہیے، ہم لوگوں کے لیے آسانی وسہولت پیدا کریں، آسانی پیدا کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم حد سے تجاوز کر جائیں، اصولوں کو سامنے نہ رکھیں، تب تو وہ انحراف اور ضلال ہے۔ ہمیں اصولوں کو سامنے رکھنا ہے، بنیادی طور پر کتاب وسنت ہمارے سامنے ہو اور پھر فہم سلف سے ہم استفادہ کریں کیونکہ اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس میں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے ہمیں فہم سلف کی ضرورت نہیں؛ ہمارا فہم ہی کافی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بھی گمراہی کا راستہ ہے، اس لیے کہ خود کتاب وسنت میں اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ جو اولین دور میں حضرات صحابہ اور ان کے بعد سلف صالحین نے دین کو سمجھا اور پھر اس کی ترجمانی کی، اس کی حیثیت بنیادی اور شریعت کی ہے، اگر ہم اسے نظر انداز کریں گے تو ہم انحراف کے راستے پر پڑ جائیں گے اور پھر گمراہی تک پہنچ جائیں گے، اس لیے ہمیں ان نزاکتوں کو بھی سامنے رکھنا ہے۔

سلف کا جو فہم ہے، ان سے استفادہ کرنے میں ہمارے متقدمین اسلاف خاص طور پر ہمارے لئے اسوہ ہیں، آج کے دور کا جو فہم ہے وہ ہمارے لیے اصول کی حیثیت نہیں رکھتا، ہمارے لیے وہ فہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے جو صحابہ کا تھا، یا ہمارے اولین دور کے علماء وائمہ کا تھا، ہمیں اس کو نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ ہمیں اس کو پیش نظر رکھنا ہے، ہمیں قرآن وحدیث سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے؛ بلکہ بعض آیتوں اور حدیثوں میں اس کی صراحت نظر آتی ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فہم سلف کو چھوڑنا ہمارے لئے نقصان دہ ہے، گویا یہ بنیادیں ہیں اور ان بنیادوں کو سامنے رکھ کر ہمیں امت کو سہولت دینی ہے، اس کے لیے غور وفکر کرنا ہے، اور اس میں آگے بڑھنا ہے۔

یہ جو تغیر پذیر دنیا ہے، اس میں نئے نئے اسباب ووسائل ہیں، مصنوعی ذہن (A.I) ہو یا دیگر ذرائع ابلاغ اس کے نتیجہ میں عجیب وغریب مسائل ہمارے سامنے آرہے ہیں، اگر ان جدید چیزوں اور وسائل کو ہم نے خدانخواستہ نظر انداز کیا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ ہماری بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، لوگ یہ کہیں گے کہ ان کو کچھ معلوم ہی نہیں ہے کہ دنیا کہاں جارہی ہے؟

اس زمانہ میں یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ ہم سائل کی خواہش اور اس کا مقصد جاننے کی کوشش کریں کہ وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ اگر اس بات کو ہم نہیں سمجھیں گے بلکہ صرف الفاظ کا سہارا لے کر ہم جواب دیں گے تو ہوسکتا ہے کہ ہم کہیں ٹھوکر کھا جائیں، اس لیے ہمیں سوال کے مقصد اور اس کی حقیقت تک پہنچنے کی ضرورت ہے۔ ذہنوں کو پڑھنے کی ضرورت ہے، اس وقت لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات اور شکوک وشبہات پیدا کیے جارہے ہیں، اس

کی وجہ سے بھی بعض لوگ سوالات کرتے ہیں، اس لیے ہمیں ایسا جواب دینا چاہیے کہ ہم سائل کو مطمئن کر سکیں اور اس کے اندر جو کچھ ہے، جو وہ کہنا چاہتا ہے یا زبان سے نہیں کہہ پا رہا ہے، یا کسی مصلحت سے کہنا نہیں چاہتا، ہم ان چیزوں کو بھی پڑھ لیں اور ان کا جواب دیں، لوگوں کو مطمئن کرنا اور ان کے لیے آسانیاں تلاش کرنا، یہ اس وقت کی ہماری ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ مولانا مفتی محمود صاحب کی یہ بات بڑی اہم ہے کہ اگر ہم سائل کے ذہن کو سمجھ لیں تو پھر ہمارے لیے سوال کہ تہہ تک پہنچنا اور جواب دینا بڑا آسان ہوگا۔

فقہی اکیڈمیوں کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ حالات کا مطالعہ کیا جائے، ان کا جائزہ لیا جائے، چیلنجز کی باریکیوں کو اچھی طرح سے سمجھنے کی کوشش کی جائے اور پھر شرعی نقطہ نظر سے ان کے جوابات تیار کیے جائیں، وہ بنیادیں جن کا میں نے تذکرہ کیا یعنی کتاب وسنت اور فہم سلف، ''ان میں سلف سے مراد سلف متقدمین ہیں''، ان کے مطابق ہم عصر حاضر کے مسائل کا حل پیش کریں، یہ اس وقت کی ہماری ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اسی کے لیے یہ اکیڈمیاں قائم ہوتی ہیں۔

عام طور سے بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے علماء زمانہ سے بہت پیچھے چلتے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم توازن کو برقرار نہیں رکھ پاتے، لیکن ندوۃ العلماء خاص طور سے اس توازن کو لے کر اٹھا ہے کہ ہمیں نہ افراط کی طرف جانا ہے اور نہ تفریط کی طرف ؛ بلکہ ہمیں درمیان کا راستہ اختیار کرنا ہے، یہ امت امت وسط ہے اور یہ دین اعتدال کا دین ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے کہ اعتدال کا راستہ اختیار کرو اور قریب تر ہونے کی کوشش کرو۔

بسا اوقات جو نئے مسائل آتے ہیں، ان پر ہمارے علماء غور وفکر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے کبھی جواب دینے میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے اور بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں جن پر ہمارے علماء احتیاط کا راستہ اختیار کرتے ہوئے حرام کا حکم نہیں لگاتے بلکہ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں، لیکن کچھ عرصہ گذرنے کے بعد اس کو جائز کہتے ہیں۔ اپنے استاذ حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہم نے ایک مرتبہ یہ سوال کیا، تو مولانا نے بڑا اچھا جواب دیا، انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ نہ ہو پھر تو ایسا غیر شرعی دروازہ کھل جائے گا جس پر روک لگانا مشکل ہو جائے گا، اس لیے یہ جو بات ہو رہی ہے یہ بھی ٹھیک ہے کہ تھوڑا توقف بھی ہونا چاہیے، ہمیں غور وفکر کرنا ہے؛ لیکن توقف کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہم ایسا توقف کریں کہ پھر لوگ ہم پر اعتراض شروع کر دیں اور وہ یہ سمجھیں کہ ہم حقائق سے واقف نہیں ہیں، اس لیے ہمیں غور وفکر میں تیزی لانی چاہیے؛ لیکن اس میں ایسی جلد بازی بھی مناسب نہیں کہ خدانخواستہ ہم غلط راستے کی طرف چلے جائیں۔ یہ اعتدال کا راستہ ہے کہ ہمیں بہت جلد بازی بھی نہیں کرنی ہے؛ لیکن ہمیں اس تیز رفتار زمانہ کا کسی نہ کسی درجہ میں ساتھ بھی دینا ہے اور ہمیں تیزی کے ساتھ مسائل کا حل پیش کرنا ہے۔

ایک بات خاص طور پر میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو حقیقت میں ندوۃ العلماء کی فکر ہے اور وہ یہ کہ ہمیں بنیادی طور پر کتاب وسنت اور سلف کو سامنے رکھنا ہے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم بہت بعد کی کتابوں کو سامنے رکھ کر

جزئیات پر اصرار کرتے ہیں، یہ انتہائی نامناسب شکل ہوتی ہے، ایسی صورت میں ہم کبھی مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتے، ہمارے سامنے کتاب وسنت اور فہم سلف ہے، اس کو سامنے رکھ کر ہی ہمیں فیصلے کرنے ہیں، بعد کی بعض جزئیات مشکلات پیدا کرتی ہیں، آج کے ان حالات میں اگر ہم ان کو سامنے رکھیں گے تو شاید ہم مسائل کا حل پیش نہ کر سکیں، اس لیے ہمیں ان جزئیات کو سامنے نہیں رکھنا ہے اور اگر سامنے رکھنا ہے تو صرف جانکاری کی حد تک، اس طور پر نہیں کہ وہ مسائل حل کرنے میں رکاوٹ بن جائیں۔

اگر ہمارے سامنے یہ باتیں رہیں گی تو ہم مسائل پر غور وفکر کریں گے اور ان شاء اللہ ان کا حل بھی پیش کریں گے، اس وقت جو نئے وسائل اور تقاضے ہیں، اگر اس کی روشنی میں یہ محنتیں ہوں گی اور ہمارے علماء پورے تقویٰ ودیانت داری اور پورے فقہی ذوقِ استنباط کے ساتھ غور وفکر کریں گے تو ہمیں پوری امید ہے کہ ہم ان شاء اللہ مسائل کا حل پیش کر سکیں گے اور اس ترقی یافتہ دور کا ہم ساتھ دے سکیں گے، ان شاء اللہ اس کے ذریعہ سے ایمان کی روشنی گوشہ گوشہ تک پہنچے گی اور مختلف ملکوں کے لوگ جو وہاں کے حالات اور تقاضوں سے واقف ہیں، وہ بھی جب اس قافلہ میں شامل ہوں گے اور ہمارے ساتھ مذاکرات کی مجلسوں میں شریک ہوں گے، تو ہمیں امید ہے کہ اس فکر میں وسعت پیدا ہوگی اور نئے نئے مسائل کے فہم میں بھی سہولت ہوگی اور مسائل کا حل پیش کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔

وقت بہت مختصر ہے، اس لیے میں نے چند ضروری باتیں آپ کے سامنے عرض کر دیں، میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ یہ دو روزہ اجلاس بہت مفید ہوگا اور نئے نئے مسائل جو اس میں رکھے گئے ہیں وہ بڑے اہم مسائل ہیں۔ جانوروں کی مصنوعی افزائش کا مسئلہ ایسا ہے کہ کوئی اس سے راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا ہے ہر ایک کو ضرورت ہے، ''بیع معدوم کی جدید شکلیں'' بھی ایک ضروری اور اہم موضوع ہے اور پھر جو ایک اصولی موضوع ہے ''یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے''، یہ بھی ایک اہم ترین موضوع ہے، ہم ان موضوعات پر یہاں مقالات کے خلاصے سنیں گے، پھر مذاکرات ہوں گے اور پھر اس کی تجاویز بھی سامنے آئیں گی۔ ہمیں امید ہے کہ امت کو اس سے بہت کچھ حاصل ہوگا۔

زمانہ کے چیلینجز اور حالات کی رفتار کو سمجھنا اور اس کی نبض پر انگلی رکھنا، یہ ہمارے علماء کی ایک بڑی ذمہ داری ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے فضلاء پر اس کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے، ان شاء اللہ وہ ان چیزوں کو ضرور پیش نظر رکھیں گے، تاکہ ہم رہنمائی کا کام کر سکیں اور حالات کو سمجھ کر صحیح جواب دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

میں شکر گذار ہوں آپ تمام حضرات علماء کا اور مولانا مفتی عتیق احمد بستوی حفظہ اللہ کا جو اس قافلہ کو لے کر چل رہے ہیں اور ان کے رفقاء کا، اللہ تعالیٰ ان سب کے کاموں میں برکت دے اور آسانیاں پیدا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

خطاب مولانا محمد زکریا سنبھلی

(عمید کلیۃ الشریعۃ، دار العلوم ندوۃ العلماء)

حمد وصلاۃ کے بعد میرے محترم بزرگو، بھائیو اور اس مجلس میں شرکت کرنے والے حضرات!

اس مرتبہ بھی اور سال گزشتہ بھی مجلس تحقیقات شرعیہ کے قیام اور اس کے کارناموں کا تذکرہ ہوا، مجلس کے تحت اس کے قیام کے ابتدائی چند برسوں تک کام ہوا اور پھر ایک مدت کے لئے بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس کے کاموں میں کچھ اضمحلال آ گیا، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجلس میں دوبارہ نئی جان ڈالی اور اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ اور اب تک اس کے کئی اجلاس منعقد ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ مجلس کے ان اجلاسوں میں بہت ہی مفید، کارآمد اور ضرورت کی چیزیں بیان کی گئیں۔ اس وقت جو اجلاس ہو رہا ہے اور اس میں بھی جو موضوعات ہیں وہ بہت اہم اور ضروری ہیں۔

امت مسلمہ آخری امت ہے اور افضل الامم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول اور پیغمبر ہیں۔ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے۔ حضور سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام آتے رہتے تھے، ان میں وقتاً فوقتاً بعد میں آنے والے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پہلے نبیوں کی بتائی ہوئی چیزوں میں کچھ اضافے فرماتے رہتے تھے اور ضرورت کے مطابق اس میں کچھ اصلاح وتبدیلی بھی کر دیا کرتے تھے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی آنے والا ہے، اور نہ اسلام کے بعد اب کوئی دوسرا دین آنے والا ہے، اور نہ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آنے والی ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان فرمانے کی بنیاد پر اب یہ کام امت مسلمہ کے علماء ہی کو کرنا ہے۔

حالات میں تغیرات روز بروز ہوتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسی باتیں پیش آتی تھیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے حالات کو یا پیش آنے والے سوالات کو خود قیاس کے حوالے کر دیا کرتے تھے، یا کوئی اصول بتلا دیا کرتے تھے کہ اس اصول کے مطابق آئندہ پیش آنے والے مسائل کو حل کر لینا۔ مثلاً بخاری شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑوں کی یا گھوڑے پالنے والوں کی ۳؍قسمیں ہوتی ہیں:

ایک تو وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خدمت یا جہاد کے لئے گھوڑے پالتے ہیں، دین کی

خدمت کے لئے گھوڑے پالتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ پالتے ہیں۔ان گھوڑوں کے پالنے والوں اور ان گھوڑوں کا حال یہ ہوگا کہ گھوڑے پالنے والے اپنے گھوڑوں کو لمبی رسی میں باندھ دیں گے اور چراگاہ میں چھوڑ دیں گے، وہ جتنی دیر تک بھی گھومتے پھرتے رہیں گے، ان کا کھانا ان کا پینا حتی کہ ان کا بول و براز تک، سب مالک کے نیک اعمال میں لکھا جائے گا یا اس کے ساتھ وزن کیا جائے گا اور اگر گھوڑا اپنی رسی توڑ کر اِدھر اُدھر گھومے گا بھاگے گا، تب بھی اس کا دوڑنا بھاگنا یہ سب گھوڑے والے کے اعمال صالحہ میں شمار ہوگا۔اور بھی تفصیلات ہیں اس روایت کے اندر۔

دوسرے اللہ کے بندے وہ ہوتے ہیں جو اپنی عزت بچانے کے لئے اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بے نیازی اختیار کرنے کے لئے گھوڑا پالتے ہیں۔ پہلے شخص کے متعلق تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بشارتیں دی ہیں، جن کا میں نے ابھی ذکر کیا، دوسرے شخص کے متعلق بھی فرمایا: اس کا حساب کتاب برابر سرابر رہے گا اور کچھ بہتری ہی ہوگی۔اور تیسرا وہ ہے جو تکبر کے لئے، مسلمانوں کی دشمنی کے لئے گھوڑا پالے، تو اس کے گھوڑے اور اس کے ہر چیز کو اس کے نامہٗ اعمال میں گناہوں ہی کے ساتھ لکھا جائے گا۔

اس حدیث کے بیان کرنے کے بعد کسی صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے گھوڑے پالنے والے اور گھوڑوں کی تو یہ قسمیں بیان کردیں، اگر اللہ کا کوئی بندہ گدھا پالے اور اچھی یا بری نیتوں سے پالے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے میرے پاس اس سلسلہ میں کوئی حکم تو نازل نہیں ہوا جیسے گھوڑوں کے بارے میں نازل ہوا تھا، لیکن ایک آیت کریمہ ہے، جو بہت عام قسم کی ہے اور وہ دنیا کے ہر اچھے برے کام کو شامل ہے: ''فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ''۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول بیان کردیا کہ اس اصول کی روشنی میں اپنے اعمال اور اپنے کاموں کو دیکھ لو، اگر اللہ کے لئے ہے تو اجر وثواب ہے اور اگر اللہ کے خلاف کے لئے ہے تو وِزْر ہے۔یہ اصول ہمیشہ کے لئے ہے۔

حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تھا، چلتے وقت ان سے پوچھا گیا کیسے فیصلے کرو گے؟ جواب دیا: قرآن کی روشنی میں، پھر پوچھا کہ اگر قرآن میں موجود نہ ہو تو؟ جواب دیا: آپ کی احادیث کے ذریعہ، تیسری بار پوچھا کہ اگر فرض کرلو کہ تمہیں حدیث میں بھی نہ ملے تو؟ اس کے جوب میں معاذ بن جبل ؓ نے فرمایا: اَجتہد برائِي۔ یہ تو حضور کے زمانہ کی بات ہے۔جب آپ تشریف فرما ہیں، قرآن مجید موجود ہے، آپ کی احادیث موجود ہیں ،آپ کے ارشادات وغیرہ، سب کچھ موجود ہیں اور کوئی نئے حالات بھی اس طرح کے نہیں پیش آرہے ہیں۔

اب آج کل کا زمانہ ہے، اب قرآن مجید میں تو ایک آیت کا اضافہ نہیں ہوسکتا، احادیث شریفہ میں جو تحریری شکل میں موجود ہیں، ان میں اضافہ نہیں ہوسکتا، لیکن ''العالم متغیر'' کی طرح ہر روز نئے نئے مسائل پیش آتے ہیں، ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات موجود ہیں کہ تم اس سلسلے میں قیاس کرلینا، اجتہاد کرلینا اور

یہ بات نئے آنے والے مسائل کے سلسلے میں ۔ بالکل ناگزیر ہے ایسے اسبابِ سفر پیدا ہوگئے ہیں جو حضور کے زمانہ میں تصور میں نہیں تھے۔ تجارت کی ایسی قسمیں پیدا ہوگئی ہیں، جن کا کوئی امکان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اب ایسی چیزوں کے سلسلے میں حضرات علمائے کرام جن کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے علم بھی دیا ہے اور فہم وفراست بھی عطا فرمائی ہے، وہی اجتہاد فرمائیں گے۔

ایک مسئلہ سوادعراق کے فتوحات کے سلسلہ میں ہے۔ عام قانون یہی تھا کہ مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والی ہر چیز بین الغانمین تقسیم کردی جائیں گی اور ایسا ہی ہوتا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہی ہوتا رہا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی یہی ہوتا رہا، اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بھی عام طور پر یہی ہوا، لیکن سوادعراق کی زمینوں کو حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ بین الغانمین تقسیم نہیں ہوں گی۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ مال فئے کے حکم میں ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ یہ مال فئے نہیں ہے، یہ مال غنیمت ہی ہے اور اگر مال غنیمت کے اصل مادوں اور اصولوں کو دیکھیں تو وہاں پر یہی نکل کر آئے گا کہ اصول تو یہی ہے، پیدل کو اِتنا، فارس کو اِتنا، غنیمت کی تقسیم اِس طرح ہوگی۔ لیکن اس میں بھی ضرورت پڑے تو رائے امام ہی فیصل ہوگی۔ میرے نزدیک یہ صورت ہے۔ واللہ اعلم۔ میری رائے کوئی حتمی وقطعی نہیں ہے۔

اب یہ نئی نئی چیزیں جو پیش آرہی ہیں، جیسے مصنوعی جانوروں کی پیدائش، تو اس میں زیادہ بگاڑ انسانوں کا ہے، جس طریقے سے ماکولات کو استعمال کرنے کی عام اجازت تھی، چاہے وہ انسانوں کے ذریعہ پالے گئے ہوں یا جنگلوں میں رہنے والے ہوں، آج کل جائز شکلوں کو چھوڑ کر مشتبہ شکلوں کو اختیار کیا جارہا ہے۔ یہ اصل مسئلہ ہے۔ لیکن مسلمان باوجود کثیر تعداد میں ہونے کے، دنیاوی آبادی کے اعتبار سے پھر بھی اقلیت میں ہیں۔ تو ان کی مجبوری ہے کہ وہ ان باتوں پر غور کریں، ورنہ اگر شریعت کا پرانا نظام ہوتا تو ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

بیع معدوم کا مسئلہ ہے، بیع معدوم تو ناجائز ہی ہونا چاہیے، لیکن اب اس کا رواج بہت عام ہوگیا ہے، اب سے ۲۵/، ۳۰/برس پہلے کی بات تھی یا اس سے بھی زیادہ، مجھ سے ہمارے ایک شاگرد نے کہا کہ مولانا اب یہ ہوتا ہے کہ فون کیا کہ ہمیں ۲۰/کوئنٹل چنے چاہیے، بائع کہتا ہے: ہاں ہے، کب لینے آئیں گے؟ مشتری کہتا ہے کہ پرسوں لینے آئیں گے، بائع راضی ہوجاتا ہے اور بتادیتا ہے کہ یہ حساب ہے، اب بائع وہ ۲۰ کلو چنے کسی اور سے خرید لیتا ہے اور مشتری جب آپ آئیں گے لینے کے لئے تو ہم فلاں جگہ اطلاع کردیں گے کہ آپ وہاں سے اٹھا لیجیے، میری ملکیت میں وہ آئے ہی نہیں اور وہ ان کا بائع بھی بن رہا ہے اور مشتری بھی بن رہا ہے، اب یہ ہمارا بگاڑ ہے فی نفسہ، لیکن مجبوری ہے، ایسی صورتیں پیش آرہی ہیں، اس طرح کے اور بھی بہت سے مسائل ہماری مجلس میں آتے رہتے ہیں اور حضرات علمائے کرام اس کے فیصلے کرتے رہتے ہیں۔

میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے نئے ذمہ داروں بالخصوص محترم مولانا عتیق احمد بستوی صاحب مدظلہ العالی۔ جو بہت آگے آگے ہیں، ان کو مبارکباد دیتا ہوں، واقعی ان لوگوں نے بہت صحیح اور بڑا کام کیا ہے، بڑی محنت کررہے ہیں، اللہ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور ان سے کام لے۔ اللہ ان کے کاموں میں برکت عطا فرمائے اور دارالعلوم کے سرپرستوں کو ہر طرح کی تقویت عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خطاب مولانا ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی

حضرات!

تین باتیں عرض کرنا چاہوں گا:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں بہت ہیں، جسے بہت خشک موضوع سمجھا جاتا ہے، ضرورت ہے کہ اسے زندہ کیا جائے اور انسانیت کی زندگی سے اسے جوڑا جائے۔ آج احیائے اسلام کے ساتھ ساتھ احیائے فقہ کی بھی ضرورت ہے۔ اسی طرح فقہ کو حالات اور امت سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج کے دور میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے، ۱۰/۱۵ فیصد ہی ایسے مسائل ہیں جن میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے، زیادہ تر مسائل میں قواعد فقہیہ اور اصول موجود ہیں، بس ان پر مسائل کی تطبیق کرکے آج کے حالات میں پیش کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آج کے دور میں ہر جگہ مسائل اور فقہ کو حالات سے جوڑ کر پیش کرنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے فقہ کے ساتھ ساتھ حالات کو بھی جاننے کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ہمارے اجلاس اپنی قراردادوں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ لوگوں کی قبولیت کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔ امید ہے کہ یہ اجلاس اس فکر کو آگے بڑھائے گا۔

خطاب ڈاکٹر سعید الرحمن فیضی ندوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عالی جناب صدر مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی، مفتیان کرام اور علمائے عظام!

میرے لئے یہ عزت وشرف کی بات ہے کہ اس چھٹے سیمینار میں شرکت ہو رہی ہے۔ اعتدال وتوازن کی بڑی اہمیت ہے اور یہ اعتدال وتوازن ندوی فکر کا نام ہے جو کہ اسلامی فکر ہے۔ نہ بہت آزادی ہو اور نہ بہت تنگی ہو، ایسے اعتدال وتوازن کی بالخصوص مغرب میں اور آج بالعموم ہر جگہ بہت ضرورت ہے۔

خطاب ڈاکٹر عمر صوبیدار

معزز ومکرم مشائخ کرام وعلمائے کرام!

الحمد للہ ہمارے لئے بڑی شرف کی بات ہے کہ آج آپ حضرات کے سامنے ہم موجود ہیں۔ میں شکر گزار ہوں مفتی عتیق احمد بستوی صاحب کا کہ ان کی محبت کی وجہ سے آج ہم اس سیمینار میں شریک ہیں، آج اس دور کے اندر بڑی تیزی سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ایک نئی دنیا بنائی گئی جسے مصنوعی دنیا کہتے ہیں، آج ہم اے آئی کے دور میں ہیں، ایک نئے زمانہ میں ہیں، ان سب کے بڑے مسائل ہیں، ہمیں ان مسائل کا حل اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ نکالنے کی ضرورت ہے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

خطاب مولانا رحمت اللہ میر کشمیری

میری گفتگو کا پہلا جزء یہ ہے کہ میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے اس چھٹے فقہی سیمینار کے انعقاد پر قافلہ کے سالار و سربراہ حضرت مولانا سید بلال حسنی ندوی دامت برکاتہم کو مبارک باد دیتا ہوں۔ حضرت مولانا عتیق احمد بستوی دامت برکاتہم کو مبارک باد دیتا ہوں، جو اس کام کو بہت محنت سے آگے بڑھا رہے ہیں، ان حضرات اور ان کے رفقائے کار کو۔

دوسرا جزء یہ ہے کہ اللہ کے تکوینی اور حکمت بھرے فیصلے میں وقت وقت پر جو امت کی ضرورتیں تھیں پوری کی گئیں، جمع قرآن اپنے وقت پر ہوا، حدیث کی خدمت اپنے وقت پر ہوئی، پھر انفرادی اجتہاد اپنے وقت پر آیا اور اس کے لئے افراد ایسے ہی متعین ہوئے۔ اس وقت جب کہ پوری دنیا ایک گاؤں ہوگئی ہے اور نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں، اس میں جو مسائل پیش آئے اور انفرادی اجتہاد کے لئے جو علمی و روحانی مطلوبہ چیزیں تھیں، اس کا متبادل یہ اجتماعی اجتہاد ملا ہے، اس سلسلہ میں ملک کے اندر ۳؍مجالس بہت ہی محنت اور فکرمندی کے ساتھ مسائل پر غور کر رہی ہیں، ان میں مجلس تحقیقات شرعیہ، اسلامک فقہ اکیڈمی اور ادارہ مباحث فقہیہ ہیں، یہ بھی بات خوش آئند ہے کہ تینوں جگہوں پر ہمارے نوجوان فضلاء وفقہاء بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ اپنے مقالے تیار کرتے ہیں، پھر مناقشے میں حصہ لیتے ہیں، اور اس کے بعد جو تجاویز آتی ہیں، ان کے زیر وزبر کو صحیح کرنے پر اپنی پوری قوت صرف کرتے ہیں۔

ایک بات یہ ہے کہ تینوں مجالس کا ربط مضبوط ہوجائے اور ان کی تجاویز وغیرہ کو دیکھ کر دارالافتاء والے اور انفرادی فیصلے کرنے والے متفق ہوکر پاس کریں تو بڑی برکت سامنے آئے گی۔ اللہ ہمارے فقہائے کرام کو بصیرت اور تقوی سے نوازے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خطاب قاضی مشتاق علی ندوی

صدر اجلاس، علمائے کرام اور مفتیان عظام!

سب سے پہلے میں مبارکباد پیش کرتا ہوں دار العلوم ندوۃ العلماء کے تمام ذمہ داروں کو کہ وقت کا جو تقاضہ تھا اس پر یہ سیمینار منعقد ہو رہا ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے سوا سو سال پہلے یہی سوچ کر سفر شروع کیا کہ اصلاح معاشرہ کے عنوان سے مسلمانوں کے اندر جو خرابیاں ہیں، ان کو دور کیا جائے اور ایسے علماء تیار کیے جائیں جو وقت کے تقاضے کو دیکھتے ہوئے کام کریں۔ الحمدللہ سو سال کے اندر جو کچھ بھی تبدیلیاں دنیا میں ہوئیں، ان کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے ندوہ نے کام کیا، میں یہ سمجھتا ہوں کہ تحریک ندوہ کی جس طرح آج سے سوا سو سال پہلے ضرورت تھی، آج اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ یہ جو سیمینار کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے ذریعہ ان شاء اللہ یہ ضرورت پوری ہوگی۔ علماء اور عوام کے درمیان جو گیپ ہے، ان شاء اللہ اس سیمینار کے ذریعہ اس کی بھی بھرپائی ہوگی۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اسلام کو اس انداز سے پیش کریں کہ ساری انسانیت اس کو اپنی ضرورت محسوس کرے اور مسلمانوں کے اندر پورا اعتماد بحال ہو۔

اس وقت جن تین موضوعات پر بحث ہوگی، ان شاء اللہ وہ مفید ہوگی، اللہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

تمہیدی مباحث

سوالنامہ

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

احکام شریعت میں اللہ جل شانہ نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ ان احکام کی عمل آوری انسان کے لئے نہ صرف ممکن ہو بلکہ ان پر انسان بسہولت عمل کرسکے، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بار بار اس کی صراحت کی ہے کہ اللہ تعالی تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ تمہیں وہ احکام دیتا ہے جن پر آسانی سے عمل کیا جاسکتا ہے:

۱۔یرید اللہ بکم الیسر و یرید بکم العسر۔(سورہ بقرہ:۱۸۵)

اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں نہ کہ دشواری۔

۲۔ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون ۔(سورہ مائدہ:۶)

اللہ تعالی تم کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے لیکن چاہتے ہیں کہ تمہیں پاک صاف رکھیں اور تم پر اپنی نعمت پوری فرمادیں، شاید تم شکرادا کرو۔

۳۔وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔(سورہ حج:۷۸)

اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

۴۔لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔(سورہ بقرہ:۲۸۶)

اللہ تعالی کسی بھی شخص کو اس کی طاقت کے بہ قدر ہی ذمہ داری ٹھہراتے ہیں۔

۵۔یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا۔(سورہ نساء:۲۸)

اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ تم سے بوجھ کو ہلکا کردیں اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس بات کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ دین آسان ہے، اور دین میں شدت اختیار کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اور افراد امت کو حکم دیا کہ وہ آسانی پیدا کریں اور تنگی نہ پیدا کریں، اس موضوع کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ

وشئی من الدلجة۔(صحیح البخاری، باب الدین یسر، حدیث نمبر: ۳۹)

۲۔فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔(صحیح البخاری،باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا،حدیث نمبر:۶۱۲۸)

۳۔یسروا ولا تعسروا وسکنوا ولا تنفروا۔(حوالہ سابق حدیث نمبر:۶۱۲۵)

۴۔یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا۔(صحیح البخاری،باب ما یکرہ فی التنازع والاختلاف فی الحرب،حدیث نمبر:۳۰۳۸)

فقہاء کرام نے ہر دور میں کتاب وسنت کی ان ہدایات کا لحاظ کیا ہے،اوران پر عمل آوری کی کوشش کی ہے،اور امت پر تنگی پیدا ہونے کی صورت میں یسر وسہولت کے راستوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے،اس دور میں بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں تنگی دور کرنے اور آسانی پیدا کرنے کی خاطر مستند اصحاب افتاء اور فقہی مجامع نے رفع حرج اور تیسیر کے پہلو کو اختیار کیا ہے،اب بھی ایسے بہت سے مسائل ہیں جن میں خاص طور پر اس پہلو سے غور وخوض اور فیصلے کی ضرورت ہے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء نے اس پس منظر میں اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ یسر وتیسیر کے بارے میں اصول گفتگو کر لی جائے اوراس موضوع کے جو بھی اہم اصولی پہلو ہیں ان پر علماء،اصحاب افتاء پورے مطالعہ وتحقیق اور غور وفکر کے بعد ایک ضابطہ طے کرلیں،جس کی روشنی میں نئے مسائل یا قدیم مسائل جن میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے از سرنو غور وخوض کی ضرورت ہے،ان پر تبادلہ خیالات اور تحقیق وجستجو کے مرحلہ میں ان ضابطوں کا لحاظ رکھا جائے اور امت اسلامیہ کے لئے شرعی حدود وقیود کے اندر یسر وسہولت پیدا کی جائے۔

اس مقصد سے درج ذیل سوالات اصحاب فقہ وافتاء اور صاحبان علم وتحقیق کی خدمت میں پیش ہیں:

۱۔ شریعت اسلامی میں ’’تیسیر‘‘ کس کو کہتے ہیں اور اسکی کیا حکمت ہے؟ اس بارے میں اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟

۲۔شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں کیا ہیں؟ نیز تیسیر کے اسباب کیا ہیں؟ اوراس کا دائرہ کیا ہے؟

۳۔تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کار سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

۴۔تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد کیا ہیں؟ اس کی مختصر وضاحت فرمائیں

۵۔تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟ کیا رخصت وتیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟

۶۔بعض مقاصدی قواعد بھی ہیں جن کا تعلق تیسیر ہے جیسے جلب المصالح ودرء الفاسد اور رفع حرج ان کی بھی

قدرے وضاحت مطلوب ہے۔

۷۔اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہوتو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کیا دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

۸۔علماء عرب کے یہاں ''فقہ التیسیر'' ایک مستقل موضوع ہے اور احکام کی تطبیق میں اس پر وہ کافی توجہ دیتے ہیں، اس بارے میں ہم لوگ کن پہلوؤں پر غور کر سکتے ہیں؟ کیا ہندوستانی مسلمان جو کہ اقلیت میں ہیں، ان کیلئے معاملات کے علاوہ بعض احکام عبادت میں اصول تیسیر کو جگہ دی جاسکتی ہے؟

نوٹ: یہ سوالنامہ چونکہ صرف اصولی بحث کے طور پر مرتب کیا گیا ہے اس میں جزوی مسائل کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا گیا ہے تا کہ اصول ہی پر ذہن مرکوز رہے۔

تلخیص مقالات

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا ڈاکٹر محمد علی شفیق ندوی
(استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

تمہید:

بسم اللہ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ، وعلی آلہ وصحبہ ومن اھتدی بھداہ، أما بعد!

یقیناً شریعت اسلامی ایک آفاقی، ابدی، جامع اور ہر طبقہ انسانی کی کامیابی کے لیے نازل کردہ دستور ہے۔ انہی خصوصیات کے پس منظر میں شریعت اسلامی کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک طرف یسر وسہولت پر مبنی ہے، تو دوسری طرف انسانی ضروریات وپریشانیوں کی رعایت کرنے والی ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ یہ اُس خالق ومالک کی نازل کردہ شریعت ہے جو علیم بھی ہے، حکیم بھی، انسانوں کی نفسیات اور ضروریات سے باخبر ہے، چنانچہ اس کی نازل کردہ شریعت میں کوئی ایسا حکم نہیں ہوسکتا، جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ نہ ہو یا جس کی تعمیل میں انسان کو سخت مشقت کا سامنا کرنا پڑے۔

قرآن وسنت میں بار بار یہ واضح کیا گیا ہے کہ دین سہل ہے، آسان ہے، اس میں کوئی تنگی نہیں ہے، دو باتوں میں اسہل وایسر کا انتخاب بہتر ہے، وغیرہ۔

چنانچہ اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے مجلس تحقیقات شرعیہ نے یہ سیمینار منعقد کیا ہے کہ ''یسر وتیسیر'' کو ہم کب، کہاں اور کس دائرہ میں رہتے ہوئے اختیار کرسکتے ہیں، اسکے حدود وقیود کیا ہیں؟ اسکے ضابطے کیا ہیں؟ وغیرہ.

اس سلسلہ میں درج ذیل حضرات کے مقالات موصول ہوئے، جن کی تلخیص پیش خدمت ہے:

(۱) مفتی اقبال احمد ٹنکاروی (۲) مفتی حبیب اللہ قاسمی (۳) حافظ کلیم اللہ عمری (۴) مفتی محمد شاہجہاں ندوی (۵) مولانا صابر حسین ندوی (۶) مولانا سعود ممتاز ندوی (۷) مفتی عبید الرحمٰن قاسمی (۸) مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی

(۹) قاضی محمد حسن ندوی (۱۰) خورشید احمد اعظمی ندوی (۱۱) مفتی عبید اللہ ندوی (۱۲) مولانا جنید احمد قاسمی (۱۳) مفتی ذاکر نعمانی (۱۴) مولانا اسجد حسن ندوی (۱۵) ڈاکٹر محمد ادریس قاسمی ندوی (۱۶) مولانا نذیر احمد کشمیری (۱۷) مولانا اقبال مسعود ندوی۔

سوال نمبر (۱) شریعت اسلامی میں تیسیر کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا حکمت ہے؟ اور اس بارے میں اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب: تیسیر کس کو کہتے ہیں اس سلسلہ میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے تیسیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف پیش کی ہے جو درج ذیل ہے:

''تیسیر'' ماخوذ ہے ''یسر'' سے اور لغت میں ''یسر'' کے معنی آسانی اور نرمی برتنے کے ہیں، لسان العرب وغیرہ میں ہے: ''یسر الأمر: إذا سھلہ، ولم یشق علی نفسہ أو غیرہ'' (لسان العرب ۵/ ۲۹۵) وتاج العروس (۴/ ۴۵۹) (۱) اس نے فلاں چیز آسان کردی یعنی تنگی نہیں کی، اور مشقت میں نہیں ڈالا نہ خود کو، اور نہ دوسروں کو۔

نیز قرآن کریم میں ہے: وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ (القمر: ۱۷)، ترجمہ: ہم نے قرآن کو عبرت پذیری کے لئے آسان بنا دیا ہے۔

اور حدیث میں ہے: یَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا. (۲) ترجمہ: آسانی پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو، اور خوشخبری سناو لوگوں کو متنفر نہ کرو۔

اس سلسلہ میں چار الفاظ مستعمل ہوتے ہیں: الیُسر، والیسار، والمیسَرۃ اور المیسُرَۃ، ان تمام کے معنی ''سہولت'' اور ''تونگری'' کے ہیں۔ (لسان العرب، ص: ۴۹۵۸، معجم الرائد، ص: ۸۷۸ (حوالہ مفتی جمیل اختر جلیلی ندوی)

'تیسیر' کا ایک معنی 'تھیئۃ' بھی ہے (۳)؛ یعنی تیاری کرنا، توفیق الٰہی کا حاصل ہونا، قرآن کریم میں ہے: فَسَنُیَسِّرُہُ لِلْیُسْرٰی (لیل: ۷) ''تو ہم ان کو آسان راستے کی توفیق دیں گے''، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تَیَسَّرُوا لِلْقِتَالِ (صحیح مسلم: ۱/ ۱۲۵، ط: عیسی حلبی) ''جنگ کی تیاری کرو''۔ (دیکھئے مقالہ مفتی صابر حسین ندوی)

تیسیر کی اصطلاحی تعریف:

(فقہ التیسیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ) میں تیسیر کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے: ''بناء الأحکام الشرعیۃ وفق القدرۃ البشریۃ العادیۃ، ومراعاۃ الأحوال الطارئۃ والاستثنائیۃ بأحکام خاصۃ مخففۃ. (۴) ترجمہ: شرعی احکام کی بنا عام انسانی قدرت کے مطابق رکھنا نیز ایمرجنسی اور استثنائی حالات کی مخصوص اور خفیف اُحکام کے ذریعہ رعایت کرنا۔

دوسری تعریف: (**الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیۃ**) **میں ہے:** ومعنى التيسير في الاصطلاح الفقهي موافق لمعناه اللغوي.

یعنی اصطلاح فقہ میں 'تیسیر' اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہی مستعمل ہے، دونوں میں موافقت ہے۔

اسی میں متعلقہ الفاظ کے تحت ہے: التخفيف، وهو في الاصطلاح: رفع مشقة الحكم الشرعي بنسخ، أو تسهيل، أو إزالة بعضه أو نحو ذلك. (۵) أي إن كان فيه حرج أو مشقة. (۶)

ترجمہ: کسی بھی حکم شرعی کو منسوخ کر کے یا اس میں کوئی آسانی پیدا کر کے یا اس کے بعض حصے کا ازالہ کر کے یا کسی اور ذریعہ سے اس کی مشقت کو دور کرنا۔

تیسری تعریف: شیخ عبداللہ آل خنین لکھتے ہیں:

الأخذ بالأخف من الاحتمالات عندالاستنباط وتقرير الأحكام، أوالأخف من أقوال الفقهاء عند الاختلاف بينهم۔ (التيسير الفقهي: ضوابط ومحاذير، ص: ۸)

تیسیر کی حکمت:

اسلام میں تیسیر اور رفع حرج کی ضرورت وحاجت اور حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام شاطبی فرماتے ہیں:

اعلم أن الحرج مرفوع عن المكلف لوجهين: أحدهما: الخوف من الانقطاع من الطريق، وبغض العبادة، وكراهة التكليف، وينتظم تحت هذا المعنى الخوف من إدخال الفساد عليه في جسمه أو عقله أو ماله أو حاله.

والثاني: [خوف التقصير]؛ عند مزاحمة الوظائف المتعلقة بالعبد المختلفة الأنواع، مثل قيامه على أهله وولده، إلى تكاليف أخر تأتي في الطريق، فربما كان التوغل في بعض الأعمال شاغلا عنها، وقاطعا بالمكلف دونها، وربما أراد الحمل للطرفين على المبالغة في الاستقصاء، فانقطع عنهما. (۷)

ترجمہ: مکلف سے تنگی دو اسباب سے اٹھائی گئی ہے، پہلا سبب یہ ہے کہ تنگی کی صورت میں اس بات کا خطرہ ہے کہ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے اور عبادت کو ناپسند کرنے لگے، حکم شرعی سے اس کا دل ہٹ جائے۔ اس کے تحت یہ بات بھی شامل ہے کہ تنگی کی صورت میں اس کے جسم یا عقل یا مال یا حال میں نقصان پہنچنے کا خطرہ محسوس کرے، دوسری وجہ: کوتاہی کا اندیشہ ہونا ہے ، کیونکہ بندہ کے ساتھ بہت سی ذمہ داریاں لگی ہیں مثلا اہل وعیال کے حقوق وغیرہ، جس کی وجہ سے حکم شرعی کی تعمیل میں کوتاہی ہوسکتی ہے۔ اگر احکام شرعیہ انتہائی پر مشقت ہوں گے تو ان میں سے بعض کی ادائیگی میں زیادہ انہماک اور غلو انسان کو اپنی انسانی ذمہ داریاں پورا کرنے سے مانع ہوگا اور دونوں طرف کی ذمہ داریاں پورے طور پر انجام دینا چاہے گا تو خطرہ ہے کہ دونوں سے رک جائے گا ایک ہی ذمہ داری کامل طور پر ادا نہیں کر پائے گا۔

مفصل حکمتیں: اکثر مقالہ نگار حضرات (خصوصا مفتی جمیل اختر جلیلی، مفتی عبید اللہ ندوی اور مفتی اقبال احمد ٹنکاوری) نے تیسیر کی متعدد حکمتیں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) تدین کے تقاضہ کو پورا کرنا: چونکہ اسلام کے معنی حق عبودیت کو ادا کرنا اور انقیاد ظاہر کرنا ہے جو مقاصد شریعت کو پورا کرنے کا ضامن ہے اور اس حق کی ادائیگی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ تشریع اتنی آسان اور سہل نہ ہو کہ اس کی تطبیق ممکن ہو اور بغیر کسی حرج کے اس کو نافذ کیا جاسکے۔

(۲) اعمال میں دوام واستمرار: ہماری طبیعت اور نفس پر عمل جتنا ہلکا ہوگا اور انجام دہی جتنی آسان ہوگی وہ عمل اتنا ہی پائیدار ہوگا، اور اس پر پابندی میں بھی استمرار ہوگا اس کے برعکس اگر عمل نفس پر شاق ہوگا تو دوام کے ساتھ اس پر قائم رہنا مشکل ہوگا۔ اس کا اثر بے صبری اور عمل سے دوری وانقطاع کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

امام شاطبیؒ کی عبارت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے

(۳) دخول اسلام کی ترغیب:۔ غیر مسلم جب اسلام کی نرمی اور سہولت نیز ہر طرح کے حالات میں مکلف کے احوال کی رعایت دیکھے گا تو اس کے اندر قبول اسلام کا جذبہ پیدا ہوگا اور پورے یقین کے ساتھ اس کو قبول کرے گا۔

(۴) بندوں کے ساتھ اللہ کی رحمت ومہربانی کا اظہار:۔ بایں معنی کہ اللہ تعالی نے کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیا جس کو ادا کرنے سے وہ عاجز ہو یا اس کی ادائیگی میں اس کو سخت دشواری ہو بلکہ اللہ تعالی نے تکالیف شرعیہ کو عام انسانی قدرت کے ماتحت رکھا ہے اور یہ واضح فرمادیا کہ وہ لوگوں کو مشقت اور تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے، چنانچہ آیت صوم کے آخر میں فرمایا:۔ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ (بقرۃ ۱۸۵) ترجمہ: اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں اور تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتے،،

اسی طرح سورہ مائدہ میں جہاں طہارت وضو، غسل) پھر تیمم کے ذکر کے بعد فرمایا: ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج، ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون،، (مائدۃ: ٦) ترجمہ: اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتے، اور لیکن وہ تمہیں پاک کرنا چاہتے ہیں، اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کرنا چاہتے ہیں، تاکہ تم شکر ادا کرو،،۔

(۵) شریعت کی بقا ودوام اور اسلامی قوانین کے لافانی ہونے کی تصدیق:۔ تیسیر اسلامی قوانین کے لافانی ہونے کو پختہ کرتی ہے اور یہ یقینی بناتی ہے کہ آخری شریعت ہر زمان ومکان کے ساتھ چلنے کے لائق ہے نیز اس میں انسان کے تمام حالات کی رعایت موجود ہے، اور ہر حال میں انسان کے منافع ومصالح کو پورا کرتی ہے۔ (فقہ التیسیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ: المبحث الاول، المطلب الثانی، الحکمۃ من التیسیر فی التشریع الاسلامی، ص: ۱۷، ۱۸، ط: وزارۃ اوقاف والشئون الاسلامیہ، الکویت)

مفتی عبید اللہ ندوی نے ایک حکمت یہ بھی کری ہے کہ فقہ التیسیر شریعت اور حقیقت کے درمیان ایک کڑی ہے:

بایں طور کہ الٰہی تشریعات، شارع کے منشا و مقصود، شریعت کی روح اور انسانوں کے مصالح ومفاد کی رعایت کے ساتھ قائم کی جاتی ہیں، موجودہ اور ممکنہ حالات کی روشنی میں۔

اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ:

اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات نے کوئی واضح گفتگو نہیں پیش کی۔ بعض نے بالکل سکوت اختیار کیا، تاہم بعض نے یہ بات کہی ہے کہ: شریعت اسلامی کا مقصد احکام میں نرمی اور سہولت کے پہلو کو اختیار کرنا ہے، چنانچہ جب بھی کوئی مشقت ظاہر ہوگی تو تیسیر کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے سہولت پیدا کی جائیگی، کیونکہ شریعت کے قطعی اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں سے حرج کو دور کیا جائے اور آسانی پیدا کی جائے۔ چنانچہ شریعت نے لوگوں کے اعذار کی رعایت اور اس سے مشقت کو دور کرنے کے لئے ہی رخصتیں مشروع کی ہیں۔

اگر اصولیین کی گفتگو کا مختصراً جائزہ لیا جائے تو چند پہلو سامنے آتے ہیں

(۱) احکام تکلیفیہ میں رخصت وعظیمت کی بحث کی ضمن میں تعریف رخصت اور انواع رخصت کا تعلق یسر و تیسیر سے ہے صاحب اصول الشاشی ''رخصت'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وأما الرخصة: فعبارة عن اليسر و السهولة، وفي الشرع: صرف الأمر من عسر إلى يسر بواسطة عذر في المكلف. (۸)

(۲) اصولیین نے شرائط تکلیف میں بھی تکلیف مالا یطاق وغیرہ سے بحث کی ہے

(۳) قواعد فقہ وغیرہ: اسی کے ساتھ ساتھ اصولیین نے ایسے قواعد مرتب کئے ہیں، جو یسر و آسانی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے: المشقة تجلب التيسير، الضرورات تبيح المحظورات، الأمر إذا ضاق اتسع، وإذا اتسع ضاق وغيره.

(۴) نیز اصول فقہ میں استحسان، استصلاح اور مصالح مرسلہ کی جو اصطلاحات ہیں، وہ سب یسر پر مبنی ہیں۔

سوال (۲): ۔شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں کیا ہیں؟ نیز تیسیر کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس کا دائرہ کار کیا ہے؟

جواب: بعض مقالہ نگار حضرات (خصوصاً مفتی اقبال احمد ٹنکاوری، مفتی عبید اللہ ندوی، مفتی عبید الرحمٰن قاسمی، مفتی محمد شاہجہاں ندوی) نے تیسیر کی بنیادوں کو چند نکات میں پیش کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) انسانی طاقت وصلاحیت کی رعایت:

انسان کی طاقت وقدرت محدود ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قدرت علمیہ جو ذاتی ادراک کے وسائل اور اس سے اکتساب معرفت کے وسائل کی نمائندگی کرتی ہے اور دوسرے وہ قدرت عملیہ جو اعضاء کے ذریعے اس چیز کے امتثال کو ثابت کرتی ہے، قدرت علمیہ میں تیسیر جیسے مراد الٰہی تک پہنچنے میں غلبۂ ظن کا اعتبار۔

(۲) واقعیت اور حقیقت پسندی اور انسان پر طاری ہونے والے احوال کی رعایت:- اللہ تعالی نے احکام کو عام وضع میں انسان کی قدرت سے ہم آہنگ بنایا ہے، لیکن انسان بعض دفعہ ایسے عوارض سے دوچار ہوتا ہے جہاں وہ امتثال حکم کی قدرت کھودیتا ہے تو ایسے مواقع کے لیے اللہ تعالی نے شریعت میں لچک رکھی ہے، چنانچہ شریعت قوت و ضعف کے اعتبار سے مکلف کی قدرت کے اعتبار سے چلتی ہے۔

(۳) عام انسانی ضعف کی رعایت:- اللہ تعالی کا ارشاد ہے:- وَخُلِقَ ٱلإِنسان ضَعِيفا (النساء). ابن عاشور فرماتے ہیں کہ اس فرمان کے ذیل میں تخفیف کا حکم اور اس دین کی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار ہے، نیز ڈاکٹر امیر عبدالعزیز لکھتے ہیں:

قيام الشريعه على اليسر و نبذها للعسر، و في ذلک مراعاة كاملة لطبيعة الإنسان المبنية على الضعف، ضعف البنية، و ضعف الاحتمال، و ضعف الإرادة و الاصطبار، و أساس ذلک كله محدودية الطاقة و الاقتدار، و به يستدل على اعتماد التيسير و نبذ التعسير. (أصول الفقه الإسلامي ١/١٦٢، ط: دار السلام) (مقالہ عبید اللہ ندوي)

(۴) ہر حال میں اللہ تعالی کی بندگی: انسان کے احوال کے مدنظر اللہ تعالی نے تیسیر کا معاملہ فرمایا ہے تاکہ انسان ہر حال میں اللہ کا بندہ رہے، خواہش نفس کا بندہ نہ بنے چنانچہ امام شاطبی لکھتے ہیں:- حتى يكون عبد الله اختيارا كما هو عبد الله اضطرارا. (الموافقات (۲/ ۹۸۲)

مفتی ذاکر نعمانی نے تیسیر و رخصت کی بنیاد نصوص کو قرار دیا ہے اور اس بات کو بھی کہ تمام احکامات و تعلیمات میں بشری طاقت و صلاحیت کی رعایت کی جائے اور حسب ضرورت و حاجت تخفیف اور دفع حرج کا خاص اہتمام کیا جائے تاکہ یہ دین زمانے کو ساتھ لے کر چل سکے۔

اکثر مقالہ نگار حضرات نے تیسیر کی بنیاد قرآن و حدیث کے نصوص، آثار صحابہ اور قواعد فقہیہ کو مانا ہے، (خصوصا مفتی جمیل اختر جلیلی، مفتی اسجد حسن ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی سعود ممتاز ندوی، ان کے علاوہ بعض دیگر نے بھی چند نصوص کو بنیادی طور پر پیش کیا ہے، مفتی ذاکر نعمانی ندوی، مفتی صابر حسین ندوی، وہ نصوص درج ذیل ہیں:

(۱) الف: بنیاد اول: قرآن کریم

اس کی سب سے پہلی بنیاد قرآن مجید ہے، اس کی مختلف آیاتوں میں اس کی صراحت کی گئی ہے، کچھ آیات درج ذیل ہیں، جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) نصوص عامہ: یہ درج ذیل ہیں:

(۱) لا يكلف الله نفسا إلا وسعها (البقرة ٢٨٦) ترجمہ: (اللہ کسی جان پر اس کی طاقت کے برابر ہی بوجھ ڈالتا ہے)۔

(۲) وَيَضَعُ عَنهُم إِصرَهُم وَٱلأَغلَـٰلَ ٱلَّتِى كَانَت عَلَيهِم (الأعراف ۱۵۷) ترجمہ: اوران پر سے ان کے بوجھ اوروہ قیدیں اتارتا ہے جوان پر تھیں۔ یہاں اصر سے مرادوہی بوجھ اور ثقل مراد ہے جوانسانی کے لئے باعث مشقت یا غیرعادیہ ہیں۔

(۳) یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرۃ ۱۸۵) ترجمہ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اورتم پر تنگی نہیں چاہتا۔ اللہ توتم سے صرف تیسیر کا ہی معاملہ چاہتا ہے، اسی لئے مسافر کے لئے اورمریض کے لئے اباحت دی گئی کہ روزہ کی قضاء کرلے۔

(۴) ما جعل علیکم في الدین من حرج (الحج ۷۸). ترجمہ: اوردین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی۔ یعنی کسی طرح کی کوئی تنگی نہیں بلکہ سہولت کا معاملہ کیا اورضرورت کے وقت اورزیادہ آسان کیا، قصر، تیمم، اورمردار کھانے کی اجازت، مرض اورسفرمیں خاص رعایتیں۔

(۵) يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُم وَخُلِقَ ٱلإِنسَـٰنُ ضَعِيفًا (النساء: ۲۸)

مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجعَلَ عَلَيكُم مِّن حَرَجٍ وَلَـٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُم وَلِيُتِمَّ نِعمَتَهُ عَلَيكُم لَعَلَّكُم تَشكُرُونَ (المائدۃ: ٦)

(٦) رَبَّنَا وَلَا تَحمِل عَلَينَا إِصرًا كَمَا حَمَلتَهُ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (البقرۃ: ۲۸٦)

ترجمہ: اے رب ہمارے! اورہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تونے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔۔ یہاں اصرًا سے مرادوہی مشقتیں جوبہت دشوارتھیں جیسے بنی اسرائیل میں توبہ کے لئے نفس کا قتل کیا جانا، اورزکوۃ میں ایک چوتھائی مال، اورجہاں نجاست لگی ہواس کوکاٹ کرالگ کرنا۔

(ب) نصوص خاصہ: یہ درج ذیل ہیں:

(۷، ۸) وَإِن كُنتُم مَّرضَىٰ أَو عَلَىٰ سَفَرٍ أَو جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلغَآئِطِ أَو لَـٰمَستُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَم تَجِدُواْ مَآءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا (النساء: ۴۳)، ومثلھا في آیۃ سورۃ (المائدۃ: ٦)

(۹) فَإِن خِفتُم فَرِجَالًا أَو رُكبَانًا فَإِذَآ (البقرۃ: ۲۳۹)

(۱۰) ٱلـَٔـٰنَ خَفَّفَ ٱللَّهُ عَنكُم وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُم ضَعفًا فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّاْئَةٌ صَابِرَةٌ يَغلِبُواْ مِاْئَتَينِ وَإِن يَكُن مِّنكُم أَلفٌ يَغلِبُوٓاْ أَلفَينِ بِإِذنِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ مَعَ ٱلصَّـٰبِرِينَ (الأنفال: ٦٦)

(۱۱) أُحِلَّ لَكُم لَيلَةَ ٱلصِّيَامِ ٱلرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُم (البقرۃ: ۱۸۷)

(12) لَّيسَ عَلَى ٱلأَعمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى ٱلأَعرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى ٱلمَرِيضِ حَرَجٌ (الفتح: ۱۷) (۹)

یہ تمام اوران جیسی مختلف آیات تخفیف اورتیسیر پر دلالت کررہی ہیں۔

(ب) سنت رسول تیسیر کی دوسری بنیاد:

مختلف احادیث میں تیسیر کا حکم دیا گیا ہے؛ بل کہ بعض موقعوں پر تیسیر نہ کرنے کی صورت میں آپ نے ناراضگی کا بھی اظہار فرمایا ہے، یہ احادیث بھی دو طرح کی ہیں:

(الف) عام: چند احادیث درج ذیل ہیں:

(1) حديث أبي هريرة مرفوعًا: إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا.

(۱۰) ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک یہ دین آسان ہے، جو بھی اس دین سے زور آزمائی کرے گا یہ اسکو پچھاڑ دے گا۔ اسلئے راہ راست پر چلتے رہو، میانہ روی اختیار کرو، خوشخبریاں سناتے رہو...''

(۲) إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ. (۱۱) ترجمہ: ''تم لوگ لوگوں پر آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، سختی کرنے کے لئے نہیں.

(۳) حديث ابن عمر مرفوعًا: إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يكره أن تؤتى معصيته. (۱۲)

(۴) حديث عائشة ل: مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ.. لفظ البخاري، وفي لفظ له: ..إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا. (۱۳) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ ان میں آسان چیزوں کو اختیار فرمایا، بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔

حديث معاذ وأبي موسى: يسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا. ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ اور حضرت ابو موسیٰ کو یمن بھیجا، آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ ہدایت فرمائی کہ تم دونوں (وہاں جا کر لوگوں کے لیے) آسانیاں پیدا کرنا، انہیں تنگی میں نہ ڈالنا۔ خوشخبریاں دینا، متنفر نہ کرنا۔ آپس میں ایک دوسرے کی معاونت کرنا اور آپس میں اختلافِ رائے نہ کرنا۔ (صحیح البخاری، جلد ۴، باب ما یکرہ من التنازع، صفحہ ۶۵، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(ب) خاص: بعض احادیث میں مخصوص اعمال وافعال کا ذکر ہے، چند یہ ہیں:

(۵) حديث أبي هريرة مرفوعا: لولا أن اشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل وضوء وفي رواية: كل صلاة (صحيح البخارى، حديث نمبر: ۸۸۷ وفي باب سواك الرطب واليابس للصائم معلقا، صحيح مسلم، حديث نمبر: ۲۵۲)

(۶) صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنب (صحيح البخارى، حديث نمبر: ۱۱۱۷)

(۷) ألا صلوا في الرحال (صحيح البخارى، حديث نمبر: ۶۲۶، صحيح مسلم، حديث نمبر: ۶۹۷)

(٨) إنى لأقوم إلى الصلاة وأنا أريد أن أطول فيها فأسمع بكاء الصبى فأتجوز كراہية أن أشق على أمة (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۸٦۸)

(٩) إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه

ترجمہ: نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں کہ میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ نماز کو لمبا کروں، مگر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں، تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ اِس بات کو برا سمجھتا ہوں کہ اُس کی ماں کے لیے آزمائش پیدا کروں۔ (صحیح البخاري، جلد 1، باب من أخفّ الصلاۃ عند بکاء الصبي، صفحہ ۹۸)

(۱۰) عن ابی مسعود الانصاری قال: قال رجل: یارسول اللہ لا اکاد ادرک الصلاۃ مما یطول بنا فلان، فما رایت النبی صلی اللہ علیه وسلم فی موعظة اشد غضبا من یومئذ، فقال: ایها الناس انکم منفرون فمن صلی بالناس فلیخفف فان فیهم المریض والضعیف وذا الحاجة.

(حضرت ابومسعود انصاری رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے عرض کی کہ یارسول اللہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ! ہوسکتا ہے کہ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کرسکوں، کیونکہ فلاں شخص ہمیں بہت طویل قرأت کے ساتھ نماز پڑھاتا ہے، حضرت ابومسعود رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کہتے ہیں کہ میں نے نصیحت کرنے کے لحاظ سے اُس دن سے زیادہ کبھی نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو جلال میں نہیں دیکھا، آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کے بندوں کو دِین سے دور کرتے ہو، اب جو شخص بھی لوگوں کو نماز پڑھائے اُسے چاہیے کہ قراءت میں تخفیف کرے، کیونکہ نمازیوں میں بیمار، کمزور جان اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں) (صحیح البخاری، جلد ا، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم اذا رای ما یکرہ، صفحہ ۱۹)

اور بھی متعدد احادیث ہیں جو تیسیر پر دلالت کرتی ہیں۔ (۱۴)

(ج) آثار صحابہ تیسیر کی تیسری بنیاد:

عمیر ابن اسحاق صحابہ کرام کے تعلق سے فرماتے ہیں:

(۱) أدركت من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثر ممن سبقني منهم، فلم أر قوما أهون سيرة، ولا أقل تشديدًا منهم. مصنف ابن أبي شيبة (۷/ ۲۲۸) (۳۵۵٦۰)، وفي لفظ: فما رأيت قوما أيسر سيرة. مسند الدارمي. (۱/ ۲۴۵) (۱۲۸)، وينظر: (الاعتصام ۳۹۵)

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: خرج عمر رضی اللہ عنہ فی رکب فیهم عمرو بن العاص؛ حتی وردوا حوضاً، فقال عمرو: یاصاحب الحوض! هل ترد حوضک السباع؟ فقال عمر: لاتخبرنا، فإنا نرد السباع وترد علینا (المؤطا،

حدیث نمبر: ٦٢، مختصر خلافیات البیہقی: ١/٣٨٧)

(٣) **حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:** من کان مستناً فلیستن بمن قدمات، فإن الحی لاتؤمن علیه الفتنة، أولئک أصحاب رسول اللہ ﷺ کانوا واللہ أفضل ہذہ الأمة، وأبرہا قلوباً وأعمقہا علماً، وأقلہا تکلفاً، قوم اختارہم اللہ لصحبة نبیه وإقامة دینه، فاعرفوا لہم فضلہم، واتبعوہم فی آثارہم، وتمسکوا بما استطعتم من أخلاقہم ودینہم، فإنہم کانوا علی الہدی المستقیم. (جامع بیان العلم وفضله لابن عبدالبر: ٢/٩٤٧)

(٤) **حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:** إنما أراد اللہ بالفطر فی السفر التیسیر علیکم، فمن یسر علیه الصوم فلیصم، ومن یسر علیه الفطر فلیفطر (شرح معانی الآثار: ٢/٦٦)

(د) آثارتابعین تیسیر کی ایک بنیاد:

(١) **محمد بن عبداللہ بن ابی مریم کہتے ہیں:** انکسر ظفري وأنا محرم، فآذاني فقطعته، فسألت سعید بن جبیر، فقال: ”ھل آذاک؟“ فقلت: نعم، فقال: فاقطعه یا ابن أخي، (یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر) (البقرة: ١٨٥). (مصنف ابن أبي شیبة) (٣/١٣٣) (١٢٧٥٧)

(٢) من أمَّ الناس في رمضان فلیأخذ بھم الیسر، فإن کان بطيء القراءة فلیختم القرآن ختمة، وإن کان قراءته بین ذلک فختمة ونصف فإن کان سریع القراءة فمرتین. مصنف ابن أبي شیبة (٧٦٧٩)

(د) قواعد تیسیر کی ایک وسیع بنیاد:

ان میں تین طرح کے قواعد شامل ہیں:

(١) فقہی قواعد (٢) اصولی قواعد (3) مقاصدی قواعد

(1) **فقہی قواعد جیسے:** المشقة تجلب التیسیر، الضرورات تبیح المحظورات، إذا ضاق الأمر اتسع، الیقین لایزول بالشک، الأصل فی الأشیاء الإباحة، الضرورات تبیح المحظورات، الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة کانت أو خاصة، العادة محکمة، الفتوی تتغیر بتغیر الزمان والمکان والحال۔

(٢) اصولي قواعد وأدلة جیسے: استحسان، مصالح مرسله، عرف، استصحاب، وغیرہ. **یہ اصولي قواعد تیسیر پر مبنی ہیں، ان میں تیسیر کا پہلو صاف طور پر نظر آتا ہے۔**

ان کے علاوہ ”رخصت“، ”احکام تکلیفیہ ووضعیہ“ اور خود ”نظریہ تکلیف“ پر بھی نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو بھی احکام دئے ہیں، ان سب میں تیسیر اور رفع حرج کو پیش نظر رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک بنیادی اصول کے طور پر فرما دیا ہے: لایکلف اللہ نفساً إلا وسعہا۔ **اور یسر وتیسیر کی پسندیدگی پر فرمایا** ”إن اللہ یحب أن تؤتی رخصه کما یکرہ أن تؤتی معصیته“

(۳) مقاصدی قواعد: دفع مضرت، اور جلب منفعت وغیرہ۔

مفتی جمیل اختر جلیلی فرماتے ہیں: مقاصدی قواعد میں دوتین باتیں زیادہ اہم ہیں، ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ بندوں کو جو بھی احکام دئے گئے ہیں، ان میں دو چیزوں کو سامنے رکھا گیا ہے: (۱) دفع مضرت (۲) جلب مصلحت، امام شاطبی فرماتے ہیں:

المعلوم من الشريعة أنها شرعت لمصالح العباد، فالتكليف كله إما لدرء مفسدة، وإما لجلب مصلحة، أو لهما معاً (الموافقات: ۱/۳۱۸)

لہٰذا سب سے پہلے مقاصدی قواعد میں اسی کو بنیاد بنایا جائے گا۔

مقاصدی قواعد میں دوسرے نمبر پر ''اعتبار المآلات'' (نتائج کا اعتبار) کرنا ہے، جس کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر احمد ریسونی لکھتے ہیں:

ومعناه: النظر فيما يمكن أن تؤول إليه الأفعال والتصرفات والتكاليف موضوع الاجتهاد والإفتاء والتوجيه، وإدخال ذلك في الحسبان عند الحكم والفتوى (الاجتهاد بين النص والواقع والمصلحة، ص: ۶۷)

اس کے معتبر ہونے کے تعلق سے علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

النظر في مآلات الأفعال معتبر مقصود شرعاً، كانت الأفعال موافقة أو مخالفة، وذلك أن المجتهد لا يحكم على فعل من الأفعال الصادرة عن المكلفين بالإقدام أو بالإحجام إلا بعد نظره إلى مايؤول إليه ذلك الفعل، مشروعاً لمصلحة فيه تستجلب، أو لمفسدة تدرأ (الموافقات: ۵/۱۷۷)

مآل کے اعتبار کے تعلق سے قرآن وحدیث میں بھی تذکرہ موجود ہے، ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم (الأنعام: ۱۰۸) اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: إن من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه، قيل: يارسول الله! وكيف يلعن الرجل والديه؟ قال: يسب الرجل أبا الرجل فيسب أباه، ويسب أمه فيسب أمه (صحيح البخاري، حديث نمبر: ۵۹۷۳، صحيح مسلم، حديث نمبر: ۱۴۶)

مقاصدی قواعد میں تیسرے نمبر پر ''رفع الحرج'' کا قاعدہ آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو بھی احکام بندوں کو دئے ہیں، ان کے اندر کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، ان مقاصد میں ایک اہم مقصد ''مکلفین سے حرج کو دور کرنا'' ہے، اس سلسلہ میں قرآن میں صراحت موجود ہے، ارشاد ہے: مايريد الله ليجعل عليكم من حرج (المائدة: ۷)، دوسرح جگہ ہے: وما جعل عليكم في الدين من حرج (الحج: ۷۸)، اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا قول ہے: وضع اللہ الحرج (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۴۵۴)

خلاصہ یہ کہ: تیسیر کی پانچ بنیادیں ہیں: قرآن، حدیث، آثار صحابہ، آثار تابعین اور فقہی، اصولی ومقاصدی قواعد، انھیں بنیادوں پر تیسیر کے پہلو کی رعایت کی جائے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہ التیسیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ للدکتور عبدالرقیب صالح محسن الشامی، ص: ۲۵ ومابعدہا)۔

تیسیر کے اسباب: -اکثر مقالہ گار حضرات نے چند اسباب کو بیان کیا ہے جو درج ذیل ہیں (): (۱) سفر (۲): -مرض (۳): -اکراہ (جبروزبردستی) (۴): -نیسان (۵): -جہل (لاعلمی) (۶): -عسر (مشکل اور دشواری میں پڑ جانا) (۷): -جنون (۸) بیہوشی (۹): -نیند (۱۰): -صغرسنی (۱۱): -عموم بلوی (عام طور پر لوگوں کا مبتلا ہونا) (۱۲): -خوف (۱۳): -خطاء (۱۴): -نقص طبعی (قدرتی طور پر کمی) (۱۵): -فقروافلاس (۱۶): -موسمی حالات (۱۷): -حاجت (۱۸): -بھوک وپیاس

مفتی عبیداللہ ندوی صاحب نے وضاحت کے ساتھ اسباب بیان کیئے ہیں، ذیل میں وہ اسباب ذکر کئے جاتے ہیں، جن کیوجہ سے احکام میں تخفیف اور سہولت پیدا ہوتی ہے:

۱-سفر: اس کی وجہ سے شرعی سہولتیں اور رخصتیں ملتی ہیں، مثلا رباعی نمازوں میں قصر (چار رکعت کے بجائے دو رکعت)، رمضان کے روزے نہ رکھنے کی اجازت، پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا جواز، جمع بین الصلاتین کی رخصت [عند الشافعیۃ وغیرھم]. تین دن تک موزوں (خف وغیرہ) پر مسح کی گنجائش، اسی طرح جمعہ، عیدین اور جماعت کے ترک کی اجازت، جانور کی سواری پر نوافل غیرہ پڑھنے کی اجازت، قربانی میں رعایت، جن کے یہاں یہ واجب ہے. (۱۵)

۲-مرض: حالت مرض میں رخصت کی مثالیں احکام میں بہت ہیں: وضو اور غسل کرنے سے اگر مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت ہے، نیز مرض کی حالت میں بیٹھ کر، لیٹ کر، اشارہ سے، جس طرح بھی سہولت ہو نماز پڑھنا جائز ہے، رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت، مرض کیوجہ سے اعتکاف سے باہر آجانے، اور حج میں اپنا قائم مقام بنا کر کسی کو بھیج دینے کی اجازت ہے۔ (حوالہ سابق، ص: ۳۱۹)

۳-اکراہ: اس سے مراد ایسی چیز کی دھمکی ہے جو انسان کے لئے مضرت رساں اور تکلیف دہ ہو، اس کی جامع تعریف علامہ نسفیؒ نے یہ کی ہے: جو شخص اکراہ پر قادر ہو وہ کسی ایسی فوری سزا کی دھمکی دے جس کی وجہ سے ایک باسمجھ انسان وہ کام کرنے پر آمادہ ہو جائے جس کے کرنے پر اسے مجبور کیا جارہا ہے، اور گمان غالب یہ ہو کہ اگر وہ یہ کام نہیں کرے گا تو دھمکی دینے والا اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دے گا،، (طلبۃ الطلبۃ فی الاصطلاحات الفقہیۃ، ص: ۱۲۱، ط: مکتبہ مثنی بغداد، مطبعۃ عامریہ)

شریعت اسلامیہ نے اکراہ کی حالت میں تخفیف کو مدنظر رکھا ہے، دین اسلام میں شرک اور کفر سے بڑا کوئی جرم

نہیں لیکن اس جرم میں بھی اکراہ کی صورت میں صرف نظر کیا جاتا ہے،ارشاد باری ہے: إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب أليم۔(نحل: ۱۰۶) ترجمہ: جو اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کرے سوائے اس کہ کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو،لیکن وہ جو دل سے اور دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

شریعت نے اکراہ کی صورت میں درج ذیل رخصتیں فراہم کی ہیں:

الف: اکراہ تام کی صورت میں شراب نوشی کرنے والے پر حد نہیں گی۔

ب: اکراہ تام کے تحت کسی کا مال تلف کیا تو مجبور کرنے والے پر ضمان ہوگا کیونکہ مکرَہ شخص اس کا آلہ کار ہے ،البتہ اکراہ ناقص کی صورت میں اس پر ضمان ہوگا۔

ج: اکراہ کے تحت کلمۂ کفر کہنے والے کو کافر نہیں مانیں گے،البتہ اس کے برعکس صورت میں اگر ایمان لانے پر مجبور کیا جائے تو اس کا ایمان تسلیم کیا جائے گا۔

د: اکراہ تام کے نتیجہ میں اگر قتل ہوا تو احناف میں سے طرفین کے نزدیک قصاص نہیں ہوگا،البتہ مکرِہ پر تعزیری سزا ہوگی،شوافع کے نزدیک دونوں پر قصاص ہوگا،اکراہ ناقص کی صورت میں بالاتفاق مجبور شخص پر قصاص ہوگا۔

ھ: اکراہ نکاح میں مؤثر نہیں ہوگا۔

و: بیع،ہبہ اکراہ سے فاسد ہوجاتے ہیں،خواہ اکرہ تام ہو یا ناقص۔

ز: اکراہ کے تحت کسی پر بہتان لگانے سے حد قذف جاری نہیں ہوگی۔

۶۔نسیان :ضرورت کے وقت کسی چیز کا یاد نہ آنا نسیان کہلاتا ہے(دیکھئے: الاشباہ والنظائر ،لابن نجیم ،ص:۱۷۴)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نسیان کی بناء پر کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کرنے سے مرتکب سے گناہ مطلقا ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے: رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه.(بخاری رقم: ،قواعد الاحکام ۲/۲،لعزالدین بن عبدالسلام) ترجمہ: میری امت سے خطا اور نسیان اور وہ چیز جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہے،اٹھا لیا گیا ہے،،۔

یاد رہے کہ نسیان کیوجہ سے اگر ارتکاب فعل یا ترک فعل ہوا ہو تو اخروی گناہ ساقط ہوگا،لیکن دنیوی نتیجہ ساقط نہیں ہوگا،مثال کے طور پر کسی شخص نماز قائم کرنا یا زکوۃ دینا یا روزہ رکھنا بھول گیا تو اس پر نماز کی قضا واجب ہوگی ،ہاں بھولنے کا گناہ، کہ وقت پر ادائیگی نہیں کی ، یہ معاف ہوجائے گا،الا یہ کہ وہ ایسی چیز ہو جس کا تدارک نہ ہوسکتا ہو،مثلا جہاد، جمعہ،نماز کسوف اور نماز جنازہ وغیرہ۔

۷۔جہل: جہل علم کی ضد ہے، اصطلاح فقہ میں جہل کہتے ہیں احکام شریعت سے ناواقفیت کو،خواہ جزوی طور پر ہو، یا کلی طور پر، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں :ھو عدم العلم ممن شأنہ أن یکون عالما. جہل ایسی شئ کے عدم علم کو کہتے ہیں جس کا علم ہونا چاہئے،،(الاشباہ والنظائر ص: ۴۷۴)

جہل اسباب تیسیر میں سے ایک سبب ضرور ہے لیکن یاد رہے کہ شریعت کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ احکام شریعت کی مکمل واقفیت حاصل کی جائے اور اس مقصد کے لئے حصول علم کی ہر ممکن کوشش کی جائے ،جس نے اللہ کا کوئی حکم نہ مانا اور اس کے لئے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی ،لہذا ہر آدمی کا فرض ہے کہ اللہ کا حکم مانے ۔(الفروق للقرافی ۲/ ۱۴۸)

۸۔جنون: مجنون وہ ہے جس کی عقل جاتی رہی ہو اور وہ بات کو نہ سمجھتا ہو اور کسی وقت بھی اس کو افاقہ نہ ہوتا ہو،تو ایسے آدمی کے لئے شریعت کے احکام وہی ہیں جو صغیر السن بچے کے ہوتے ہیں۔(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/ ۳۶۸)

۹۔نقص طبعی:نقص طبعی سے مراد جسمانی معذوری ہے مثلاً اندھا یا لنگڑا یا اپاہج وغیرہ ہونا،قرآن کریم میں ارشاد ہے:لیس علی الأعمی حرج ولا علی الأعرج حرج ولا علی المریض حرج. (نور:۶۱) ترجمہ: نہ اندھے پر اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر تنگی ہے،،۔

نقص طبعی اسباب تخفیف میں سے ہے، جب کوئی شخص طبعی نقص (اندھے پن، بہرے پن، گونگے پن وغیرہ) کا شکار ہو تو روزمرہ کے کام کاج میں اسے غیر معمولی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، بلکہ بعض دفعہ تو غیر معمولی مشقت برداشت کرنے کے باوجود کام کرنا ناممکن ہوتا ہے،لہذا طبعی نقص حالتِ ضرورت کی ایک شکل ہے جس میں تخفیف اور رخصت مہیا کی گئی ہے۔

۱۰۔نیند: نائم سے مراد وہ شخص ہے جو سویا ہو اور نیند کی حالت میں اسے یہ خبر نہ ہو کہ اس کے منہ سے کیا بات نکل رہی ہے اور اس کے اعضاء سے کن افعال کا صدور ہو رہا ہے،حدیث میں ہے: رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی یستیقظ، وعن المجنون حتی یفیق،وعن الصبي حتی یعقل (ابوداود، رقم:۴۳۹۹ کتاب الحدود) ترجمہ: تین لوگوں سے قلم (تکالیف شرعیہ) اٹھالیا گیا ہے،سوئے ہوئے سے، یہاں تک کہ بیدار ہو جائے ،مجنون سے یہاں تک کہ افاقہ ہو جائے ، بچے سے، یہاں تک کہ وہ بالغ عاقل ہو جائے،،۔

۱۱۔صغر سنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی یستیقظ، وعن المجنون حتی یفیق،وعن الصبي حتی یعقل (ابوداود، رقم: ۴۴۰۳ کتاب الحدود) ترجمہ: تین لوگوں سے قلم (تکالیف شرعیہ) اٹھالیا گیا ہے،سوئے ہوئے سے، یہاں تک کہ بیدار ہو جائے ،مجنون سے یہاں تک کہ افاقہ ہو جائے ، بچے سے،

یہاں تک کہ وہ بالغ عاقل ہوجائے،،۔

نابالغ کے بعض خصوصی احکام یہ ہیں:

الف:اس پر حدود وقصاص اور تعزیر نہیں،البتہ اس کی تادیب کی جاسکتی ہے۔

ب:اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ج:اسے میدان جنگ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

د:اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی۔(دیکھئے:الاشباہ والنظائر ص:۴۷۹ تا ۴۸۴)

۱۲۔فقر وافلاس: دنیا میں سب سے زیادہ ضعیف اور مستحق رعایت وسہولت وہ طبقہ ہے جسے ہم فقراء ومساکین کے نام سے جانتے ہیں،قرآن وحدیث میں اس طبقے کے لئے بہت سی سہولتیں اور رعایتیں رکھی گئی ہیں،مثلا نہ ان پر زکوۃ فرض ہے نہ حج، بلکہ جہاں تک زکوۃ کی بات ہے تو دینے کے بجائے لینے کا مستحق مانا گیا ہے،روزہ کے معاملہ میں بھی یہ حال ہے کہ اگر توڑے ہوئے روزہ کا کفارہ نہ ادا کرسکے تو اس کے لئے بعض ایسی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں جو اہل ثروت کے لئے نہیں ہیں،مثال کے طور پر نسائی شریف میں روایت ہے کہ ایک صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا ہے،آپ نے فرمایا: غلام آزاد کرسکتے ہو؟ کہا:نہیں ،فرمایا دوماہ کے لگاتار روزہ رکھ سکتے ہو؟ کہا:نہیں ،فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ عرض کیا: نہیں ،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھجور سے بھرا ہوا تھیلا آیا،تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ لے جاؤ اور محتاجوں میں تقسیم کردو،تو ان صحابی نے عرض کیا؛ کہ مجھ زیادہ پورے مدینہ میں کوئی محتاج نہیں ہے،اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسی آگئی اور فرمایا: اچھا لے جاؤ اپنے گھر والوں کو ہی کھلا دو،،(بخاری رقم:۱۹۳۶،شرح مسلم علی النووی رقم:۱۱۱۱،باب تغلیظ تحریم الجماع فی نھار رمضان)

قرآن کریم میں ہے :إنما الصدقات للفقراء والمساکین .(توبہ:۶۰) ترجمہ: صدقات فقراء،مساکین کے لئے ہے۔

۱۳۔موسمی حالات: غیر معمولی موسمی حالات انسان کے معمول کے کاموں میں مشکلات پیدا کرتے ہیں اور بعض دفعہ تو انسان عادی اور معمول کے کام سرے انجام دے نہیں پاتا،ایسے حالات میں شریعت نے طہارت اور عبادت میں تخفیف وسہولت کی گنجائش رکھی ہے،مثلا:

الف: اگر ہواؤں کے جھونکے سے پانی میں گرد وغبار اور بھونسے اور پتے وغیرہ گرجائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، بلکہ وضو اور غسل کے قابل رہے گا۔(کتاب الفقہ ۱/ ۳۴)

ب: سخت ٹھنڈے یا گرم پانی کے ساتھ وضو اور غسل سے چونکہ ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے اس لئے اگر کوئی اور

پانی نہ ہوتو غسل جنابت اور وضو کے بجائے تیمم کرنے کی اجازت ہے، (حوالہ سابق ص: ۳۹)

ج: شدید سردی کے موسم میں وضو کرتے ہوئے مسح کیا جا سکتا ہے، (عالمگیری ۱ / ۳۲، کتاب الطہارت)

د: بارش کا پانی یا کیچڑ، جس میں نجاست کی آمیزش ہو، بارش کے دوران یا بارش کے بعد کسی راستہ میں موجود ہوں اور کسی کے کپڑوں میں لگ جائیں تو معفوعنہ ہے (کتاب الفقہ ۱ / ۱۷)

ھ: تیز بارش، ژلہ باری، سخت آندھی، سخت اندھیرا اور شدید کیچڑ وغیرہ کی صورت میں جمعہ و جماعت ترک کرنے کی گنجائش ہے۔ (الاشباہ والنظائر: ۴۳۹)

و: شرعی سزاؤں کے نفاذ میں بھی موسمی حالات کو سامنے رکھا جائے گا، مثلاً سخت سردی یا سخت گرمی میں قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ ایسی صورت میں معمول سے زیادہ تکلیف ہوسکتی ہے۔ (دیکھئے: ہدایہ ۲ / ۵۳۴، کتاب الحدود)

۱۴۔ حاجت: حاجت سے مراد ایسی صورتحال ہے جس میں تنگی، مشقت اور تکلیف اس حد تک بڑھ جائے کہ ظن غالب ہو کہ ضرر واقع ہوگا، حاجت کی اسی اہمیت کے پیش نظر شریعت کے بیشتر مسائل میں اسے بنیاد بنایا گیا ہے، چنانچہ حاجت کے تقاضہ پر عمل ضروری ہوگا خواہ قیاس کے خلف عمل کرنا پڑے، مثلاً اجارہ خلاف قیاس ہے لیکن لوگوں کو اس کی شدید حاجت رہتی ہے اس لئے اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ (الاشباہ والنظائر ص: ۱۱۵)

نیز فقہاء نے فرمایا ہے: الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة. (الاشباہ والنظائر ص: ۱۱۵)

ترجمہ: حاجت کو ضرورت کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے، خواہ حاجت عام ہو یا خاص۔

۱۵۔ بھوک اور پیاس: بھوک اور پیاس بشری کمزوری ہے، شدید بھوک اور پیاس سے انسان کی جان بھی جاسکتی ہے، اسی لئے قرآن کریم میں شدید بھوک کی حالت میں حرام شئ کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی ہے، فرمایا گیا: فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لإثم. (مائدہ: ۳) ترجمہ: ہاں جو کوئی بھوک کی شدت سے بے قرار ہو جائے،، دوسری جگہ فرمایا گیا: فمن اضطر غير باغ ولا عاد،، (بقرہ: ۱۷۳) ترجمہ: لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے اور نہ بے حکمی کرنے والا ہو اور نہ حد سے نکل جانے والا،،۔

۱۶۔ عموم بلوی: اس کے معنی ہیں بلوی (مصیبت) کا عام ہونا، شریعت میں عموم بلوی سے مراد کسی بلا، یا مصیبت، یا شدید مشقت کا اس قدر عام ہو جانا کہ لوگوں کے لئے اس سے بچنا مشکل ہو جائے، تو یہ ضرورت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے، لہذا شریعت ایسی صورت میں تخفیف اور سہولت فراہم کرتی ہے۔ (دیکھئے: اسلامی نظریہ ضرورت ص: ۵۷، ڈاکٹر عبدالمالک)

۱۷۔ خوف: شریعت اسلامیہ میں خوف کی مختلف حالتوں کو خطرے کی شدت کے لحاظ سے بہت اہمیت دی گئی

ہے، چنانچہ دشمن کے خوف سے نماز میں تخفیف کی جاسکتی ہے، قرآن کریم میں ہے: لیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلاۃ إن خفتم أن یفتنکم الذین کفروا (نساء:۱۰۱) ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر (کم) کرکے پڑھو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے،، نیز فرمایا: فإن خفتم فرجالا أو رکبانا. (بقرۃ:۲۳۹) ترجمہ: اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھ لو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رعایت سفر تک بڑھا دی، کیونکہ سفر میں بھی اسی عدم سکون اور اضطراب کی کیفیت کا سامنا رہتا ہے۔ (دیکھئے: بخاری ۱/ ۴۳۲، ۴۳۳) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا عمل بیان کیا گیا ہے: کان یصلي في السفر علی الراحلۃ أینما توجھت بہ، یؤمي إیماء وذکر عبد اللہ أن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یفعلہ. (بخاری، کتاب الصلاۃ ۱/ ۴۳۵) ترجمہ: وہ سفر میں سواری پر نماز پڑھتے تھے جس طرف بھی سواری کا رخ ہوتا، اشارہ سے نماز پڑھتے تھے، اور وہ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے،،۔

۱۸۔ضرر: ضرر کے معنی ہیں: تکلیف یا نقصان کے، خواہ اس کا تعلق انسانی جسم سے ہو یا حقوق سے، ضرر کا مفہوم بہت وسیع ہے، معمولی ذہنی صدمہ اور معمولی جسمانی تکلیف سے لیکر ہلاکت، شدید جسمانی عارضہ، مالی نقصان اور حیثیت عرفی میں کمی تک، ہر قسم کے نقصان والم کو ضرر کہہ سکتے ہیں۔ (اسلامی نظریہ ضرورت، ص:۴۹)

قرآن کریم میں ہے: لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ. (بقرۃ: ۲۳۳) ترجمہ: والدہ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے گا، نہ والد کو اس کے بچے کی وجہ سے نیز دوسری جگہ ہے: ولا یضار کاتب ولا شھید. (بقرۃ: ۲۸۲) ترجمہ: اور نہ کاتب اور گواہ کو ضرر پہونچایا جائے گا۔

حدیث شریف میں ہے: لا ضرر ولا ضرار (ابن ماجہ، ابواب الاحکام ۲/ ۶۹) ترجمہ: (اسلام میں) نہ ضرر اٹھانا ہے اور نہ ضرر پہونچانا ہے، اسی کلیہ کو بنیاد بنا کر فقہاء نے بہت سے مسائل کی بنیاد رکھی ہے (۱۶)

مفتی جمیل اختر جلیلی نے الحفناوی کے حوالہ سے اسباب تیسیر کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: (۱۷)

(الف) اختیاری اسباب: اس سے مراد وہ اسباب ہیں، جن میں بندہ کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہوتا ہے، جیسے: سفر۔

(ب) اضطراری یا طبعی اسباب: اس سے مراد وہ اسباب ہیں، جن میں عمومی طور پر بندہ کا عمل دخل نہیں ہوتا یا پھر کم ہوتا ہے، یعنی انسان اس میں یا تو کسی انسانی دباؤ کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے یا پھر طبعی طور پر اس کے لئے ناگزیر ہوتا ہے، ان اسباب کی دو اہم بنیادیں ہو سکتی ہیں:

۱) حاجت: حاجت کی وجہ سے بہت سارے احکام میں رعایت رکھی گئی ہے، جیسے: عقد سلم کہ اصولاً اس کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے تھی؛ لیکن حاجت کی وجہ سے گنجائش ہے، عقد اجارہ کہ اصول کے لحاظ سے اس کی بھی گنجائش نہیں ہونی چاہئے تھی؛ لیکن لوگوں کی حاجت کو دیکھتے ہوئے گنجائش دی گئی، وصیت کو جائز قرار دیا گیا؛ حالاں کہ اصول

کے اعتبار سے درست نہیں ہونی چاہئے؛ کیوں کہ عقد میں اصل یہ ہے کہ وہ منجز (فوری طور پر) ہو، جب کہ یہ منجز نہیں ہوتی؛ لیکن لوگوں کی حاجت کو دیکھتے ہوئے گنجائش دی گئی ہے۔

(۲) اضطرار: اضطرار ایسی حالت کو کہتے ہیں، جس میں انسان کے لئے کسی کام کی انجام دہی اس آکسیجن کے مثل قرار پاتی ہے، جس کے ذریعہ سے اس کی زندگی کی گاڑی میں روانی باقی رہتی ہے، ایسے وقت میں بہت سارے ایسے امور کی اجازت دی گئی ہے، جن کی اجازت عام حالت میں نہیں ہے، جیسے: عام حالت میں اتنا کھانے کا حکم، جس کی وجہ سے جسم میں طاقت باقی رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کلوا واشربوا ولاتسرفوا، إنه لايحب المسرفين (الأعراف: ۳۱)

اس آیت کے ضمن میں علامہ ابن قیم رقم طراز ہیں: لقد أرشد عباده إلى إدخال ما يقيم البدن من الطعام والشراب عوض ماتحلل منه، وأن يكون بقدر ما ينتفع به البدن في الكمية والكيفية، فمتى جاوز ذلک كان إسرافا، وكلاهمامانع من الصحة جالب للمرض، أعني عدم الأكل والشرب أو الإسراف فيه. (الطب النبوی، ص: ۱۹)

یا مردار کھانے کی اجازت ایسے وقت میں، جس میں کھائے بنا جان جاسکتی ہو قرآن مجید میں ہے:

فمن اضطر غير باغ ولاعاد، فلا إثم عليه (البقرة: ۱۷۳)

یا ایسی حالت میں دوسرے کا مال بغیر اس کی اجازت کے کھانا (قاعدہ ہے: الضرورات تبیح المحظورات)، یا حرام کردہ چیزوں کے کھانے پر اکراہ کیا جائے (حدیث میں ہے: إن الله تعالى وضع عن أمتي الخطأ والنسيان، ومااستكرهوا عليه (سنن ابن ماجۃ، حدیث نمبر: ۲۰۴۵، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۷۲۱۹)، تو یہ تمام صورتیں وہ ہیں، جن میں انسان کو ایسی چیزوں کی اجازت دی گئی ہے، جن کی اجازت عام حالتوں میں نہیں دی گئی ہے۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

من امتنع من المباح حتى مات كان قاتلا نفسه، متلفا لها عند جميع أهل العلم؛ لأن الأكل للغذاء والشرب لدفع العطش فرض بمقدار ما يدفع الهلاک، فإن ترک الأكل والشرب حتى هلک فقد انتحر؛ لأن فيه إلقاء النفس إلى التهلكة المنهي عنه في محكم التنزيل. وإذا اضطر الإنسان للأكل أو الشرب من المحرم كالميتة والخنزير والخمر حتى ظن الهلاک جوعا لزمه الأكل والشرب، فإذا امتنع حتى مات صار قاتلا نفسه، بمنزلة من ترک أكل الخبز وشرب الماء في حال الإمكان؛ لأن تاركه ساع في إهلاک نفسه. الموسوعة الفقهية الكويتية. (۶/ ۲۸۲): لفظ: انتحار)

(ج) اختیار و اضطرار کے مابین اسباب: اس سے مراد وہ اسباب ہیں، جن میں انسان کو یک گونہ اختیار بھی ہوتا ہے اور کسی ناگزیر سبب کی بنا پر یک گونہ وہ اضطرار میں بھی شامل ہوتا ہے، اس کی بہت ساری صورتیں ہیں، جن میں

چند یہ ہیں:

(الف) علم کا نہ ہونا: یعنی انسان وہ کام تو کرسکتا ہے؛ لیکن اس کام کے تعلق سے انسان کو علم ہی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس کے تعلق سے انسان کو علم ہی نہیں ہے، اس میں وہ قابل گرفت بھی نہیں ہوگا، جیسے: عدم واقفیت کی بنیاد پر حدود میں تخفیف رکھی گئی ہے (علامہ ابن قدامہ نے نقل کیا ہے:

أن أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ قبل قول من ادعی الجہل بتحریم نکاح المعتدة، وعلل ہذا بأنہ مما یجہل کثیراً و یخفی علی غیر أہل العلم (المغنی: ۱۸۵/۸، وایضا: المحلی: ۱۱/۲۷۴، مسئلہ نمبر: ۲۲۱۰، خود حدیث میں ہے: الحدود تدرأ بالشبہات)۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ بہت سارے معاملات میں علم اور واقفیت کے امکان کو بھی علم کے درجہ میں رکھا جاتا ہے (چنانچہ فقہائے احناف کہتے ہیں: فالعلم بالنصوص المحرمة للأفعال لا یقصد بہ العلم فی الحقیقة والواقع، وإنما یکتفی فیہ بإمکانیة العلم أو مایسمی العلم بالقوة، ولیس العلم بالفعل (دیکھئے: الشبہات وأثرہا فی العقوبة الجنائیة، ص: ۲۶۴ و مابعدہا)، جیسے: مالی نقصان کسی کا کردیا، جب کہ اس کو اس کا علم نہیں تھا کہ کس کا ہے؟ یا اسی طرح کسی نے کسی متعین شخص کے قتل کا ارادہ کیا اور اندھیرے میں اس کو قتل کردیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو کوئی اور تھا تو اس ناواقفیت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا (الشبہات وأثرہا فی العقوبة الجنائیة، ص: ۲۶۷)۔

(ب) خطاء کوئی کام کرنا: یعنی انسان کے کسی کام میں خطا ہوجائے تو خطا کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوجاتی ہے، جیسے: اندھیری رات میں تحری کرتے ہوئے کسی رخ کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھ لے، بعد میں اس کا غلط ہونا معلوم ہوجائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہے، یا اسی طرح شکار سمجھ کر تیر یا بندوق چلایا، جو کسی انسان کو جا کر لگ گیا اور وہ ہلاک ہوگیا تو یہاں بھی حکم میں تخفیف ہے اور قصاص نہیں ہے (حدیث میں ہے: إن اللہ تعالیٰ وضع عن أمتی الخطأ والنسیان، وما استکرہوا علیہ (سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۲۰۴۵، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: 7219)

(ج) نسیاناً کوئی کام کرنا: نسیان کا مطلب یہ ہے کہ انسان کوئی ایسا کام کرے، جس کی طرف نہ تو اس کا دل متوجہ ہو اور نہ ہی اس کی سوچ و فکر اس کام کی طرف متوجہ ہو، دوسرے لفظوں میں جسے ''ذہول'' بھی کہہ سکتے ہیں، جیسے: بھول کر روزہ کی حالت میں کھالے تو اس کھانے کا اعتبار نہیں ہے اور اس پر حکم مرتب نہیں ہوگا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مَن أَکَلَ ناسِیًا وهو صائِمٌ، فَلْیُتِمَّ صَوْمَهُ، فإنَّما أَطْعَمَهُ اللَّهُ وسَقاهُ. (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۶۶۹، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۵۵)

کئی مقالہ نگار حضرات نے تیسیر و تخفیف کی مختلف صورتیں نقل کی ہیں، یعنی مختلف حالات اور اوقات کے لحاظ سے سہولیات (تخفیفات)، یہ سات طریقوں سے ثابت ہیں:

۱۔تخفیفِ ابدال: جیسے (حدث اصغر اور حدث اکبر کی صورت میں) وضوء اور غسل کے بدلہ میں تیمم کا حکم۔

۲۔تخفیفِ تنقیص: یعنی رباعی نمازوں میں قصر کا حکم۔

۳۔تخفیف اسقاط: مسافر اور مریض سے نماز جمعہ کا حکم ساقط ہونا۔

۴۔تخفیفِ تقدیم: جمع بین الصلوتین، زکاۃ پیشگی ادا کرنا (بعض ائمہ کے نزدیک)۔

۵۔تخفیفِ تاخیر: رمضان کے روزے مسافر اور حیض والی عورت کا بعد رمضان قضاء کرنا۔

۶۔تخفیفِ ترخیص: صلاۃ المستجمر مع بقیۃ النجو یعنی پیشاب یا قضاء حاجت کے بعد پانی نہ ملنے کی صورت میں ڈھیلا استعمال کرنے کے باوجود کچھ گندگی رہ جائے تو شریعت کا اسے نظر انداز/ معاف کر دینا۔

۷۔تخفیف تغییر: صلاۃ الخوف کی صورتیں۔

تیسیر کا دائرہ کار:

تیسیر کا دائرہ بہت وسیع ہے، عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست، دعوت، اور تعلیم بلکہ ہر شعبہ میں ہر باب میں اسلام نے یسر و تیسیر کے پہلو کا عموما خیال رکھا ہے، بلکہ ترغیب موجود ہے۔ عبادات میں تیسیر کی مثالیں قصر وغیرہ گزر چکیں، معاملات میں تیسیر کی مثال یہ ہے کہ حالت سفر میں مسلمان گواہ فراہم نہ ہو تو مالی معاملات میں غیر مسلم کو گواہ بنا سکتے ہے۔ سفر کا عذر آجائے تو اجارہ کو فسخ کر سکتے ہیں۔

مفتی اقبال ٹنکاروی ذکر کرتے ہیں کہ: اس کا کوئی دائرہ اور حد بیان کرنا مشکل ہے، جہاں کہیں حرج و مشقت پایا جائے گا، وہاں رحمت الٰہی کے بموجب یسر و سہولت اور رخصتیں پیدا ہوں گی، اور اس کی تعیین اصول وضوابط اور دلائل وقواعد کی روشنی میں کی جائے گی، مختصر یہ کہ یسر و سہولت اور رخصتیں ہر باب میں پائی جائیں گی، تاہم بعض علماء نے اس کی حد بیان کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ علامہ علائی نے سات انواع بیان کی ہے، چنانچہ انہوں نے عبادات، معاملات، مناکحات، کفارات، رقیت و حریت، قصاص اور مجتہدین کے اجتہادات کے باب میں تیسیر کا ذکر کیا ہے، انہوں نے ادلہ وقواعد کے باب میں بھی تیسیر کا ذکر کیا ہے۔

یعقوب باحسین لکھتے ہیں:

التيسير الواقع فى الشريعة ليس له حد معين ولا باب خاص، اذ اقتضت رحمة الله تعالى ان لا يجعل علينا فى الدين من حرج، فحيث كان الحرج والمشقة وجد منفذ للخروج منه، ولم يقتصر ذك على الأحكام، وانما شمل الطريق الموصّل اليها من ادلة وقواعد. أما الاحكام فإن التيسيرات والرخص شاملة لكل ابوابها وانواعها، لكن العلائى حاول حصرها فجعلها فى سبعة انواع.... (قاعدة المشقة تجلب التيسير: الباب الأول فى المشاق الجالبة للتيسير، الفصل الثالث، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، ط: مكتبة الرشد، الرياض)

ضوابط تیسیر: تیسیر کے حدود وضوابط:

یہاں پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ تیسیر کا دائرہ یا ضوابط وشرائط یا حدود وقیود اسی موضوع کا ایک بنیادی مسئلہ تھا لیکن اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس کو نظرانداز کردیا یا کسی اور سوال کے تحت اس کے متعلق اجمالاً گفتگو کی ہے۔

اس مسئلے میں شاہ ولي الله صاحب کی تحریر قابل ذکر ہے فرماتے ہیں:

ومن أصول الرخص أن ينظر إلى أصل الطاعة حسبما تأمر به حكمة البر، فيعض عليها بالنواجد على كل حال، وينظر إلى حدود وضوابط شرعها الشارع، ليتيسر لهم الأخذ بالبر، فيتصرف فيها إسقاطا وإبدالا حسبما تؤدي إليه الضرورة. (۱۸)

مفتی ذاکر نعمانی صاحب عبارت بالا نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: شاہ صاحب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اصل سمجھتے ہوئے اور شرعی حدود وقیود اور قواعد وضوابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے رخصت اور تیسیر کے پہلو کو اختیار کیا جائے کہ نیکی وبھلائی کا مقتضی بھی باقی رہے اور نص کی مخالفت بھی نہ ہو۔ چنانچہ اصولیین نے چند شرائط ذکر کی ہیں، جن سے ان کا دائرہ متعین ہوجاتا ہے:

(۱) وہ رخصت وتیسیر نص یا کسی اصل کے خلاف نہ ہو۔

(۲) عام عادت اور تحمل سے بڑھ کر ہو۔

(۳) وہ مشقت از راہ عبادت نہ ہو۔

(۴) وہ مشقت تکلیفات شرعیہ سے خالی ہو۔ (القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة - ۱/۲۵۸)

بعض حضرات (جیسے: مفتی اقبال احمد ٹنکاروی، حافظ کلیم اللہ عمری) نے تیسیر سے متعلق چند ضوابط ذکر کئے ہیں بنیادی اصول وقواعد کے عنوان کے تحت ذیل میں حذف واضافہ کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) یہ تیسیر قرآن وسنت سے ثابت شدہ ہو، تیسیر کسی خواہش نفس کی بنیاد پر نہ ہو۔ کیوں کہ یہ بھی دیگر احکام کی طرح ایک حکم ہے، لہذا اس کا ثبوت بھی مذکور دو وحی میں سے کسی ایک سے ہونا ضروری ہے۔ (۱۹)

(۲) تیسیر پر عمل کی صورت میں نص سے تجاوز لازم نہ آتا ہو۔

تیسیر وتخفیف کی صورت میں نص کے حکم پر زیادتی لازم نہ آتی ہو، چاہے زیادتی کمیت کے اعتبار سے ہو یا کیفیت کے اعتبار سے، مثلاً جو آدمی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہو اسے لیٹ کر نماز پڑھنے کی سہولت نہ ہوگی۔ تیسیر حدود شریعت کے دائرہ میں ہو، مثلاً یہ نہ کہیں کہ جنگ کے حالات میں نماز رفع حرج کے لئے معاف ہے۔ (۲۰)

(۳) تیسیر کتاب وسنت کی کسی نص سے متصادم ومعارض نہ ہو۔ لا اجتہاد مع النص، جب تعارض واقع ہو تو نص کی طرف رجوع واجب ہوگا۔

(۴) تیسیر میں مقاصد شرعیہ کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ یعنی تیسیر مقاصد شریعت کی پاسبان و محافظ ہو، چونکہ شریعت میں مخلوق کی مصلحتوں کی رعایتیں مقصود ہوتی ہیں، لہذا ان مصالح کی رعایتیں ضروری ہیں، اگر سہولت کسی مقصد شرعی سے متصادم ہو تو یہ یسر نہیں، اسی لئے محض عقل یا وہم کی بناء پر کوئی آسانی اور سہولت کا حکم دیا جائے تو یہ قابل توجہ نہیں ہوگا۔ (۲۱)

(۵) تیسیر پر عمل کے نتیجہ میں کوئی اس سے بڑی مصلحت فوت نہ ہوتی ہو۔ (۲۲)

مفتی جمیل اختر جلیلی صاحب نے سوال (۴) کے تحت نو بنیادی اصول و قواعد ذکر کئے ہیں ذیل میں انکا ذکر ہے جو سابقہ کے علاوہ ہیں:

۱/ نتائج اور مال پر نظر: یعنی حکم لگاتے اور فتوی دیتے وقت ان افعال و اعمال پر نظر رکھنا، جو اجتہاد اور فتوی کا موضوع بن سکتے ہیں کہ اس کے بغیر نہ تو صحیح طور اجتہاد کیا جاسکتا ہے اور فتوی دیا جاسکتا ہے، نیز یہ بھی شریعت کا مقصود ہے احکام میں، جیسا کہ پچھے گزر چکا، الہٰذا یہ تیسرا اصول ہوا فقہ التیسیر کے تعلق سے۔

۲/ مکلف کے احوال اور اس کی استطاعت کی رعایت: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو بھی احکام دئے ہیں، وہ مکلف کی قدرت سے باہر نہیں ہیں، لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعہا، اسی طرح بندوں کے حالات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، لہٰذا احکام میں ان کی رعایت ضروری ہے، اسی رعایت میں تیسیر پائی جائے گی، الہٰذا فقہ التیسیر کا چوتھا اصول مکلف کے احوال اور اس کی طاقت کی رعایت ہے۔

۳/ فقہ الموازنات کو مدنظر رکھنا: بہت سارے امور ایسے ہیں، جن میں مصلحت ہی مصلحت ہوتی ہے، جب کہ بہت سارے ایسے ہیں، جن میں مفسدہ ہی مفسدہ ہوتا ہے، کچھ امور وہ ہوتے ہیں، جن میں دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، ایسے میں دونوں کے مابین موازنہ کرنا اور صحیح کو پرکھ کر اس پر حکم لگانا ضروری ہوتا ہے، فقہ التیسیر میں بھی میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، جس کی روشنی میں ایک فقیہ کو حکم لگانے میں آسانی ہوجاتی ہے، الہٰذا یہ اس تعلق سے پانچواں اصول ہوا۔

۴/ مذہبی عصبیت سے دوری: تیسیر کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مذہبی عصبیت سے دور رہا جائے؛ کیوں کہ جب ہم یہ مانتے ہیں کہ تمام مذاہب اسلامیہ برحق ہیں تو حالات کے پیش نظر دوسرے فقیہ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے، ایسے میں اگر مذہبی عصبیت برقرار رکھی گئی تو پھر تیسیر کی رعایت نہیں ہوسکے گی؛ اس لئے اس بابت یہ چھٹا اصول یہ ہے کہ فقہ تیسیر میں مذہبی عصبیت سے دوری اختیار کی جائے۔

۵/ ضرورات و حاجات کی رعایت: ضرورت اور حاجت کی رعایت شریعت کے بہت سارے احکام میں کی گئی ہے، حتی کہ اصولی اعتبار سے جو چیزیں درست نہیں تھیں، ان کی بھی گنجائش دی گئی ہے، لہٰذا تیسیر میں ان کی رعایت ضروری ہے، بس یہ تیسیر کے تعلق سے ساتواں اصول ہوا۔

۶/ ایسر کو اختیار کرنا: جب دو معاملہ کے دو پہلو ہوں، ایک احوط کا تقاضا کرے، جب کہ دوسرا ایسر کا تو ایسر کو اختیار کرنا چاہئے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہی تھا، لہٰذا یہ اس سلسلہ میں آٹھواں اصول ہوا۔

۷/ فرض وحرام میں عدم وسعت: تیسیر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو فرض ہے، اس میں گنجائش دی جائے، یا جو حرام میں اس میں رعایت کی جائے؛ بل کہ ان میں تضیق اور عدم وسعت کے پہلو کو مدنظر رکھا جائے گا؛ البتہ یہ ان میں ہے، جہاں قطعی دلائل موجود ہوں، بس یہ تیسیر کے تعلق سے نواں اصول ہوا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہ التیسیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ص: ۲۵۱ ومابعدہا، تیسیر الفقہ للمسلم المعاصر للقرضاوی، ص: ۲۸ ومابعدہا)

سوال (۳): ۔تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقے کار سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

جواب: ۔ کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقۂ کار سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ کہ انسان کو اللہ تعالی نے تکلیف مالایطاق کا مکلف نہیں بنایا ہے بلکہ تکلیف مایطاق کا مکلف بنایا ہے، لہذا ہر انسان کو چاہیے کہ اس کے مطابق عمل کرے، بے جا تشدد اور غلو سے اپنے آپ کو بچائے اور اعتدال والا راستہ اختیار کرے۔ (جمیل اختر جلیلی)

بعض مقالہ نگار حضرات نے اس سلسلے میں مزید گفتگو کرتے ہوئے اپنی بات کو چند نکات میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، مفتی شاہجہاں ندوی صاحب لکھتے ہیں:

(۱): ۔ انسان کمزور ہے لہذا شریعت نے اس کو جو رخصت دی ہے اس سے اس کو فائدہ اٹھانا چاہیے، جس کی طرف اس ارشاد نبوی میں اشارہ ہے: إن اللہ یحب أن تؤتي رخصہ کما یکرہ ان تو تی معصیتہ (مسند احمد ۶٦٨٥)

(۲): اپنے حالات کی بنا پر رخصت پر عمل کرے یا عزیمت کو اختیار کرے لیکن دوسروں کو موردِ طعن یا محل اعتراض نہ بنائے جیسے روزہ رکھنے کے سلسلے میں صحابہ میں اختلاف ہوا لیکن: فلم یعب الصائم علی المفطر ولا المفطر علی الصائم (البخاري ۱۹۴۷، مسلم: ۱۱۱۶).

(۳): ۔ رخصت وعزیمت میں اختیار ہو اور عزیمت پر عمل کی قدرت ہو اور اس پر عمل کرنا بہتر ہو تو عزیمت کو اختیار کرنا چاہیے، لیکن اگر اس میں شدید مشقت ہو تو پھر رخصت کو اختیار کرے چنانچہ ایک موقع پر ایک شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے: سفر کی حالت میں تکلیف کا سامنا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

لیس من البر آن تصوموا فی السفر (صحیح مسلم ۱۱۱۵)

(۴) اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیئے: غلو اور تکلیف کی روش سے پرہیز کرنا چاہئے۔ متعدد صحابہ نے غلو سے دور رہنے کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے عقبہ بن فرقد کو لکھا: ''إیاکم والتنطع وزي العجم'' مسند ابی یعلی (۲۱۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: ''إیاکم والتنطع والتعمق والبدع وعلیکم بالعتیق'' (مصنف عبدالرزاق

(۲۰۴۶۵)

اس سلسلہ میں تیسیر کی بنیاد کے تحت جو نصوص کتاب وسنت اور آثار صحابہ وتابعین پیش کئے گئے ہیں، ان کو پیش نظر رکھا جانا چاہئے۔

مفتی اقبال احمد ٹنکاروی صاحب لکھتے ہیں کہ: آیات رخص وتیسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے انفرادی واجتماعی مسائل میں آسانی فراہم کرنے کے لئے اسلام نے قرآن میں تین بنیادی اصول متعارف کرائے ہیں ؛ عدم حرج، قلت تکلیف اور تدریج عدم حرج سے مراد تنگی اور تکلیف کو دور کرنا ہے، یعنی اسلام نے امت مسلمہ کو وضع قانون میں فقہی مسائل کے اخذ واستنباط کے لئے اس طرح رہنمائی فرمائی: مایرید اللہ لیجعل علیکم فی الدین من حرج (مائدہ: ۲) اسلام نے رفع حرج کی شرائط بھی بیان فرمائی اور اصول بھی، تاکہ کسی قسم کی تشنگی نہ رہے۔

قلت تکلیف سے مراد ایسا فعل ہے جو کسی شخص کی استطاعت سے زیادہ ہو، اور اس فعل کو بجالانا کافی مشکل ہو۔

اور تدریج سے مراد یہ ہے کہ اسلام میں یک بارگی کے بجائے آہستہ آہستہ اور تدریج کے ساتھ احکام کو رائج اور نافذ کیا گیا ہے، جیسے حرمت شراب کے بارے میں حکم تدریجی طور پر آیا۔

اس اصول کو حضرت عائشہؓ نے بلیغ انداز میں ذکر فرمایا:

انما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل، فيها ذكر الجنة والنار، حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام نزل الحلال والحرام، ولو نزل اول شيئ: لا تشربوا الخمر، لقالوا: لا ندع الخمر ابدا، ولو نزل لا تزنوا، لقالوا: لا ندع الزنا ابدا. (صحيح البخاری: کتاب فضائل القرآن، باب تاليف القرآن، رقم: ۴۹۹۳، ص: ۲۲۳، ط: دار ابن حزم، القاہرہ)

سوال (۴) تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد کیا ہیں؟ اس کی مختصر وضاحت فرمائیں؟

جواب: اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس سوال کے جواب میں فقہی قواعد کو ذکر کیا ہے، جن پر مفصل گفتگو ممکن نہیں، تاہم خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱):۔المشقة تجلب التيسير : یہ قاعدہ امہات القواعد میں سے ہے، اس میں شریعت کی خاص حکمت اور مقصد پنہاں ہے وہ یہ کہ شریعت میں حرج اور مشقت مطلوب نہیں ہے، چاہے وہ دین کے کسی بھی شعبے سے ہو، البتہ اس قاعدے کی بنا پر جو رخصت یا آسانی دی جائے وہ نص یا شریعت کے کسی اصول کے خلاف نہ ہو۔

(الف): مشقت کی تعریف: شریعت کی اصطلاح میں نا قابل برداشت تکلیف اور دشواری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(ب): مشقت کے اقسام: علماء نے اصلا اس کی دو قسمیں کی ہیں:

(ا): مشقت معتادہ: اس سے مراد وہ طبعی مشقت ہے جس سے کوئی بھی عبادت وطاعت کسی بھی حال میں خالی نہیں ہوتی اور انسان بغیر کسی ضرر کے اس کو برداشت کرسکتا ہے، مثلاً سردی میں وضووغیرہ اس قسم کی مشقت کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے۔

(۲): مشقت غیر معتادہ: اس کی کئی قسمیں ہیں:

(الف): مشقت عظیمہ: قابل تحمل تکلیف جس میں جان یا اعضاء کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہوتو یہ مشقت تخفیف کا سبب بنے گی، مثلاً بھوک سے مرجانے کا خوف۔

(ب): مشقت خفیفہ: ادنی اور معمولی مشقت جیسے سر درد اس سے کوئی رخصت نہیں ملتی۔

(ج): مشقت متوسطہ: وہ مشقتیں جو برداشت کی جاسکتی ہیں، لیکن نوع ثانی کی مشقت سے بڑی ہے، البتہ اس کی وجہ سے اکثر ضرر پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے جیسے بخاروغیرہ، اس میں غور کریں اگر مشقت پہلے درجے سے قریب تر ہے توسہولت دی جائے گی اگر دوسرے سے قریب ہے تو نہیں دی جائے گی۔ (قواعد الأحكام في مصالح الانام ۲ / ۷)

(۲): ۔الضرورات تبیح المحظورات: اس قاعدے پر عمل کے لیے اور ضرورت کے معتبر ہونے کے لئے کئی شرائط ہیں:

(۱) جان یا عضو کے تلف ہوجانے کا خوف ہو۔

(۲) ضرورت فی الحال پائی جائے۔

(۳) کوئی جائز وسیلہ نہ ہو۔

(٤) فائدہ یقینی ہو۔

(٥) حرام کا ارتکاب بقدر ضرورت ہی کیا جائے۔

(٦) کسی بڑے ضرر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، مثلاً اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے کو قتل کرنا۔

(۷) گنجائش ضرورت کے وقت تک ہی رہے گی۔

اس قاعدہ کے متعلق بعض قواعد ہیں، مثلا: (۱) الحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة الخاصة،، (۲) لحاجة العامة تنزل منزلة الضرورة في إباحة المحظور۔

(۳) تیسرا قاعدہ: ۔الضرر یزال: ۔ یعنی ضرر کا ازالہ کیا جائے گا، اس قاعدے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ضرر واقع ہو گیا تو اس کو باقی نہیں رکھا جائے گا، بلکہ فوراً اس کا ازالہ کیا جائے گا لیکن یہ ہے کہ یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بھی درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) ضرر متحقق ہو (۲) ضرر فاحش ہو (۳) ضرر ناحق ہو (٤) مصلحت مشروعہ میں خلل واقع ہو (٥) مصلحت

مستحقہ میں خلل واقع ہو(٦)ضرر مثلی یا ضرر اعظم کا ارتکاب نہ ہو۔

مثال:اگر کسی انسان کا پرنالہ عام راستہ میں گرتا ہو، بایں طور کہ گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اس کو ہٹایا جائے گا، نیز راستہ میں گھر بنالیا تو ہٹایا جائے گا،اسی طرح اگر زرعی زمین کے اجارہ کی مدت کھیتی کٹنے سے پہلے ختم ہوگئی تو بھی زمین مستاجر کے پاس اجرت مثل کے عوض باقی رہے گی ، کیونکہ کھیتی کٹنے سے پہلے مستاجر کو نقصان سے بچانا ہے۔

اسی قاعدہ کے تحت درج ذیل قواعد آتے ہیں:

۱۔الضرر یدفع بقدرالإمكان۔

۲۔الضرر لا یزال بالضرر۔

۳۔الضرر الخاص لأجل دفع ضرر العام۔

۴۔إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما۔نیز اسی کو ”الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف“ یا ”یختار أهون الشرین“ بھی کہا جاتا ہے۔

۵۔درء المفاسد أولی من جلب المصالح. (بحوالہ مقالہ مفتی عبید اللہ ندوی)

(۴)چوتھا قاعدہ:الأصل في الأشياء الإباحة:یعنی اللہ تعالی کی پیدا کردہ تمام چیزیں مباح ہیں،حرام اور واجب صرف وہ چیزیں ہیں جن کی حرمت یا وجوب کے بارے میں صحیح اور واضح نص موجود ہو ورنہ وہ چیز حلال مانی جائے گی ،چنانچہ فقہاء کا اصول ہے:إِنَّ الْأَشْيَاءَ عَلَى الْإِبَاحَةِ حَتَّى يَرِدَ الشَّرْعُ بِالْمَنْعِ (الأشباہ والنظائر:٧٥)۔

(۵)الیقین لا یزول بالشک:اس کا مطلب یہ ہے کہ یقینی چیز دلیل قاطع سے ہی ختم ہوسکتی ہے محض شک کی بنا پر اس کا حکم ختم نہیں ہوگا دلیل:إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا، أَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَو لَا . فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا (مسلم۳٦۱)

سوال(۵)تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟ کیا رخصت و تیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟

جواب: تیسیر اور رخصت کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے اکثر مقالہ نگار حضرات نے دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت بیان کی ہے،یعنی تیسیر عام ہے اور رخصت خاص ہے،جس میں صرف عذر کی بنیاد پر ہی سہولت ملتی ہے۔

رخصت کی تعریف: لغوی معنی سہولت اور آسانی کے ہیں اور فقہ کی اصطلاح میں ”ما استبیح لعذر مع بقاء الدلیل المحرم“ ممانعت کو دلیل کے باوجود عذر اور عاجزی کی وجہ سے جواز کا پہلو اختیار کرنا۔(اصول السرخسی ۱/۱۱۷، الموافقات ۱/۴۹٦)

شیخ وھبہ زحیلی نے رخصت کو تیسیر اور تسہیل کے معنی میں لیا ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

الرخصة في اللغة العربية: معناها التيسير و التسهيل، وعند علماء أصول الفقه: هی الأحكام التی شرعها الله تعالى بناء على أعذار الناس رعاية الحاجتهم مع بقاء السبب الموجب للحكم الأصلي. (الفقه الإسلامي وأدلته، ۹/ ۵۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ رخصت وہ حکم شرعی ہے، جس کا مکلف سے دفع حرج کے لئے وجود ہوا ہے اور وہ حکم عام حکم اصلی سے مستثنی ہے۔ (معجم لغة الفقهاء) میں ہے: الرخصة: اليسر و السهولة، وهي: إباحة التصرف لأمر عارض مع قيام الدليل على المنع. (۲۴)

ترجمہ: ممنوع ہونے کی دلیل کے باوجود وقتی طور پر حالات کی وجہ سے اباحت کا حکم لگانا۔

تیسیر کی تعریف گذشتہ صفحات میں ان الفاظ کے ساتھ کی گئی تھے:

بناء الأحكام الشرعية وفق القدرة البشرية العادية، ومراعاة الأحوال الطارئة والاستثنائية بأحكام خاصة مخففة.

چنانچہ دونوں کی تعریفات کے سامنے آنے سے معلوم ہوا کہ تیسیر عام ہے اور رخصت خاص ہے، رخصت تیسیر کے معالم میں سے ایک ہے۔ اور قاعدہ تیسیر میں سے ایک واضح نظام ہے جو عارضی احوال اور طاریٔ حالات کے ساتھ خاص ہے، جبکہ تیسیر میں ایسا نہیں ہے اس میں ابتداء سے ہی انسان کی امتیازی اور اختیاری قدرت کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اسی طرح تیسیر ہر وقت ہر حالت میں لاگو ہوسکتی ہے، جبکہ رخصت عارضی ہوتی ہے، مخصوص حالات میں لاگو ہوتی ہے۔

رخصت وتیسیر کا تعلق: دونوں کا تعلق عبادات ومعاملات سبھی سے ہے اس لئے کہ شریعت کے پیش نظر انسانوں کے لئے آسانی پیدا کرنا ہے اور حرج وتنگی کو دور کرنا ہے اور حرج وتنگی احکام کی ہر قسم میں پائی جاتی ہے، لہذا تمام شعبول سے اس کا تعلق ناگزیر ہے۔ چنانچہ امام شاطبی رقمطراز ہیں:

فاذا دخل على المكلفين على الجملة الروح والمشقة ولكنه لا يبلغ مبلغ الفاسد العادى المتوقع فی المصالح العامة، وهي جارية في العبادات والعادات والمعاملات والجنايات. (الموافقات ۲/ ۱۱)

مفتی حبیب قاسمی صاحب لکھتے ہیں: تیسیر اور رخصت لغوی معنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں کیونکہ تیسیر کا معنی ہے آسانی پیدا کرنا، اور رخصت کے معنی ہیں اجازت، چھٹی وغیرہ، لیکن مفہوم اور مآل کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں، نیز رخصت اور تیسیر کا تعلق عبادات ومعاملات دونوں سے ہے جیسا کہ ماقبل میں ذکر کردہ الاشباہ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے، واعلم ان اسباب التخفیف فی العبادات وغیرہا سبعة. (الاشباہ والنظائر مع الحموی، ص۲۲۶)

بعض حضرات (مثلاً مفتی جمیل اختر جلیلی وحافظ کلیم اللہ عمری صاحب) نے تیسیر ورخصت دونوں کو یکساں بیا تا ہے انہوں نے کہا کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں تیسیر ورخصت عبادات ومعاملات دونوں سے متعلق ہیں۔

سوال نمبر(٦) بعضی مقاصدی قواعد بھی ہیں، جن کا تعلق تیسیر سے ہے جیسے. جلب المصالح اور درء المفاسد اور رفع حرج، ان کی بھی قدرے وضاحت مطلوب ہے۔

جواب: مشہور قاعدۃ فقہیۃ ہے: درء المفاسد اولی من جلب المصالح

الاشباہ کے الفاظ میں قاعدہ مکمل کچھ اس طرح ہے:"إذا تعارضت المنفعة و المضرة في الشيئ فإن ترجح أحدهما كان الحكم له وإن استويا يرجح جانب المضرة دفعًا للمفسدة"(الأشباه ج:١ص:٣٢٢)

اسکی دلیل ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لو لا أن قومك حديثو عهد بشرك لهدمت الكعبة فألزقتها بالأرض و جعلت لها بابين بابا شرقيا و بابا غربيا. (صحيح مسلم: ٣٢٤٤)

اسی طرح: صحیح البخاری میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَامُوا إِلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُزْرِمُوهُ". ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ، فَصُبَّ عَلَيْهِ. (صحيح بخاری) (ترجمہ: ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع ردیا توصحابہ کرام اس کی طرف دوڑ پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"اس کے پیشاب کومت روکو۔"اس کے بعد آپ نے پانی کا ڈول منگوایا اور پیشاب کی جگہ پر بہادیا گیا)

''المصالح''، مصلحت کی جمع ہے اس کے لغوی معنیٰ ''منفعت'' کے آتے ہیں۔

مصلحت کی اصطلاحی تعریف ڈاکٹر سعید رمضان البوطی نے ان الفاظ میں کی ہے: المنفعة التى قصدها الشارع الحكيم لعباده من حفظ دينهم و نفوسهم وعقولهم ونسلهم وأموالهم، طبق ترتيب معين فيما بينها. (ضوابط المصلحة في الشريعة الإسلامية)

ترجمہ: ایسی منفعت جس کا حکم شارع یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے متعین ترتیب کے مطابق ان کے دین جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کے لئے ارادہ کیا ہو۔

''المفاسد'' مفسدۃ کی جمع ہے جس کے معنی خرابی، اور نقصان کے ہیں، اصطلاحاً یہ لفظ دو معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے:

(١) ضرر، شر، اور برائی

(٢) ایسے اسباب جو ضرر تک پہنچانے والے ہوں۔

جلب مصالح اور درء مفاسد اسلامی تعلیمات اور اس کے تمام احکام وقواعد کا خلاصہ ہے، اس سلسلہ میں علامہ عز

بن عبد السلام نے بڑی وقیع بات لکھی ہے، آپ رقمطراز ہیں: تمام فقہی قواعد وفروعات کا مرجع جلب منفعت اور دفع مضرت ہے، بلکہ کل احکام کی بنیاد جلب منفعت ہی ہے، اس لئے کہ دفع مضرت محصول منفعت ہی کی ایک قسم ہے۔

مفتی جمیل اختر جلیلی صاحب نے لکھا ہے: اصول فقہ کے اعتبار سے مصلحت کی ۳/قسمیں ہیں۔

(۱) مصلحت معتبرہ وہ مصالح جن کے معتبر ہونے کی صراحت خود شارع کی طرف سے موجود ہو، جیسے قصاص وغیرہ۔

(۲) مصلحت غیر معتبرہ: وہ مصالح جن کے غیر معتبر ہونے کی وضاحت خود شارع کی طرف سے موجود ہو، جیسے سود، خودکشی وغیرہ۔

(۳) مصلحت مرسلہ: وہ مصالح جن کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کی صراحت شارع کی طرف سے موجود نہ ہو، جیسے ٹریفک کا نظام۔

پھر قوت وضعف کے اعتبار سے بھی اس کی ۳/قسمیں ہیں:

(۱) ضروریات: وہ مصالح جن کے فوت ہونے سے دنیا یا آخرت کی کوئی مصلحت درستگی پر قائم نہ رہ سکے، بلکہ فساد وبگاڑ پیدا ہوجائے اور زندگی فوت ہوجائے۔ آخرت میں نجات وجنت سے محرومی ہاتھ آئے۔

(۲) حاجیات: جن کی ضرورت حرج کو دور کرنے اور وسعت پیدا کرنے میں پڑتی ہے، یہ اس قدر ضروری نہیں ہوتے، جن کے نہ ہونے کی وجہ سے نظام زندگی میں خلل واقع ہوجائے، البتہ مشقت لاحق ہوتی ہے۔

(۳) تحسینیات: جن کے فوت ہونے سے نہ تو دین اور دنیا کو کوئی نقصان لازم آئے اور نہ ہی حرج لاحق ہو۔ البتہ زندگی کی گاڑی حسن وخوبی کے ساتھ چلانے کے لئے ان کی ضرورت پڑتی ہے۔

ثبوت کے اعتبار سے بھی مصالح کی ۳ قسمیں ہیں:

(۱) قطعیہ: جن کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو۔

(۲) ظنیہ: جن کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو۔

(۳) وہمیہ: وہ مصالح جن میں بظاہر خیر وصلاح نظر آتا ہو، لیکن حقیقت میں اس کے اندر شر اور برائی ہو، جیسے حشیش وغیرہ۔

مفاسد کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہے:

(۱) محرمہ: وہ مفاسد، جو حرمت کے دائرہ میں آتے ہوں، جیسے شراب نوشی اور زنا وغیر۔

(۲) مکروہہ: وہ مفاسد، جو مکروہ (تحریمی تنزیہی) کے دائرہ میں آتے ہوں، جیسے بیڑی سگریٹ وغیرہ۔

ان بنیادی معلومات کو جاننے کے بعد جلب مصلحت اور دفع مضرت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ اللہ تعالٰی نے

اپنے بندوں کو جو بھی احکام دیے ہیں ان کے دو مقاصد ہیں : ایک جلب منفعت دوسرے دفع مضرت ، اوامر جتنے ہیں تمام میں منفعت ہے، اورنواہی جتنے ہیں سب میں مضرت ہے جس کا ادراک انسان عقل سے بھی کرسکتا ہے، مثلاً طب ہے جو سلامتی کے حصول اور بیماریوں کو دور کرنے کے لئے ہے یہی عقل بھی کہتی ہے ۔اب ظاہر ہے جن چیزوں میں مصلحت ہی مصلحت ہو اور شریعت کے کسی حکم کے خلاف بھی نہ ہوں ۔تو اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح جن چیزوں میں مضرت ہی مضرت ہی ہو ان سے رکنا ضروری ہے۔ البتہ جہاں مصلحت بھی ہو اور مضرت بھی تو وہاں ''درء المفاسد أولی من جلب المنافع'' کا اجراء ہوگا۔(تفصیل کے لئے قواعد الاحکام لعز بن عبد السلام ۱/ ۴)

مذکورہ قاعدہ اس وقت قابل عمل ہوگا جب درج ذیل شرائط پائی جائیں:

(۱) جب جلب مصلحت اور دفع مضرت کی تطبیق ممکن نہ ہو۔

(۲) مفاسد اور مصالح متحقق ہوں۔

(۳) مصالح مفاسد پر غالب نہ ہوں۔

جہاں مصالح اور مفاسد میں ٹکراؤ ہو جائے تو اس کی ۳/صورتیں ہیں۔

الف: مصالح غالب ہوں تو ان کا حصول بہتر ہوگا۔ جیسے اصلاح ذات البین کے لئے جھوٹ بولنا

ب: مفاسد غالب ہوں تو ان کو دور کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

ج: دونوں برابر ہوں تو مفاسد کو دور کرنا بہتر ہوگا۔

قاعدہ کا خلاصہ: لوگوں کے دین نفس، عمل عقل، نسل اور مال کا جو چیز بھی تحفظ کرے وہ مصلحت سے ہے، اس کی تحصیل ضروری ہے اور جو ان پانچوں مقاصد کو نقصان پہنچائے وہ مفسدہ ہے اس کا ازالہ ضروری ہے۔

دوسرا قاعدہ: رفع حرج (الحرج مرفوع) ہے: حرج کے معنی ہر ایسی چیز جو مشقت کا سبب بنے ،جسکو ادا کرنے پر مکلف قادر نہ ہو، یا قادر تو ہو، لیکن اپنے کو شدید مشقت میں ڈال کر کہ کبھی کبھار بعض مصالح مشروعہ بھی فوت ہو جاتے ہوں یا بعض مضرت رساں مفاسد پیدا ہو جاتے ہوں۔

لہذا رفع حرج کے معنی ہوے مشقت کی ان دونوں قسموں کو ختم کرنا اور مکلف کو ایسے اوامر کا حکم دینا جس پر وہ قادر ہو۔ نیز اس سے دین و دنیا کے منافع بھی حاصل ہوتے ہوں۔

(۱) رفع حرج کے دلائل: لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعها

(۲) وما جعل علیکم فی الدین من حرج

رفع حرج کی مثالیں:

الف: سفر، مرض اور بارش وغیرہ میں شرعی رخصتیں۔

ب: ایسی شدید بھوک یا پیاس، جس میں جان کی ہلاکت یا موت کا اندیشہ ہو، میں مردار کھانے یا شراب پی لینے کی اباحت ہے۔

ج: نماز میں معمولی مشی (چلنا) یا معمولی خون معفو عنہ ہے۔

د: جماعت کی نماز میں تخفیف اور عدم تطویل کا حکم ہے۔

ھ: بلاوجہِ شرعی تجرد کی ممانعت، نیز تبتل اور رہبانیت اور مشروع حاجات دنیویہ کو ترک کرنے کی ممانعت ہے۔

و: بیع سلم، مزارعہ، مساقات، مغارسہ، اور حمام، سقاء اور ہوٹلوں کو کرایہ پر دینے کی اجازت ہے۔

سوال (۷): اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کیا دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: یعقوب بن عبدالوہاب باحُسین نے لکھا ہے کہ اس بارے میں سات سے زائد اقوال ہیں، ان میں کچھ مقید ہیں، کچھ مطلق، بعضوں کا قول مشروط ہے، اور بعضوں نے تفصیل درج کی ہے، پہلا قول عدم جواز وتحریم کا ہے، دوسرا قول جواز کا ہے، ابواسحاق مروزی شافعی کی طرف اسے منسوب کیا ہے، تیسرا قول تفصیل کا ہے، اگر تلفیق ہے تو گنجائش نہ ہوگی، ورنہ جائز، جبکہ وہ مختلف مذاہب کے اقوال جمع کر کے رخصت مرکبہ کا ارتکاب نہ کرے، باقی اقوال انہوں نے درج نہیں کئے۔ (قاعدہ المشقۃ تجلب التیسیر: ص: ۴۶۸ - ۴۷۳)

اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے مفتی ذاکر نعمانی لکھتے ہیں کہ ”الفتوی علی مذہب الغیر“ کے سلسلہ میں تین نقطہ ہائے نظر ہیں:

(۱) مطلقا جواز: اس کے قائلین میں علامہ ابن ہمام، ابن حاجب، آمدی، علامہ رافعی، علامہ صلاح الدین علائی، علامہ ابن نجیم مصری، امام الحرمین، امام قدوری، امام ابن دقیق العید، امام غزالی، شاہ ولی اللہ، حافظ عزالدین بن عبدالسلام کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے، البتہ مقصد صرف تتبع رخص اور اتباع ہویٰ نہ ہو۔

(۲) مطلقاً عدم جواز: فقہائے مالکیہ، اور ایک قول شوافع کا بھی یہی ہے۔

(۳) اگر کسی مسئلہ میں ایک امام کی تقلید کر چکا ہے تو اس مسئلے میں دوسرے فقیہ کی تقلید جائز نہیں، لیکن دوسرے احکام میں دوسری فقہ کی اتباع میں قباحت نہیں۔

اسنوی، ابن ہمام، ابن حاجب، آمدی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

البتہ بعض علماء سے چند شرائط منقول ہیں:

شرط (۱) قوت دلیل: امام قدوری، حافظ ابن الصلاح اور ابن حمدان، امام نووی، علامہ ابن ہمام، علامہ عبدالحی لکھنوی سے منقول ہے، ابن دقیق العید نے عدم تلفیق کی اور انشراح قلب کی شرط بھی لگائی ہے، قرافی کے نزدیک نہ

تلفیق ہو اور نہ تتبع رخص ہو، اور صلاح الدین علائی نے احتیاط کی شرط لگائی ہے۔

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ:

فی خزانة الروایات : العالم الذی یعرف معنی النصوص والأخبار وہو من أہل الدرایة یجوز لہ أن یعمل علیہا وإن کان مخالفاً لمذہبہ۔ (شامی ۱/ ۵۱)

شرط (۲) تغیر زمان: علامہ شامی، عبدالحی لکھنوی، اور متعدد علماء نے اس کو ذکر کیا ہے۔

شرط (۳) ضرورت۔

شرط (۴) تیسیر وسہولت کے لئے نہ ہو: اس سلسلہ میں یعنی سہولت کے لئے دوسرے مذہب پر فتوی دینا: تتبع رخص ہے۔

مالکیہ نے سختی سے منع کیا ہے، ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ عامی کے لیے تتبع رخص جائز نہیں ہے، شوافع میں سے امام نووی، امام غزالی کی یہی رائے ہے، یہی نقطہ نظر شیخ علیشؒ مالکی کا ہے، علامہ شاطبی نے بھی شدت اختیار کی ہے۔ اس کے رد پر مستقل باب قائم کیا ہے، امام احمدؒ سے ابواسحاق مروزی نے نقل کیا ہے کہ ایسے شخص کے فاسق ہونے کا حکم لگایا جائے گا، ابن ابی ہریرہؒ نے نقل کیا ہے کہ امام احمد ایسے شخص کی تفسیق کے قائل نہ تھے، تاہم خود ابواسحاق مروزی اور ابن ابی ہریرہ نے ایسے شخص کو فاسق قرار دیا ہے، اور قاضی ابویعلی کے نزدیک ایسے شخص کو فاسق قرار دیا جائے گا جو مقلّد اور متأوّل نہ ہو، مجتہد ہو اور بلا کسی تاویل معقول کے تتبع ورخص کا مرتکب ہو، ان حضرات کا خیال ہے کہ اگر اس کی اجازت دی جائے تو لوگ کتاب وسنت کی بجائے ہویٰ وہوس کی پیروی شروع کردیں گے اور دین کو بازیچہ اطفال بنالیں گے، اسی لئے امام اوزاعی نے فرمایا کہ جو علماء کے تفردات کو اختیار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا: "من أخذ بنوادر العلماء خرج عن الإسلام"۔ (البحر المحیط: ۶/ ۳۲۶)

البتہ عامۃ المسلمین کی تیسیر وسہولت کی خاطر شرائط کے ساتھ رخصت معلوم ہوتی ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے صراحت کی ہے: "میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں، اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں، تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے توصیح ہوسکے۔" (فقہ حنفی کے اصول وقواعد ۱۶۹)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اسی موضوع کے ایک سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے: مذہب سب حق ہیں، مذہب شافعی ۔ پر عند الضرورت عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں، مگر لذت نفسانی سے نہ ہو۔ عذر یا حجت شرعیہ سے ہو، کچھ حرج نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ۹۳)

شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

”وبه علم أن المضطر له العمل بذلک لنفسه کما قلنا وأن المفتي له الإفتاء به للمضطر. فما مر من أنه ليس له العمل بالضعيف ولا الإفتاء به محمول علی غير موضع الضرورة، کما علمته من مجموع ما قررناه. والله تعالی أعلم... قال في خزانة الروايات: العالم الذي يعرف معنی النصوص والأخبار، وهو من أهل الدراية يجوز له أن يعمل عليها وإن کان مخالفالمذهبه. انتهی“(ص: ۸۹، ط: البشری)

مفتی محمد شفیع عثمانیؒ بیان کرتے ہیں:

حضرت تھانوی نے ہم سے فرمایا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں، اوراس کی وجہ سے دین دار مسلمان تنگی کا شکار ہیں، اس لئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ جیسے معاملات میں جہاں عموم بلویٰ ہو، وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو، اس کو فتوے کے لئے اختیار کر لینا چاہیے۔ [البلاغ، مفتی اعظم نمبر: ۴۱۹/]

لیکن مسلک غیر پر عمل کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں، جن کا تذکرہ خود حضرت تھانوی نے اپنی کتاب ”الحیلة الناجزة“ میں ذکر کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) اتباع ہوا نہ ہو۔

(۲) ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو۔

(۳) ائمہ اربعہ کی مخالفت نہ ہو۔

(۴) فتویٰ دینے والا شخص کسی ماہر استاذ سے فن کو حاصل کیا ہو۔

(۵) متعدد علماء کرام ضرورت کا تحقق کرے۔ (الحیلة الناجزة:۵۲)

ایک جگہ ”الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة“ میں لکھتے ہیں: مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بنا پر ہو، اتباع ہوی کے لئے نہ ہو، (عمل واحد میں) تلفیق خارق اجماع نہ ہو۔ (الحیلة الناجزة ص: ۴۳، ۴۴)

ایک جگہ حضرت حکیم الامتؒ لکھتے ہیں:

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ”ان اللہ یحب ان توتی رُخصه کم یحبّ ان توتی عزائمه“ یعنی اللہ تعالی یہ بھی پسند فرماتے ہیں کہ ان کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے، جیسا کہ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ ان کے مقرر کردہ عزیمتوں پر عمل کیا جائے، اور ”تتبع رُخص“ جس کو علماء فقہاء نے مذموم قرار دیا ہے وہ عام رخصتوں پر نہیں؛ بلکہ وہ رخصت ہے جو نفس کی خواہش کے مطابق نصوص میں تاویل کر کے نکالی جائے۔ (فقہ حنفی کے اصول وضوابط: تیسرا باب، ص: ۶۵، ط: افادات اشرفیہ، ہردوئی)

ایک جگہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اوراس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب تک محقق ومتدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی

مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں، اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے، کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہویٰ کی بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو۔ (الحیلۃ الناجزۃ: ص/٤٦، دوسرے مسلک پر فتوی دینے کے اصول وضوابط: ص: ٧٤-٧٧، ط: دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ)

بعض حضرات نے کچھ اور مفید شرائط ذکر کی ہے جن کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) جس امام کے مذھب کو اختیار کیا جائے ضروری ہے کہ اس کے نزدیک جو شرطیں ہیں اب سب کو رعایت کی جائے۔

(۲) اگر دوسرے مذہب پر بضرورت عمل کیا جائے تو اس عمل کے تمام جزئیات پر عمل کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عدول عن المذہب اجتماعی غور وفکر کے بعد ہو، اور عدول مذاہب اربعہ ہی تک محدود رہے، صرف تشہّی اور اتباع ہوی مقصود نہ ہو بلکہ حل ضرورت پیش نظر ہو، اور یہ عدول نص قطعی یا اجماع کے خلاف نہ ہو، اور یہ عدول پوری دیانت وامانت داری اور مسلک کی پوری واقفیت کے بعد کیا جائے۔

سوال نمبر (۸) علمائے عرب کے یہاں فقہ التیسیر ایک مستقل موضوع ہے اور احکام کی تطبیق میں اس پر وہ کافی توجہ دیتے ہیں اس بارے میں ہم لوگ کن پہلوؤں پر غور کر سکتے ہیں؟ کیا ہندوستانی مسلمان جو کہ اقلیت میں ہیں ان کے لیے معاملات کے علاوہ بعض احکام عبادت میں اصول تیسیر کو جگہ دی جاسکتی ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں کسی مقالہ نگار کی یہ رائے نہیں ہے کہ تیسیر کو جگہ نہیں دی جاسکتی ہے۔

مفتی صابر حسین ندوی لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں تیسیر کے پہلو کو اختیار کرنا شرعی تقاضہ ہے، اس تناظر میں اسلاف نے بہت سے مسائل میں راہ نکالی بھی ہے معاملات میں شیئر مارکیٹ اور خرید وفروخت کی متعدد شکلوں کے ساتھ عبادات میں قاضی کی تعیین، جمعہ وعیدین کا قیام اور پھر کورونا کے زمانے میں تعدد جماعت جمعہ وغیرہ قابل ذکر ہے۔

مفتی عبید الرحمن صاحب لکھتے ہیں کہ چنانچہ فقہ الاقلیات یعنی ان مسلمانوں کا فقہ جو غیر مسلم ممالک میں اقلیت کے ساتھ رہائش پذیر ہیں اور وہاں کے قوانین غیر اسلامی ہونے کے ساتھ معاشرہ میں ان کا چلن ہے، ایسے مقامات پر احکام پر عمل کرنے میں دشواری ہو تو تیسیر کو دین کے تمام شعبوں میں مدنظر رکھنا چاہیے اور اس کو حرج، مشقت، ضرورت اور حاجت کی تمام شرطوں کے ساتھ نافذ کرنا چاہیے۔

چنانچہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ شریعت کی بنیاد حکمتوں اور بندوں کی مصلحتوں پر رکھی گئی ہے اس لیے کہ شریعت میں عدل اور توازن ہے لہذا جہاں کوئی مسئلہ عدل سے ظلم کی طرف یا مصلحت سے فساد کی طرف منتقل ہوجائے تو وہ شریعت کا حصہ نہیں ہے اور مصلحتوں کی بنا پر تیسیر کا حکم لگتا ہے لہذا جہاں وہ مفقود ہوں وہاں تیسیر ہوگی۔

فَإن الشَّرِيعَة مبناها وأساسها على الحكم ومصالح الْعباد، فِي المعاش والمعاد، وَهِي عدل كلهَا، وَرَحْمَة كلهَا، ومصالح كلهَا، وَحِكْمَة كلهَا، فكل مَسْأَلَة خرجت عَن الْعدْل إِلَى الْجور، وَعَن الرَّحْمَة إِلَى ضدها، وَعَن الْمصلحَة إِلَى الْمفْسدَة، وَعَن الْحِكْمَة إِلَى الْعَبَث فليست من الشَّرِيعَة، وإِنْ أُدخلتْ فِيهَا بالتأويل، فالشريعة عدل الله بَين عباده، وَرَحمته بَين خلقه، وظله فِي أرضه.

اس لئے جس علاقہ اور زمانے میں بھی اعمال کی ادائیگی میں شرعی تنگی درپیش ہو وہاں رخصت ہوگی اور تیسیر نافذ العمل ہوگی، چنانچہ علامہ شامی عقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں: فهذه كلها قد تغيرت احكامها لتغير الزمان إما للضرورة وإما للعرف وإما لقرائن الأحوال (رسم المفتي ٤٥)

علامہ شامی کی عبارت سے ضرورت ومشقت کے مواقع پر احکام وعبادات وغیرہ میں تیسیر کے جواز کا پتہ چلتا ہے، فرماتے ہیں: وقد ذكر صاحب البحر فى الحيض فى بحث ألوان الدماء اقوالا ضعيفة، ثم قال: وفى المعراج عن فخر الائمة: لو افتى مفتٍ بشيئ من هذه الاقوال فى مواضع الضرورة طلبا للتيسير، كان حسنا. انتهىٰ (شرح عقود رسم المفتى: ص: ۱۹۰، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)

ڈاکٹر شاہجہاں ندوی بعض پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ان پہلوؤں کی رعایت ضروری ہے۔

(۱) فقہ کی زبان آسان رکھی جائے۔

(۲) احکام کی حکمت بھی اجاگر کردی جائے۔

(۳) فقہ مقارن سے استفادہ کیا جائے۔

(۴) مطالب کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا جائے۔

(۵) عموم بلوی کی صورت میں حرام سے بچنے کے لیے دیگر مسالک کو اختیار کرلینا چاہیے۔

مفتی عبید اللہ لکھتے ہیں: جہاں تک مسلم اقلیتوں کی بات ہے، خصوصا ہمارے ملک میں جو کفار کی اکثریت کے درمیان رہتے ہیں اور طرح طرح کی اذیت جھیلتے ہیں، اس پس منظر میں ان کے مسائل حل کرنے کے لیے ایسا کوئی فتوی صادر نہ ہونا چاہیے، جو ان کی آزمائشوں میں مزید اضافہ کردے بلکہ تیسیر کے فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے جو سہولتیں ازروئے شرع مل سکتی ہوں ان کو اختیار کرنا چاہیے۔

بہر حال یہ عام شرعی اصول وضوابط ہیں، مسلم اقلیات کے نئے مسائل کے حل کے لیے ان کا سہارا لینا چاہیے، تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوستان میں مسلم اقلیت کے لیے تیسیر کے اصول وضابط کو مدنظر رکھتے ہوئے جہاں تک ان کے حق میں آسانی ہوسکتی ہے، اس وقت اختیار کرنا چاہیے، چاہے وہ معاملات میں ہو یا عبادات

میں ہو۔

حواشی:

(١) نقله الباحثون بالمعنى، وفي القاموس: اليَسْر، بالفتح ويحرك: اللين، والانقياد.. ياسره: لاينه. واليَسَر، محرّكةً: السهل. وولدته يَسَرًا، أي: في سهولة. واليُسر واليسار: السهولة، والغنى... واليسر: ضد العسر. وتيسر واستيسر: تسهّل. وييسره: سهله. »القاموس المحيط« (ص499)، ونحوه مفرّقًا في اللسان (5/ 295- 296)، وينظر: تاج العروس من جواهر القاموس (14/456-472)

(٢) صحيح البخاري (69)، وفي لفظ له برقم (473) ولمسلم برقم (1734): يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا.

(٣) كما في الموسوعة الفقهية الكويتية (14/ 211)، وفقه التيسير لعبد الرقيب الشامي (ص 14)، ولم يعزواه للسلف، وهو تفسير العمراني في الانتصار في الرد على المعتزلة القدرية الأشرار (2/412)، وكذا أبي حيان في البحر المحيط في التفسير (10/493)، قال في تفسير الآية المذكورة: أي نهيئه للحالة التي هي أيسر عليه وأهون وذلك في الدنيا والآخرة... وجاء فسنيسره للعسرى على سبيل المقابلة لقوله: فسنيسره لليسرى، والعسرى لا تيسير فيها، وقد يراد بالتيسير التهيئة، وذلك يكون في اليسرى والعسرى. اهـ

(٤) فقه التيسير في الشريعة الإسلامية.. تأصيلًا وتطبيقًا لعبد الرقيب الشامي (ص15)

(٥) زاد المسير في علم التفسير لابن الجوزي 2/ 60 عند قوله تعالى (يريد الله أن يخفف عنكم)، بيروت، المكتب الإسلامي 1384هـ.

(٦) كذا في الموسوعة الفقهية الكويتية (211/14)، ثم قال: فالتخفيف أخص من التيسير؛ إذ هو تيسير ما كان فيه عسر في الأصل، ولا يدخل فيه ما كان في الأصل ميسّرًا. اهـ.

(٧) الموافقات (2/233) ط دار ابن عفان، الطبعة: الأولى، 1417 هـ - 1997 م. [وفي الطبعة القديمة: (1/ 53)]

(٨) جاء في أصول الشاشي: وأما الرخصة فعبارة عن اليسر والسهولة. وفي الشرع: صرف الأمر من عسر الى يسر بواسطة عذر في المكلف. وأنواعها مختلفة لاختلاف أسبابها وهي إعذار العباد، وفي العاقبة تؤول الى نوعين:

أحدهما: رخصة الفعل مع بقاء الحرمة بمنزلة العفو في باب الجناية وذلك نحو اجراء كلمة الكفر على اللسان مع اطمئنان القلب عند الإكراه وسب النبي عليه السلام وإتلاف مال المسلم وقتل النفس ظلما.

وحكمه: أنه لو صبر حتى قتل يكون مأجورًا لامتناعه عن الحرام تعظيمًا لنهي الشارع عليه السلام.

والنوع الثاني: تغيير صفة الفعل بان يصير مباحا في حقه قال الله تعالى {فمن اضطر في مخمصة} وذلك نحو الاكراه على أكل الميتة وشرب الخمر.

وحكمه: أنه لو امتنع عن تناوله حتى قتل يكون آثما بامتناعه عن المباح وصار كقاتل نفسه. اهـ أصول الشاشي (ص 385) [وفي طبعة دار الغرب، بيروت: ص 264]

(٩) وهناك آيات ونصوص أخرى كثيرة تدل على قضايا جزئية ومسائل خاصة غير المذكورة؛ كآية النساء: [95]، وآياتها: [97-99]، وآية التوبة: [92]، وآية المزمل: [20]

(١٠) صحيح البخاري (16/1) (39) من حديث أبي هريرة ت.

(١١) صحيح البخاري (220) و(6128). وأخرجه الحميدي (938)، وأبو داود (380)، والترمذي (147)، والنسائي (14/3)، وابن الجارود (141)، وأبو يعلى (5876)، وابن خزيمة (298)، وغيرهم.

(١٢) أخرجه أحمد (5866) وابن حبان (2742). وأخرجه ابن حبان (3568)، ولفظه: "كما يحب أن تؤتى عزائمه". وأخرجه البزار في البحر الزخار (250/12) (599) ولفظه: كما يحب أن تؤتى عزائمه، أو كما يكره أن تؤتى معصيته.

*وأخرجه ابن خزيمة (259/3) (2027) ولفظه: إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تترك معصيته«.

*وأخرجه ابن أبي شيبة (59/9) من طريق تميم بن سلمة، عن ابن عمر موقوفًا، بلفظ: "إن الله يحب أن تؤتى مياسره، كما يحب أن تؤتى عزائمه".

*وأورده الهيثمي في "مجمع الزوائد" (162/3)، وقال: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح، والبزار، والطبراني في "الأوسط"، وإسناده حسن.

*وله شاهد من حديث عبد الله بن عباس عند ابن حبان (354)، ولفظه: "إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه"، وإسناده صحيح.

(١٣) صحيح البخاري (3560) و(6126) و(6786)

(١٤) وفي الباب أيضا حديث أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن هذا الدين متين، فأوغلوا فيه برفق. أخرجه عبد الله بن أحمد، عن أبيه في زوائد المسند (13052)، والضياء في المختارة (2115)

وأيضًا حديث ابن مسعود: هلك المتنطعون، قالها ثلاثا.

وهناك أحاديث عامة وأخرى خاصة في حوادث جزئية، نقل كثيرا منها عبد الرقيب الشامي في فقه التيسير في الشريعة الإسلامية.. تأصيلًا وتطبيقًا (ص 41) فما بعدها.

(۱۵) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۴/۱۹۶، المحیط البرہانی: ۶/۸۷، حجۃ اللہ البالغہ ۲/۹۳ [36/2]، وما بعد، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، مولانا محمد تقی امینی۔ص: ۳۱۸، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی۔

(۱۶) دیکھئے: الاشباہ والنظائر، للسیوطی ص: ۸۴، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص: ۱۱۲۔

(۱۷) تفصیل کے لئے دیکھئے: التیسیر فی التشریع الإسلامی للدکتور منصور محمد منصور الحفناوی، ص: ۱۲۰۔ ۳۱۰

(۱۸) حجۃ اللہ البالغۃ (36/2)

(۱۹) عبدالرقیب صالح الشامی تحریر فرماتے ہیں: وکل تیسیر یخالف النصوص الشرعیة الصریحة او یناقض اصل التکلیف فهو مرفوض، لأن الأصل ان یکون المراد من قراءة النصوص الشرعیة وتنزیلها علی الوقائع هو التعرف علی المواد الالهی لیتم امتثاله کما یرید الشارع، ولیس ذلک الا بالرجوع الی القرآن و السنة وعدم مخالفتها. (فقه التیسیر في الشریعة الاسلامیه: المطلب الخامس، الفرع الأول: ضوابط فقه التیسیر، ص: ۲۵۱، ط: وزارة الاوقاف والشؤون، الکویت)

عبداللہ بن ابراہیم الطویل لکھتے ہیں: اما عن ضوابط الیسر، فهی:

اولا: ان یکون التیسیر ثابتا بالکتاب والسنة، ان الیسر في احکام الشریعة الإسلامیة کغیره من الامور، لا بد ان یکون ثابتا باحد الوحیین، حتی یتسنی للمسلمین العمل به واعتماده، لا ان یکون التیسیر بحسب الهوی والتشهی واستحسان العباد، واستقباحهم، فکل تیسیر لا یستند الی الکتاب والسنة، فهو تیسیر مُلغی مُطرح.. (منهج التیسیر المعاصر: المبحث الخامس ضوابط الیسر فی الاسلام، ص: ۵۵، ط: دار الهدی النبوی، مصر)

(۲۰) عبد الله بن إبراهیم الطویل لکھتے ہیں: ثانیا عدم مجاوزة النص فی الاخذ بالتیسیر: فلا یجوز الاستزادة فی التخفیف والتیسیر - لا کما ولا کیفا - علی ما ورد به النص، فلا یجوز لمن یستطیع الصلوة جالسا ان یصلیها مستلقیا. (منهج التیسیر المعاصر: ۵۵)

(۲۱) رابعا: ان یکون التیسیر مقیدًا بمقاصد الشریعة: ومعنی هذا الضابط أن الیسر لا بد ان یکون داخلا ضمن المقاصد التي جاء الشرع لتحقیقها. (منهج التیسیر المعاصر: ۵۶)

(۲۲) یعقوب بن عبدالوہاب الباحسین لکھتے ہیں: ان لا یؤدی بناء الحکم علیها إلی تفویت ما هو اهم من ذلک، ویتصل هذا بتعارض المصالح، فالمصلحة المجلوبة بالتیسیر لا یجوز ان تکون مؤدیة الی ذهاب مصلحة اعظم منها. (قاعدة المشقة تجلب التیسیر دراسة نظریة: ص: ۳۹، ط: مکتبة الرشد، الریاض)

(۲۳) معجم لغة الفقهاء (ص 221). وفي تبیین الحقائق للزیلعي (115/4): الرخصة اسم لما استبیح مع قیام الدلیل المحرم والحرمة لعذر تیسیرا علی العباد. اهـ

عرض مسئلہ

بہ موضوع: یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا محمد ظفر عالم ندوی
(استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين ،امابعد!

اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: یرید اللّٰہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر۔ (البقرۃ ۱۸۵)

حضرات! ناچیز کے ذمے تیسیر سے متعلق عرض مسئلہ ہے، جسے ہم ذیل میں انشاء اللہ پیش کریں گے، اس سے قبل یہ وضاحت کردیں کہ مجھے کل ۱۷ مقالے موصول ہوئے جن کو ہم نے عرض مسئلہ تیار کرنے میں شامل رکھا ہے مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) مولانا محمد صابر حسین ندوی (۲) مفتی محمد اقبال احمد ٹنکاروی (۳) مفتی محمد شاہ جہاں ندوی (۴) مفتی حبیب اللہ قاسمی (۵) مولانا سعود ممتاز ندوی (۶) مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی (۷) حافظ کلیم اللہ عمری (۸) مفتی عبید الرحمن قاسمی (۹) قاضی محمد حسن ندوی (۱۰) خورشید احمد اعظمی (۱۱) مفتی عبید اللہ ندوی (۱۲) مفتی محمد ذاکر نعمانی (۱۳) مولانا جنید احمد قاسمی (۱۴) مولانا اسجد حسن ندوی (۱۵) ڈاکٹر محمد ادریس قاسمی ندوی (۱۶) مولانا نذیر احمد کشمیری (۱۷) مولانا اقبال مسعود ندوی۔

مقالہ نگاروں سے یہ عرض ہے کہ اگر کسی کی رائے پوری طرح نہ آسکی ہو یا پیش کرنے میں فرق پڑ گیا ہو وہ براہ کرام عرض مسئلہ پیش کرنے کے بعد تحریری طور پر ہمیں واقف کرادیں تاکہ ہم اسے درست کرلیں۔

حضرات! آپ سب جانتے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے اپنے احکام میں اپنے بندوں کو ان کی قدرت و صلاحیت کے مطابق عمل کا پابند بنایا ہے اور اس کا لحاظ رکھا ہے کہ کوئی حکم شرعی انسانی قدرت و وسعت سے باہر نہ ہو ارشاد خداوندی ہے" لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا (البقرۃ ۲۸۶)

تمام شرعی احکام پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے رحمن نے اپنے بندوں کے ضعف و کمزوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے احکام کا پابند بنانے میں تخفیف کا ارادہ فرمایا ہے ارشاد باری ہے یرید ٱللَّهُ ان یخفف عنکم و خلق الإنسان ضعیفا (النساء ٢٧) روزے جیسے پر مشقت عبادت میں یسر کی طرف بندوں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا: یرید الله بکم الیسر و لا یرید بکم العسر (البقرة ١٨٥) ترجمہ: اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں دوسری جگہ سورۃ المائدہ میں فرمایا: مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجعَلَ عَلَيكُم مِّن حَرَج وَلَـكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُم وَلِيُتِمَّ نِعمَتَهُۥ عَلَيكُم لَعَلَّكُم تَشكُرُونَ (المائدة٦)

ترجمہ: اللہ تم کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے اور تم پر اپنی نعمت پوری فرما دے شاید تم شکر ادا کرو سورۃ الحج میں یہ واضح بھی فرما دیا کہ اللہ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَيكُم فِي ٱلدِّينِ مِن حَرَج (الحج: ٧٨)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس بات کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ دین آسان ہے اور دین میں شدت اختیار کرنا پسندیدہ نہیں اور افراد امت کو حکم دیا کہ وآسانی پیدا کریں تنگی پیدا نہ کریں مذہب اسلام کا یہ ایک واضح نظریہ ہے۔ اس نظریہ سے متعلق چند احادیث درج ذیل ہیں:

١. إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا، وأبشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة. (صحیح البخاري، باب الدین یسر، حدیث ٣٩)

٢. فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ (صحيح البخاري، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم يسروا ولا تعسروا، حديث ٦١٢٨).

٣. يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَسَكِّنُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا (حواله سابق، حديث ٦١٢٥).

٤. يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا وَتَطَاوَعَا وَلاَ تَخْتَلِفَا. (صحيح البخاري، باب ما يكره في التنازع والاختلاف في الحرب، حديث ٣٣٨).

فقہاء کرام نے ہر دور میں کتاب وسنت کی ان ہدایات کا لحاظ کیا ہے اور ان پر عمل آوری کی کوشش کی ہے اور امت پر تنگی پیدا ہونے کی صورت میں یسر وسہولت کی راہ اختیار کی اور اس کی طرف رہنمائی بھی فرمائی ہے اس دور میں بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں تنگی دور کرنے اور آسانی پیدا کرنے کی خاطر مستند اصحاب افتاء اور فقہی مجامع نے رفع حرج اور تیسر کے پہلو کو اختیار کیا ہے اب بھی ایسے بہت سے مسائل ہیں جن میں خاص طور پر اس پہلو سے غور و خوض اور فیصلہ کی ضرورت ہے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنو نے اس پس منظر میں اس کی ضرورت محسوس کی کہ یسر وتیسیر کہ بارے میں

اصولی گفتگو کی جائے اور موضوع کے متعلق جو بھی اہم اصولی پہلو ہیں ان پر علماء، اصحاب افتا پورے مطالعہ وتحقیق اور غور وفکر کے بعد ایک ضابطہ طے کریں جس کی روشنی میں نئے مسائل یا قدیم مسائل جن میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ازسر نو غور وخوض کی ضرورت ہے ان پر تبادلہ خیال اور تحقیق اور جستجو کے مرحلے میں ان ضابطوں کا لحاظ رکھا جائے اور امت اسلامیہ کے لیے شرعی حدود و قیود کے اندر یسر وسہولت پیدا کی جائے اس مقصد کے پیش نظر جو سوال نامہ ارباب فقہ وفتاوی کو ارسال کیا گیا ماشاء اللہ اس کے علمی اور گہرے مطالعے پر مبنی جوابات آئے ہیں ہم یہاں ترتیب وار سوالات کے ساتھ جوابات اس مجلس کے سامنے رکھ رہے ہیں.

سوال:۱ شریعت اسلامی میں تیسر کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا حکمت ہے اس بارے میں اصولین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں کی تحریریں تعبیر اور ترتیب کے فرق کے ساتھ یکساں ہیں تقریبا تمام مقالہ نگاروں نے تیسیر کے لغوی و اصطلاحی معنی مستند کتابوں سے درج کیے ہیں اور تیسیر کے کئی اصطلاحی تعریفات پیش کی ہیں جن میں دو یہاں ہم نقل کر رہے ہیں، ایک الموسوعة الفقهية الكويتية سے ماخوذ ہے جس کی عبارت اس طرح ہے: ''رَفْعُ مَشَقَّةِ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِنَسْخٍ، أَوْ تَسْهِيلٍ، أَوْ إِزَالَةِ بَعْضِهِ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ''یعنی حکم شرعی کی مشقت کو نسخ یا تسہیل کے ذریعے یا بعض حصے کا ازالہ یا دیگر طریقے سے دور کرنا یہ تعریف تیسیر کی تمام انواع پر مشتمل ہے۔

دوسری تعریف ڈاکٹر عبدالرقیب صالح محسن الشامی کی مشہور کتاب ''فقه التيسير في الشريعة الإسلامية'' سے پیش کی گئی ہے، جس کے الفاظ درج ذیل ہیں: بناء الأحكام الشريعة وفق القدرة البشرية العادية ومراعاة الأحوال الطارئة والاستثنائيه باحكام خاصة مخففة۔

ڈاکٹر موصوف جنہوں نے فقہ التیسیر کے موضوع پر مستقل کتاب تصنیف کی ہے اور موضوع کا ہر پہلو سے احاطہ کیا ہے تیسیر کی مذکورہ تعریف درج کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

وهذا التعريف يشتمل جميع انواع التيسير في الشريعه الاسلاميه سواء اكان عاما ام خاصا۔ (فقه التيسير في الشريعة الإسلامية: ۱۵)

ان دونوں تعریفوں کے علاوہ بعض مقالہ نگاروں نے معاصرِ عرب فضلا کی کتابوں سے کئی تعریفات نقل کی ہیں. ان سب کا حاصل یہ ہے کہ عام انسانی قدرت کے موافق اور ہنگامی واستثنائی حالات پر مبنی تخفیف شدہ مخصوص احکام کی رعایت کرتے ہوئے احکام شرعی کی بنیاد رکھنا یسر وتیسیر کہلاتا ہے.

تیسیر کی حکمتیں:

سوال نمبر ایک کے دوسرے جزء یعنی تیسیر کی حکمتیں کیا ہیں اس بارے میں مقالہ نگاروں نے عام طور پر پانچ

حکمتیں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔تدین کے تقاضے کو پورا کرنا چونکہ اسلام کے معنی حق عبودیت کو ادا کرنے کے لیے اللہ اور اس کی شریعت کے سامنے جھکنا ہے جو مقاصد شریعت کو پورا کرنے کا ضامن ہے اور اس حق کی ادائیگی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ تشریع اتنی آسان اور تسہیل نہ ہو کہ اس کی تطبیق ممکن ہو اور بغیر کسی حرج کے اس کو نافذ کیا جا سکے۔

۲۔دوام واستمرار کے مقصد کو پورا کرنا: یہ بات مسلم ہے کہ نفس پر عمل جتنا ہلکا اور انجام دہی جتنی آسان ہوگی وہ عمل اتنا ہی پائیدار ہوگا اس کے برعکس اگر عمل نفس پر شاق ہوگا تو اس کو استمرار کے ساتھ انجام دینا مشکل ہوگا۔

۳۔دخول اسلام کی ترغیب: غیر مسلم جب اسلام کی نرمی اور سہولت نیز مختلف حالات میں مکلف کے احوال کی مکمل رعایت دیکھے گا تو یہ چیز اس کو اسلام سے قریب کرنے والی ہوگی اور وہ پورے دین کے ساتھ اس کو قبول کرے گا۔

۴۔بندوں کے ساتھ اللہ کی رحمت ومہربانی کا اظہار: اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اسی حکم کا مکلف بنایا ہے جو اس کی قدرت میں ہے اور کئی ناممکن عمل کا مکملف نہیں بنایا یہ بندوں کے ساتھ اللہ کی رحمت ومہربانی کا اظہار ہے۔

۵۔شریعت کی بقا کی تائید: تیسیر اسلامی قوانین کے لافانی ہونے کو پختہ کرتی ہے اور یہ یقینی بناتی ہے کہ یہ آخری شریعت ہر زمان ومکان کے ساتھ چلنے کے لائق ہے نیز اس میں انسانوں کے تمام حالات کی رعایت موجود ہے اور ہر حال میں ان کے مصالح ومنافع کو پورا کرتی ہے۔

اصولین کی گفتگو کا خلاصہ:

مولانا عبید اللہ ندوی استاد حدیث وادب ماٹلی والا بھروچ گجرات اپنے مقالے میں لکھتے ہیں اس سلسلے میں اصولین کی ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت اسلام کا مقصد احکام میں سختی اور مشقت میں ڈالنا نہیں ہے چنانچہ جب بھی کوئی مشقت ظاہر ہوگی تو تیسیر اور سہولت پیدا کی جائے گی کیونکہ شریعت کے قطعی اصولوں میں سے جن کی صحت کا حتمی فیصلہ یہ بھی ہے کہ لوگوں سے حرج کو دور کیا جائے گا اور ان کے لیے سہولت وآسانی پیدا کی جائے گی چنانچہ شریعت نے لوگوں کے اعذار کی رعایت اور ان سے مشقت دور کرنے کے لیے ہی رخصت شروع کی ہیں اصولین نے اس نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ ایسے قواعد بھی مرتب کیے ہیں جو یسر وآسانی پر دلالت کرتے ہیں اور اصول فقہ کے بعض قواعد استحسان، استصلاح اور مصالح مرسلہ وغیرہ بھی یسر پر مبنی ہیں۔

جمیل اختر جلیلی ندوی نے اصولیین کے اس نقطہ نظر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اصولین نے ایسے قواعد مرتب کیے ہیں جو یسر وآسانی پر دلالت کرتے ہیں جیسے: المشقه تجلب التیسیر "الضرورات تبیح المحظورات" الأمر اذا ضاق اتسع واذا اتسع ضاق" وغیره

سوال:۲ شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں کیا ہیں؟ نیز تیسیر کے اسباب کیا ہیں اور اس کا دائرہ کار کیا

ہے؟

جواب: تیسیر کی بنیادیں اکثر مقالہ نگار حضرات نے تیسیر کی درج ذیل بنیادیں پیش کی ہیں:

۱۔ انسانی طاقت کی رعایت: انسانی طاقت اگرچہ محدود ہے لیکن اس کے دو حصے ہیں ایک قدرت علمیہ دوسری قدرت عملیہ جو اعضاء کے علم سے حاصل شدہ ذخیرے کو عملی جامہ پہناتی ہے۔

۲۔ انسان پر طاری ہونے والے احوال کی رعایت: اللہ تعالی نے احکام کو عام حالات میں انسان کی قدرت سے ہم آہنگ بنایا ہے لیکن انسان بعض دفعہ ایسے عوارض سے دوچار ہوتا ہے جہاں وہ حکم بجالانے کی قدرت کھودیتا ہے تو ایسے مواقع کے لیے اللہ تعالی نے شریعت میں لچک رکھی ہے چنانچہ شریعت قوت وضعف کے اعتبار سے مکلف کی قدرت کے اعتبار سے رعایت کرتی ہے۔

۳۔ عام انسانی ضعف کی رعایت: اللہ تعالی کا ارشاد ہے" وخلق الإنسان ضعيفا" (النساء ۲۸) ابن عاشور فرماتے ہیں کہ اس فرمان کے ذیل میں تخفیف کا حکم اور اس دین کی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار ہے۔

۴۔ ہر حال میں اللہ تعالی کی بندگی: انسان کے احوال کے مدنظر اللہ تعالی نے تیسیر کا معاملہ فرمایا ہے تاکہ انسان ہر حال میں اللہ کا بندہ رہے خواہش نفس کا بندہ نہ بنے چنانچہ امام شاطبی لکھتے ہیں: حتى يكون عبد الله اختيارا كما هو عبد الله اضطرارا (الموافقات ج۲ ص۲۸۹) جمیل اختر جلیلی ندوی نے تیسیر کی چار بنیادیں قران وحدیث کی نصوص، آثار صحابہ، آثار تابعین اور قواعد فقہ کو اور قواعد تین تین طرح کے قواعد: فقہی، اصولی اور مقاصدی کا تذکرہ کیا ہے اور تمام بنیادوں کو مثالوں کے ساتھ واضح کیا ہے۔

۱۔ ويضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم (الأعراف ۱۵۷)

۲۔ لا يكلف الله نفسا الا وسعها (البقرة ۲۸۶)

۳۔ يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر (البقرة ۱۸۵)

۴۔ ما جعل عليكم في الدين من حرج (الحج ۷۸)

۵۔ ان الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه (البخاري ۳۹)

۶۔ انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين (الترمذي ۱۴۷)

۷۔ لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة (البخاري ۷۲۴)

تیسیر کے تعلق سے کچھ فقہی قواعد یہ ہیں:

۱۔ المشقه تجلب التيسير　　　۲۔ الضرورات تبيح المحظورات

۳۔ الأمر اذا ضاق اتسع واذا اتسع ضاق

تیسیر کے اسباب: اکثر مقالہ نگار حضرات نے درج ذیل اسباب کو بیان کیا ہے ۱.سفر ۲.مرض ۳.اکراہ ٤.نسیان ٥.جہل ٦.جنون ۷.نقص طبعی ۸.نیند ۹.صغر سنی ۱۰.فقر وافلاس ۱۲.موسمی حالات ۱۳.حاجات ۱٤.بھوک و پیاس ۱٥.عمومی بلوی ۱٦.خوف ۱۷.خطا

عام طور پر مقالہ نگاروں نے علامہ ابن نجیم کی یہ عبارت نقل کی ہے جس میں سات اسباب پائے جاتے ہیں:

واعلم أن أسباب التخفيف في العبادات وغيرها سبعة: الأول: السفر. الثاني: المرض. الثالث: الإكراه. الرابع: النسيان. الخامس: الجهل. السادس: العسر وعموم البلوى. السابع: النقص۔ (الأشباه والنظائر: ۲۷٦-۲۹۳)

بعض مقالہ نگاروں نے موسوعہ فقہیہ کویتیہ کے حوالے سے اور بھی اسباب ذکر کئے ہیں۔ (الموسوعة الفقهية الكويتيه ج١٤- ص۲۲۷تا۲۳۳).

اور عبید اللہ ندوی نے تیسیر کے اسباب میں ایک بڑی اہم بات اپنے مقالے میں لکھی ہے وہ لکھتے ہیں تیسیر کے اسباب میں بڑا اور واضح سبب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی خاتم ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا امت وسط ہونا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنے والا ہے اور یہی دین قیامت تک کے باقی رہے گا لہذا اس میں ایسی لچک رکھی گئی ہے جو قیامت تک چل سکے مقالہ نگار نے اگر چہ کوئی حوالہ اس جگہ درج نہیں کیا ہے تاہم یہ سبب تخفیف بہت ہی اہم اور قابل توجہ ہے. غرض کے زیادہ تر مقالہ نگاروں نے تمام اسباب پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اپنی بحث کو حوالوں سے مزین کیا ہے۔

تیسیر کا دائرہ کار:

اس سلسلے میں مقالہ نگاروں کی تعبیرات اگر چہ الگ الگ ہیں تاہم اکثر حضرات کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تیسیر کا دائرہ کار تمام احکام تکلیفی ہیں قدر فرق کے ساتھ اسجد حسن بن قاضی محمد حسن کہتے ہیں تیسیر کے جو اسباب ہیں ان کی وجہ سے مکلفین کو سہولت و آسانی ملتی ہے ہر سبب کے الگ الگ دائرہ کار ہیں جیسے کوئی مسافر ہے تو نماز میں قصر، روزے کی قضا، موزوں پر مسح کی اجازت، وجوب قربانی کا ذمے سے ساقط ہونا، یہ سفر کے دائرے کار ہیں اسی طرح تمام اسباب کے الگ الگ دائرہ کار موجود ہیں انہوں نے الگ الگ ابواب کے احکام سے مثالیں بھی دی ہیں۔

اس بارے میں مفتی اقبال ٹنکاروی صاحب لکھتے ہیں اس کا کوئی دائرہ اور حد بیان کرنا مشکل ہے جہاں کوئی حرج ومشقت پایا جائے گا وہاں رحمت الہی کے بموجب یسر وسہولت اور رخصتیں پیدا ہوگی اور اس کی تعیین اصول وضوابط اور دلائل وقواعد کی روشنی میں کی جائے گی، مختصر یہ کہ یسر وسہولت اور رخصتیں ہر باب میں پائی جائے گی تاہم بعض علماء نے اس کی حد بیان کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ علامہ علائی نے سات انواع بیان کیے چنانچہ انہوں نے عبادات،

معاملات، مناکحات، کفارت، رقیت وحریت، قصاص اور مجتہدین کے اجتہادات کے باب میں تیسیر کا ذکر کیا ہے انہوں نے ادلہ اور قواعد کے بیان میں بھی تیسیر کا ذکر کیا ہے۔

یعقوب بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:

التيسير الواقع في الشريعة ليس له حد معين ولا باب خاص اذا اقتضت رحمة الله تعالى أن لا يجعل علينا في الدين من حرج فحيث كان الحرج والمشقه وجد منقد للخروج منه، ولم يقتصر ذاک وإنما شمل الطريق الموصل اليها من ادلة وقواعد وفيها ياتي بيان موجز عن ذلک أما الاحكام فان التيسيرات والرخص شاملة لكل ابوابها وانواعها لكن العلائي حامل حصرها فجعلها في سبعه انواع۔ (قاعده المشقه تجلب التيسير، الباب الاول في المشاق الجالبة للتيسير، الفصل الثالث، ص۱۹۹-۲۰۰، ط مكتبة الرشيد الرياض)

سوال: ۳ تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقۂ کار سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

جواب: کتاب وسنت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو تکلیف مالا یطاق کا مکلف نہیں بنایا ہے بلکہ شریعت نے تمام امور تکلیفیہ میں یسر وتیسیر کے پہلو کو بیان کیا ہے اور قرآن پاک میں کئی ساری آیت اس باب سے متعلق ہیں اور احادیث شریفہ میں بہت سی دلیلیں موجود ہیں جو تیسیر پر دال ہیں اور عموما صحابہ کرام بھی تیسیر کے پہلو کو اختیار کرتے تھے کیونکہ انہوں نے دیکھا تھا کہ قرآن پاک کا منہج یہی ہے اور اسباب تیسیر مثلا مرض، سفر، اکراہ، نسیان، جہل، جنون اور نقص طبعی وغیرہ میں یسر وسہولت کے پہلو کو پیش کیا اور انسانوں کو مالا یطاق کا مکلف نہیں بنایا۔

اکثر مقالہ نگار حضرات نے تیسیر کے تعلق سے کئی احادیث وآثار پیش کیے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تیسیر کے پہلو کو اختیار کرتے تھے ان میں چند احادیث وآثار درج ذیل ہیں:

١. عن عائشة أنها قالت: ما خير رسول الله ﷺ بين أمرين قط، إلا أخذ أيسرهما، ما لم يكن إثما. (مسلم)

٢. لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ، وَلأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ. (سنن الترمذي، باب ما جاء في السواک: ۲۳)

٣. هلک المتنطعون قالها ثلاثا (مسلم رقم الحديث: ۷۰۳۹)

ترجمہ: بے جا تکلف اور تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جملہ فرمایا۔

٤. جب حضرت معاذ نے لوگوں کو عشاء کی نماز لمبی پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر نکیر فرمائی" افتان انت یا معاذ؟ ثلاثا (صحیح البخاري، رقم الحديث: ۷۰۱۰).

٥. إيّاكم والتنطُّع، إيّاكم والتعمُّق، وعليكم بالعتيق، يعني بما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم

و اصحابه (جامع العلوم و الحکم، ص:۲۷۰-۲۷۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں تم تنطع (بے محل اور بے جا تشدد اختیار کرنے) اور تعمق (کلام میں غلو کرنے) سے بچو تم پر پرانے کو اختیار کرنا لازم ہے یعنی جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تھے غرض کے ذخیرۂ أحادیث اور آثار صحابہ میں تیسیر کے متعلق کافی روایات موجود ہیں جن سے بڑی رہنمائی ملتی ہے۔

اس بارے میں ڈاکٹر شاہجہاں ندوی نے اپنے مقالے میں چند نکات بھی پیش کیے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے:

۱۔انسان کمزور ہے لہذا شریعت نے اس کو جو رخصت دی ہے اس سے اس کو فائدہ اٹھانا چاہیے جس کی طرف اس ارشاد نبوی میں اشارہ ہے: ان اللہ یحب ان تولی رخصہ کما یکرہ ان تولي معصیتہ. (مسند احمد، رقم الحدیث:٥٨٦٦)

۲۔اپنے حالات کی بنا پر رخصت پر عمل کرے یا عزیمت کو اختیار کرے لیکن دوسروں کو مورد طعن یا محل اعتراض نہ بنائے جیسے روزہ رکھنے کے سلسلے میں صحابہ میں اختلاف ہوا لیکن کسی کو مورد طعن نہ بنایا حدیث کے الفاظ ہیں: فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ (صحيح البخاري، كتاب الصوم، رقم الحديث:١٩٤٧)

۳۔رخصت وعزیمت میں اختیار ہو اور عزیمت پر عمل کی قدرت ہو اور اس پر عمل کرنا بہتر ہو تو عظیمت کو اختیار کرنا چاہیے لیکن اگر اس میں شدید مشقت ہو تو پھر رخصت کو اختیار کرے چنانچہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا: لیس البر أن تصوموا في السفر" (صحیح مسلم، کتاب الصوم، رقم الحدیث:١١١٥).

۴۔اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے غلو اور تکلف کی روش سے پرہیز کرنا چاہیے متعدد صحابہ نے غلو سے دور رہنے کی تاکید کی ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عقبہ بن فرقد کو لکھا: وإیاکم و التنطع، وزی العجم" (مسند ابي يعلي:٢١٣). ترجمہ: غلو اور عجمی پوشاک سے بچو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا" وَإِيَّاكُمْ وَالتَّنَطُّعَ، وَالتَّعَمُّقَ، وَالْبِدَعَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْعَتِيقِ" (سنن دارمي:١٤٢).

مذکورہ آیات وروایات اور آثار صحابہ سے معلوم ہوا کہ مذہب اسلام کے مزاج میں یسر اور مکلفین کے ساتھ ہمدردی اور نرمی کا معاملہ پیوست ہے اور اس سلسلے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔

سوال:۴ تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد کیا ہیں؟ اس کی مختصر وضاحت بھی فرمائیں

جواب: اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس سوال کے جواب میں تیسیر کے تعلق سے فقہی قواعد کو ذکر کیا ہے اور ان قواعد پر عمل کرنے کے لیے شرائط وضوابط بھی بیان کیے ہیں:

۱۔المشقہ تجلب التیسیر: یہ قاعدہ امہات القواعد میں سے ہے اس قاعدے کی حکمت یہ ہے کہ شریعت میں

حرج ومشقت مطلوب نہیں ہے چاہے وہ دین کے کسی بھی شعبے سے ہو البتہ اس قاعدے کی بنا پر جو رخصت یا آسانی دی جائے وہ نص یا شریعت کے کسی اصول کے خلاف نہ ہو.

(الف).مشقت کی تعریف: شریعت کی اصطلاح میں نا قابل برداشت تکلیف اور دشواری کے لیے استعمال ہوتا ہے.

(ب) مشقت کے اقسام: علماء نے اصلا اس کی دو قسمیں کی ہیں

(الف) مشقت معتادہ: اس سے مراد وہ قطعی مشقت ہے جس سے کوئی بھی عبادت و اطاعت کسی بھی حال میں خالی نہیں ہوتی اور انسان بغیر کسی ضرر کے اس کو برداشت کرسکتا ہے مثلا سردی میں وضو وغیرہ اس قسم کی مشقت کا شریعت میں اعتبار نہیں.

(ب) مشقت غیر معتادہ: اس کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔مشقت عظیمہ: نا قابل عمل تکلیف جس میں جان یا اعضاء کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو یہ مشقت تخفیف کا سبب بنے گی مثلا بھوک سے مرجانے کا خدشہ.

۲۔مشقت خفیفہ: ادنی اور معمولی مشقت جیسے سر درد اس سے کوئی رخصت نہیں.

۳۔مشقت متوسطہ: وہ مشقتیں جو برداشت کی جاسکتی ہیں لیکن نوع اول کی مشقت سے بڑی ہیں البتہ اس کی وجہ سے اکثر ضرر و تکلیف پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہو جیسے بخار وغیرہ مثال کے طور پر دن رات کا بیک وقت روزہ لازم کرنا، ساری عبادت لازم کرنا وغیرہ اس قسم کی مشقت میں غور کریں اگر مشقت پہلے درجے کے قریب ہے تو سہولت و آسانی دی جاتی ہے اور اگر دوسرے درجے کے قریب ہے تو نہیں دی جاتی ہے.(قواعد الأحكام في مصالح الأنام۲/۷).

شرائط مشقت:

بہرحال مشقت کی وجہ سے ملنے والی سہولت کی چار شرائط ہیں:

۱.وہ سہولت شریعت کے کسی اصول کے خلاف نہ ہو.

۲.مشقت عام عادت اور تحمل سے بڑھ کر ہو.

۳.مشقت ایسی نہ ہو جو اپنی اصل وضع میں پائی جاتی ہو جیسے سردی میں وضو اور غسل.

٤.مشقت ایسی ہو کہ تکلیفات شرعیہ اس سے خالی ہو جیسے جہاد، حدود، باغیوں کے قتل کی مشقت.

۲۔الضرورات تبیح المحظورات: اس قاعدے پر عمل کے لیے کئی شرائط ہیں:

۱.جان یا عضو کے تلف ہوجانے کا خوف ہو.

۲.ضرورت فی الحال پائی جائے.

۳.کوئی جائز وسیلہ نہ ہو.
٤.فائدہ یقینی ہو.
٥.جرم کا ارتکاب بقدر ضرورت ہی کیا جائے.
٦.کسی بڑے ضرر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے مثلا اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے کو قتل کرنا.
٧.گنجائش ضرورت کے وقت تک ہی رہے گی.

۳ ۔إذا ضاق الامر اتسع واذا اتسع ضاق: یعنی اگر کسی کام یا حکم میں تنگی ہو تو اس کو ختم کرنے کے لیے رخصت پیدا کی جائے گی اور محظورات کا استعمال بھی جائز ہوگا جیسے کوئی شخص تنگی میں ہو گیا تو حسب منشاء یسر و تیسر اختیار کرنا اس کے لیے جائز ہوگا پھر جب وہ تنگی اور دشواری ختم ہو جائے تو حکم اصل کی طرف لوٹ آئے گا.

شرائط تیسیر:

بعض مقالہ نگاروں نے تیسیر کے بنیادی اصول میں چند شرائط کا بھی تذکرہ کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

ا۔تیسیر قرآن وحدیث سے ثابت شدہ ہو.
۲۔عمل کی وجہ سے نص سے تصادم لازم نہ آئے.
۳۔تیسیر نص سے متصادم نہ ہو.
۴۔تیسیر میں مقاصد شرعیہ کا لحاظ رکھا گیا ہو.
۵۔تیسیر پر عمل کے نتیجے میں اس سے بڑی کوئی مصلحت فوت نہ ہو.

سوال:۵ تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے کیا رخصت و تیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟

جواب :۔تیسیر اور رخصت کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے اکثر مقالہ نگار حضرات نے عموم خصوص مطلق کی نسبت بیان کی ہے یعنی تیسیر عام ہے اور رخصت خاص ہے جس میں صرف عذر کی بنیاد پر رخصت ملتی ہے.

مولانا عبید الرحمن قاسمی صاحب نے اصول السرخسی اور الموافقات کے حوالے سے لکھا ہے کہ رخصت کے لغوی معنی سہولت اور آسانی کے ہیں اور فقہ کی اصطلاح میں ممانعت کی دلیل کے باوجود عذر اور عاجزی کی وجہ سے جواز کی اجازت دینا ہے امام سرخسی لکھتے ہیں" مَا استبيح للعُذْرِ مَعَ بَقَاءِ الدَّلِيل المحرم (أصول السرخسي ١١٧/١، الموافقات ١ / ٤٦٦) اور رخصت حالت اضطراری سے متعلق ہے (فقه التيسير ١١٣)، خلاصہ یہ کہ رخصت مشقت کے بعد ہے (اصول السرخسي ١ / ١١٧)

موصوف نے مزید وضاحت کی ہے کہ عند الاحناف بنیادی طور پر رخصت کی دو قسمیں ہیں ١.رخصت ترفیہ: یعنی

حرمت کی بقا کے ساتھ فعل کی رخصت جس میں عزیمت کا حکم باقی ہو مگر مکلف کے واسطے رخصت دی گئی ہو لیکن عزیمت پر عمل کرنے سے ثواب کا حقدار ہوگا جیسے کلمۂ کفر کا تلفظ اس لیے کہ کلمۂ کفر کی حرمت ہر حال میں باقی ہے۔

۲. رخصت اسقاط: یعنی تغیر صفت کے ساتھ فعل کی رخصت جس میں عزیمت کا حکم باقی نہ ہو بلکہ رخصت عزیمت کے درجے میں ہو جائے جیسے حالت اضطراری میں مردار کھانا ''فمن اضطر غير باغ و لا عاد فلا إثم عليه''. (علم اصول الفقه لعبد الوهاب خلاف ۱۲۳).

موصوف نے علامہ سبکی کے حوالے سے رخصت کے درجات بھی بیان کیے ہیں آپ لکھتے ہیں کہ ۱. کبھی رخصت پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے جیسے مضطر کا مردار کھانا۔

۲. کبھی اختیار ہوتا ہے جیسے کلمہ کفر کا تلفظ کہ اگر کوئی شخص اپنی جان دے دے اور کلمہ کفر سے اپنی زبان کو محفوظ رکھے تو وہ عند اللہ مستحق اجر ہوگا۔

۳. اور کبھی اولی جیسے مشقت کی وجہ سے سفر میں افطار کرنا. ٤. اور کبھی غیر اولی ہوتا ہے جیسے بلا مشقت مسافر کا رمضان میں افطار کرنا. (جمع الجوامع مع حاشية البناني ۱۲۱/۱).

تیسیر اور رفع حرج دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ (شرح النووي على صحيح مسلم ومختار الصحاح ٥٤)

بعض مقالہ نگار نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ تیسیر اور رخصت دونوں عرفا مترادف طور پر استعمال ہوتے ہیں اور فقہی طور پر تیسیر آسانی فراہم کرنے کا ذریعہ ہے اور رخصت اس کے تحت پائے جانے والے اسباب وعوامل ہیں (المستصفي ۱ / ۲۸۷) نیز اصول کی کتابوں میں '' المشقة تجلب التيسير'' کے تحت ان باتوں کا ذکر ہے (الوجيز للزحيلي ۲۳۰، الأشباه و النظائر للسيوطي)

اب رہی یہ بات کہ رخصت و تیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے تو اس بارے میں مقالہ نگاروں نے الموافقات کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کا تعلق تمام احکام، ایمانیات، عبادات، معاملات، جنایات اور عقوبات سے ہے" فَإِذَا لم تراع دخل علتى الْمُكَلَّفِينَ - عَلَى الْجُمْلَةِ٣- الْحَرَجُ وَالْمَشَقَّةُ، وَلَكِنَّهُ لَا يَبْلُغُ مَبْلَغَ الْفَسَادِ الْعَادِيِّ الْمُتَوَقَّعِ فِي الْمَصَالِحِ الْعَامَّةِ. وَهِيَ جَارِيَةٌ فِي الْعِبَادَاتِ، وَالْعَادَاتِ، وَالْمُعَامَلَاتِ، وَالْجِنَايَاتِ (الموافقات ۱۱/۲) البتہ بعض مقالہ نگاروں نے صرف معاملات سے اس کا تعلق بتایا ہے.

سوال:٦ بعض مقاصدی قواعد کیا ہیں جن کا تعلق تیسیر سے ہے جیسے جلب المصالح ودرء المفاسد اور رفع حرج ان کی بھی قدر وضاحت مطلوب ہے؟

جواب: تقریبا تمام مقالہ نگاروں نے مقاصدی قواعد کی وضاحت تفصیل سے لکھی ہے اس سلسلے میں جمیل اختر جلیلی نے مقاصدی قواعد کی تین قسمیں بیان کی ہیں اور تمہید میں لکھا ہے کہ مقاصدی قواعد میں دو تین باتیں زیادہ اہم

ہیں ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ بندوں کو جو بھی احکام دیے گئے ہیں ان میں دو چیزوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔

(۱) دفع مضرت (۲) جلب مصلحت، امام شاطبی فرماتے ہیں ''الْمَعْلُومَ من الشريعة أنها شُرِعَتْ لِمَصَالِحِ الْعِبَادِ؛ فَالتَّكْلِيفُ كُلُّهُ إِمَّا لِدَرْءِ مَفْسَدَةٍ، وَإِمَّا لِجَلْبِ مَصْلَحَةٍ، أَوْ لَهُمَا مَعًا'' (الموافقات ۱/۳۱۸)

لہذا سب سے پہلے مقاصدی قواعد میں اسی کو بنیاد بنایا جائے، مقاصدی قواعد میں دوسرے نمبر پر'' اعتبار المآلات'' (نتائج کا اعتبار) کرنا ہے، جس کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر احمد ریسونی لکھتے ہیں:

''ومعناه: النظر فيها يمكن ان تؤول اليه الافعال والتصرفات والتكاليف موضوع الاجتهاد والافتاء والتوجه وادخال ذلك في الحسبان عند الحكم الفتوى (الاجتهاد بين النص والواقع والمصلحة: ۶۷)

اس کے معتبر ہونے کے تعلق سے علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

''النظر في مآلات الأفعال معتبر مقصود شرعًا كانت الأفعال موافقة أو مخالفة، وذلك أن المجتهد لا يحكم على فعل من الأفعال الصادرة عن المكلفين بإقدام أو بالإحجام إلا بعد نظره إلى ما يؤول إليه ذلك الفعل، (فقد يكون) مشروعًا لمصلحة فيه تستجلب، أو لمفسدة تدرا'' (الموافقات ۵/۱۷۷)

مال کے تعلق سے قرآن وحدیث میں بھی تذکرہ موجود ہے ایک جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے'' وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدوًا بِغَيرِ عِلم'' (الأنعام: ۱۰۸) اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه »قيل: يا رسول الله كيف يلعن الرجل والديه؟ قال'' يسب الرجل أبا الرجل فيسب أباه ويسب أمه فيسب أمه'' (صحيح البخاري، رقم الحديث :۵۹۷۳، صحيح مسلم، رقم الحديث :۱۴۶)

مقاصدی قواعد میں تیسرے نمبر پر'' رفع حرج'' کا قاعدہ آتا ہے اللہ تعالی نے جو بھی احکام بندوں کو دیے ہیں ان کے اندر کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، ان مقاصد میں ایک اہم مقصد مکلفین سے حرج کو دور کرنا ہے، اس سلسلے میں قرآن میں صراحت موجود ہے، ارشاد ہے" ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج (المائدة ۷)، دوسری جگہ ہے'' وما جعل عليكم في الدين من حرج (الحج: ۷۸) اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ السلام کا قول ہے'' وضع اللہ الحرج (مسند احمد، رقم الحدیث:)

مقاصدی قواعد میں سے اہم قواعد:

اب ہم مقاصدی قواعد میں سے اہم قواعد جلب المصالح، درء المفاسد اور رفع حرج کی تفصیل مقالہ نگاروں کی تحریروں کی روشنی میں قدر اختصار کے ساتھ پیش کررہے ہیں:

جلب المصالح: یہ قاعدہ بہت سے ناموں سے موسوم ہے، ’’جیسے جلب المصالح ودرء المفاسد‘‘ دفع المفاسد مقدم علی جلب المصالح " درء المفاسد أولی من جلب المصلحة " دفع المفسدة أهم من تحصیل المصلحة‘‘

جلب مصالح، درء مفاسد اور رفع حرج کی وضاحت:

(۱) جلب مصالح:

مصلحت کی تعریف:

مصلحت کا اطلاق کبھی منفعت اور لذت پر ہوتا ہے اور کبھی منفعت اور لذت تک پہنچانے والے اسباب پر (قواعد الأحکام في مصالح الأنام ۱/۱۲)

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے مصلحت کی اصطلاحی تعریف الفاظ میں کی ہے " المنفعة التي قصدها الشارع الحكيم لعباده، من حفظ دينهم، ونفوسهم، وعقولهم، ونسلهم، وأموالهم، طبق ترتيب معين فيما بينها" (ضوابط المصلحة في الشريعة الإسلامية ص: ۲۳) یعنی مصلحت سے مراد ایسی منفعت ہے جو لوگوں کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت سے متعلق ہو اور جس کو شارع نے اپنے بندوں کے لیے ایک متعین ترتیب کے مطابق مشروع کیا ہو۔

۲. درء مفاسد: درء کے لغوی معنی ہے" زور سے دھکا دینا، دور کرنا، ہٹانا، حدیث شریف میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے" ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم (مشكاة، رقم الحديث: ۳۵۷) یعنی جتنا ہو سکے مسلمانوں کے حدود کو دور کرنے کی کوشش کرو۔

مفاسد یہ مفسدہ کی جمع ہے اس کے معنی بگاڑ اور ضرر و نقصان کے ہیں، اور اصطلاحی میں دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے (۱) ضرر اور منکر (۲) ایسے اسباب و ذرائع جو ضرر تک پہنچانے والے ہوں. (قواعد الأحکام في مصالح الأنام: ۱/۱۲).

قواعد کا مفہوم:

بندگان خدا سے مفاسد اور مضرتوں کا دور ہونا اور مصالح و منافع کا حصول شریعت کے اہم مقاصد میں سے ہے لیکن جہاں کہیں مصلحت اور مفسدہ میں تعارض ہو جائے یعنی اگر مصلحت کو حاصل کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے مفسدہ اور ضرر لازم آتا ہے مثال کے طور پر کوئی شخص اپنے نفع اور مصلحت کے لیے کوئی عمل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں کسی اور کو ضرر لاحق ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مصلحت کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی تا کہ ضرر واقع نہ ہو، گویا کہ ضرر و مفسدہ سے بچنے کو حصول منفعت پر ترجیح دی جائے گی۔

قاعدہ کے دلائل: اصولین نے اس قاعدہ کو درج ذیل قرآنی اور نبوی نصوص سے اخذ کیا ہے ایات کریمہ یہ ہیں:

يَسـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلخَمرِ وَٱلمَيسِرِ قُل فِيهِمَا إِثم كَبِير وَمَنَـٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثمُهُمَا أَكبَرُ مِن نَّفعِهِمَا (البقرۃ ۲۱۹)

۲. وَلَا تَسُبُّوا ٱلَّذِينَ يَدعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّوا ٱللَّهَ عَدوَا بِغَيرِ عِلم (الأنعام ۱۰۸).

۳. اس بارے میں کئی احادیث ہیں بخاری کی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی نماز باجماعت صرف تین راتیں پڑھیں، چوتھی رات بھیڑ دیکھ کر باہر تشریف نہیں لائے اور نہ آنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے (بخاری، رقم الحدیث ۱۱۲۹).

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل پڑھنے میں مصالح ضرور ہیں، لیکن اگر یہ نماز فرض ہو جائے اور پھر لوگ اس کو پڑھنے سے بے بس ہو جائیں تو اس سے زیادہ مفاسد ہوں گے، اس حکمت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری یا چوتھی رات تراویح باجماعت پڑھنے کے لیے باہر تشریف نہیں لائے.

قاعدہ کے شرائط:

مذکورہ بالا قاعدہ اس وقت قابل عمل ہوگا جب درجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

۱۔ جلب مصلحت اور درمفسدہ کا اجماع نہ ہو: اگر مصلحت کا حصول اور مفسدہ کا دور کرنا دونوں جمع ہو سکے تو مصلحت کو بھی حاصل کیا جائے گا اور مفسدہ بھی دور کیا جائے گا، لیکن اگر جلب منفعت اور دفع مفسدہ دونوں کا اجتماع ممکن نہ ہو تو حصول مصلحت کے لیے بجائے مفسدہ کو دور کیا جائے گا.

۲۔ مفاسد اور مصالح متحقق ہوں: مذکورہ قاعدہ پر عمل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مصالح و مفاسد ظنی نہ ہوں بلکہ حقیقی ہوں، اس لیے اس پر عمل سے قبل مصالح یا مفاسد کا تحقق یقینی ہے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ جس چیز کو مصلحت سمجھا جا رہا ہو وہ شریعت کی نظر میں مصلحت ہو ہی نہ، یا اس کے برعکس کا بھی امکان ہے.

۳۔ مصالح مفاسد پر غالب نہ ہوں: جہاں مصالح اور مفاسد کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: مفاسد کے مقابلے میں مصالح غالب اور راجح ہوں، تو ایسی صورت میں مصالح کا حصول بہتر ہوگا اگرچہ اس کی وجہ سے کم درجے کے اور نادر مفاسد پیدا ہو جائیں، مثال کے طور پر جھوٹ بولنا ایک مفسدہ ہے، لیکن لوگوں کے درمیان صلح کرانے یا بیوی کی اصلاح کے لیے اس کی اجازت ہے، کیونکہ یہ مصالح جھوٹ سے بڑھ کر ہیں، اسی طرح نماز کی کسی شرط میں خلل واقع ہو جانا مفسدہ ہے، لیکن اگر ستر چھپانے کے لیے کپڑا میسر نہ ہو یا جہت قبلہ معلوم نہ ہو تو اس سے نماز ساقط نہ ہوگی بلکہ اسی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ نماز پڑھنے کی مصلحت راجح اور غالب ہے، بنسبت نماز کی کسی شرط کے نہ ہونے یا اس میں خلل ہو جانے کے (شرح المجلۃ محمد خالد الاقاسي) یہاں اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ مصالح کے حصول کو ترجیح اس وقت دی جائے گی جب مفسدہ یا ضرر کا تعلق خود فاعل سے ہو۔

ب: مفاسد مصالح پر غالب اور زیادہ ہوں، تو ایسی صورت میں مفسدہ کا دور کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

ج: مصالح اور مفاسد دونوں برابر ہوں تو ایسی صورت میں بھی مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے بہتر ہوگا۔

رفع حرج:

حرج کے معنی ہیں ہر ایسی چیز جو مشقت کا سبب بنتا ہو جس کو ادا کرنے پر مکلف قادر نہ ہو اور اس پر عمل دشوار ہو اور مشقت اس قدر ہو کہ بسا اوقات مشروع مصالح فوت ہو جائیں یا بعض مضرت رساں مفاسد پیدا ہو جائیں۔

رفع حرج کے معنی ہوں گے مشقت کی ان دونوں قسموں کو ختم کرنا اور مکلف کو ایسے اوامر اور تکالیف شرعیہ کا حکم دینا جن پر وہ قادر ہو اور ان کو وہ انجام دے سکتا ہو، اس سے دین اور دنیا کے منافع بھی حاصل ہوتے ہوں۔

دلائل: الف: وما جعل عليكم في الدين من حرج (الحج: ۷۸)

ترجمہ: اس دین کے سلسلے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

ب: ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج (المائدة: ٦)

ترجمہ اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتے۔

ج: لا يكلف الله نفسا الا وسعها. (البقرة ۲۸٦)

ترجمہ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے۔

رفع حرج کی مثالیں:

الف: سفر، مرض اور بارش وغیرہ میں شرعی رخصتیں۔

ب: ایسی شدید بھوک یا پیاس جس میں جان کی ہلاکت یا موت کا اندیشہ ہو مردار، کھانے یا شراب پی لینے کی اباحت ہے۔

ج: نماز میں معمولی مشی (چلنا) یا معمولی خون معفو عنہ ہے۔

د: جماعت کی نماز میں تخفیف اور عدم تطویل کا حکم ہے۔

ھ: بلا وجہ شرعی تجرد کی ممانعت نیز تبتل اور رہبانیت اور مشروع حاجات دنیا کو ترک کرنے کی ممانعت ہے۔

و: بیع سلم، مزارعہ، مسابقات، مغارمہ اور حمام، سقاء اور ہوٹلوں کو کرائے پر دینے کی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان تمام چیزوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان تعامل آسان ہو انہیں ایسی چیزیں فراہم ہو جو ان کے حق میں نفع بخش ہو اور ایسی چیزیں ان سے دور کی جائیں جو ان کے لیے مضرت رساں ہوں اور ایسی تمام چیزیں معتبر شرائط کے ساتھ مشروط ہیں جن کا ذکر کتب فقہ میں موجود ہے۔

سوال: ۷ اگر کسی مسلک کے جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کیا دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب۔تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے بوقت ضرورت مسلک غیر پر عمل کو چند شرائط کے ساتھ یا بلاشرط جائز قرار دیا ہے، البتہ تعبیرات اور عبارتوں میں فرق ہے، اکثر حضرات نے مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے اور الحیلۃ الناجزہ کی عبارت نقل کی ہے اسی طرح مولانا تقی عثمانی مولانا مفتی شفیع صاحب اور حضرت گنگوہی کی آراء بھی درج کی ہیں:

وجہ جواز اکثر حضرات نے ضرورت شدیدہ، حرج اور تکلیف مالایطاق کو بتایا ہے، البتہ ڈاکٹر شاہجہاں ندوی نے مطلقا اس کو جائز قرار دیا ہے، اور اس پر چند دلائل بھی دیے ہیں، جن میں پہلی دلیل یہ ہے کہ ''کوئی مسلک کل شریعت کا درجہ نہیں رکھتا، بلکہ ہر ایک فقہی مسلک شریعت کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، اس لیے سارے مسالک شریعت کا ہی حصہ ہیں، اب اگر کسی مسلک کے جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کی خاطر دوسرے مسالک سے استفادہ میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔''

ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری صاحب بھی بلاشرط جواز کے قائل ہیں، موصوف لکھتے ہیں:

مسالک قابلِ ترجیح ہیں، اور یہ مسالک کے اصول وضوابط انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں، مسلک کو دین کا درجہ دیئے بغیر تیسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے تلفیق یا دوسرے مسالک کے اجتہادات سے استفادہ کی گنجائش ہے، اسی طرح مولانا خورشید احمد اعظمی بلا کسی شرط کے مطلقاً جواز کی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل باعث مشقت ہو تو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے تیسیر کے حکم کے پیش نظر دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاۃ کو روانہ فرماتے تھے تو تیسیر اور عدم تعسیر کی نصیحت فرماتے۔

مشہور اسلامی اسکالر، فقہ اور اصول فقہ پر وسیع نظر رکھنے والے عالم دین جناب ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی صاحب نے یسر کے موضوع پر اجمالی گفتگو فرمائی ہے اور دنیا کے مختلف ممالک کے حالات اور کچھ دینی مسائل کی مشکلات کا جائزہ پیش کیا ہے اور مشورے بھی دیئے ہیں، انہوں نے اپنے مقالہ میں ایک جگہ لکھا ہے:

''ایک مسئلہ جو بین المذاہب اقوال کے لینے میں مانع ہے وہ ہے تلفیق کا۔ یہ بات بالکل صحیح ہے مگر ہر بات تلفیق کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، میری رائے میں دو باتیں تلفیق میں ضرور آتی ہیں، ایک تو قول راجح و مرجوح کی جگہ قول شاذ کو اختیار کرنا تلفیق میں شمار کیا جا سکتا ہے، دوسری تلفیق ایک قاعدہ پر مبنی احکام ہیں جو سب کے سب اسی قاعدہ پر مبنی ہیں تو وہ قاعدہ اور اس کے تحت تمام مسائل کو ایک ساتھ لیا جائے یا پھر ان مسائل میں کچھ کو لینا اور کچھ کو نہ لینا تلفیق میں آسکتا ہے۔''

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کئی مثالوں سے اپنی طویل گفتگو کو مدلل کیا ہے، ان سب کا لب لباب ناچیز عارض نے یہی سمجھا ہے کہ جہاں ضرورت محسوس ہو مسلک غیر کو اختیار کرنا دین کے دائرہ اور اصول کے تحت رہنا ہے جو جائز ہے۔

اب آیئے شرائط کے ساتھ جواز کے قائلین کی طرف:

اکثر مقالہ نگاروں نے مسلکِ غیر پر فتویٰ دینے کے جواز کو شرائط سے مربوط کیا ہے، اور اپنے اپنے مقالوں میں کسی نے تین شرطیں، کسی نے چار اور زیادہ تر حضرات نے پانچ شرطیں درج کی ہیں، اسجد حسن بن قاضی محمد حسن نے اپنے مقالہ میں الحیلۃ الناجزۃ کے حوالہ سے مسلک غیر پر فتویٰ دینے کی شرائط اس طرح نقل کی ہیں: (۱) اتباع ہوی نہ ہو (۲) ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو (۳) ائمہ اربعہ کی مخالفت نہ ہو (۴) فتویٰ دینے والا شخص کسی ماہر استاد سے فن کو حاصل کیا ہو (۵) متعدد علماء کرام ضرورت کا تحقق کریں۔

مفتی جنید احمد قاسمی نے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی کتاب اصول الافتاء وآدابہ کے حوالہ سے ان شرائط کو اپنے مقالے میں لکھا ہے، جو قدرے وضاحت کے ساتھ ہیں:

(۱) ضرورت شدیدہ ہو اور اس معاملہ میں ابتلاء عام بھی ہو، محض وہم نہ اور ضرورت خیالی نہ ہو۔

(۲) مفتی بھی اس ضرورت کو بہت اہم سمجھتا ہو اور اس ضرورت کا احساس فقہ واصول افتاء کے رجال اور واقف کاروں کی باہمی گفت وشنید اور علمی تبادلہ خیال کے ذریعے ہو، مناسب تو یہ ہے کہ از خود تنہا فتوی جاری کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لے، بلکہ حتی المقدور دوسرے مفتیان کرام کے فتوی جات سے بھی اپنے فتوی کو مؤید کرے، خصوصا جب وسیع پیمانہ پر فتوی کی اشاعت مقصود ہو تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

(۳) جس فقہی مذہب پر فتوی دے اس کی بڑی گہری اور عمیق تحقیق کرے اور اس کے لیے مناسب ہے کہ اس مذہب کے علماء ومفتیان کرام سے رجوع کرے، کسی مسئلہ کی تحقیق میں ایک یا دو کتابوں پر اکتفا نہ کرے، کیونکہ ہر مذہب کی مخصوص اصطلاحیں ہوتی ہیں، اور منفرد اسلوب ہوتا ہے، اور بسا اوقات ان اصطلاحوں کے واقف کاروں کے علاوہ دوسروں کے لیے اس سے آگہی دشوار ہوتی ہے۔

(۴) دوسرے مذہب پر دیا گیا فتوی ان شاذ ونادر اقوال سے ماخوذ نہ ہو جو جمہور کے مذہب کے خلاف ہو، اور جمہور کی جانب سے اس کا رد بھی آچکا ہو۔

(۵) اس مذہب کے مذکورہ فتوی کو مذہب میں معتبر تمام شرائط کی رعایت کرتے ہوئے لیا گیا ہو، تا کہ یہ فتوی اس ایک مسئلہ میں تلفیق کا سبب نہ بن جائے۔ (اصول الافتاء وآدابہ، ص ۲۴۶ تا ۲۴۷)

اس پانچویں اور آخری شرط کو بعض مقالہ نگاروں نے الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۶ کے حوالہ سے اس طرح نقل کیا ہے

"اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہیں ان سب کی رعایت کی جاوے، اگر کسی عمل میں بضرورت دوسرے مذہب پر عمل کیا جاوے تو اس عمل کی تمام جزئیات پر عمل کرنا چاہیے" (الحیلۃ الناجزۃ، ص ۲۶)

اس سلسلہ میں قابلِ توجہ وہ بات ہے جس کو مولانا تقی عثمانی مدظلہ العالی نے مفتی محمد شفیع صاحب کے حوالہ سے

بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو وصیت کی، اور حضرت تھانوی نے ہم سے فرمایا تھا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ سے دیندار مسلمان تنگی کا شکار ہیں، اس لیے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں عمومی بلوی ہو وہاں ائمہ اربعہ میں جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لیے گنجائش کا پہلو ہو اس کو فتوی کے لیے اختیار کر لیا جائے۔ (فکر اسلامی، بستی، معاصر فقہ اسلامی نمبر ۱۹۹۹، ص ۱۸٤)

نتیجہ بحث

مقالہ نگاروں کی آراء اور تحقیقات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو اور حرج و مشقت کا سبب بن رہا ہو تو حرج اور مشقت کو دور کرنے کی غرض سے دوسرے مسلک کے اس خاص جزئیہ سے استفادہ جو یسر پر مبنی ہو، اس مسلک کی تمام شرائط کی رعایت کرتے ہوئے درست ہے۔

سوال ۸. علماء عرب کے یہاں فقہ التیسیر ایک مستقل موضوع ہے اور احکام کی تطبیق میں اس پر وہ کافی توجہ دیتے ہیں، اس بارے میں ہم لوگ کن پہلوؤں پر غور کر سکتے ہیں؟ کیا ہندوستانی مسلمان جو کہ اقلیت میں ہیں ان کے لیے معاملات کے علاوہ بعض احکام جیسے عبادات میں اصول تیسیر کو جگہ دی جا سکتی ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یقیناً علماء عرب فقہ التیسیر پر وہاں کے ماحول، عام حالات، نوجوان نسلوں کی راحت پسندی اور سہل پسند مزاج کے پیش نظر کافی توجہ دیتے ہیں، حالانکہ دنیا کے دیگر خطوں کے مقابلے میں ان کا ماحول دین وایمان اور اسلامی اخلاق واقدار سے قریب تر ہے، اور دین وشریعت پر عمل کرنا نسبتاً آسان ہے، اور پورا معاشرہ کسی نہ کسی درجہ میں اسلام پسند ہے، اس کے باوجود فقہ التیسیر کے موضوع کو اپنانا دراصل فقہ الاقلیات کی طرف رہنمائی کرنا ہے، عرب محققین ومصلحین اور فقہ وفتاوی پر کام کرنے والے باحثین پوری دنیا کے مسلمانوں کے حالات اور ان کی مشکلات کے پیش نظر شریعت کی طرف سے عطا کردہ یسر و تیسیر کے پہلو پر توجہ دلانا چاہتے ہیں، اور خود ان کے یہاں سہولت کا جو مزاج پیدا ہوا ہے اس کے پیش نظر نئی نسل کو دین و شریعت پر باقی رکھنے کی ایک علمی واصلاحی کوشش ہے۔

جہاں تک ملک ہندوستان کا مسئلہ ہے، یہاں کا ماحول معاشرتی ڈھانچہ، ملکی قانون، سیاسی ومعاشی نظام، عرب ملکوں سے جداگانہ ہے، اور ہندوستانی مسلمانوں کا اس ماحول میں غیر مسلموں کے ساتھ بحیثیت اقلیت زندگی گزارنا مزید دشوار کن اور حرج وتنگی سے پر ہے، اس لیے ہندوستان جیسے ملک میں فقہ التیسیر کی طرف توجہ دینا اور مشکل حالات میں مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کرنا انتہائی ضروری ہے، بالخصوص موجودہ ماحول میں جبکہ برسر اقتدار سیاسی جماعت اور اس کی معاون تنظیمیں مسلمانوں کے لیے دین وشریعت پر عمل پیرا ہونے میں رکاوٹ کھڑی کرتی اور طرح

طرح کی اسکیمیں بناتی ہیں، بسا اوقات جان و مال اور عزت و آبرو بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے، یہاں تک کہ عبادات تک میں دشواریاں پیدا کی جاتی ہیں، ایسی صورتحال میں شریعت پر عمل کرنے کی جو صورت ممکن ہو اس کی طرف ملت اسلامیہ کی رہنمائی ازبس ضروری ہے۔

اب ہم یہاں کچھ مقالہ نگاروں کی بعض عبارتیں نقل کر رہے ہیں، جن میں کچھ نکات ہیں جو موضوع پر غور وفکر سے تعلق رکھتے ہیں، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی نے ہندوستان میں فقہ التیسیر کے حوالہ سے درج ذیل نکات پیش کئے ہیں:

۱۔ فقہ کی زبان آسان رکھی جائے۔

۲۔ فقہ کا اسلوب بھی سہل ہو۔

۳۔ ہر حکم کی حکمت بھی اجاگر کر دی جائے۔

۴۔ فقہ مقارن سے بھی استفادہ کیا جائے۔

۵۔ منتہی درجات کے طلبہ بالخصوص افتاء کے طلبہ کو فقہ مقارن بھی پڑھایا جائے۔

۶۔ لوگوں کے حق میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مسالک کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۷۔ بالخصوص بعض ناگزیر مسائل میں مسالک کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا جائے، مثلاً قابل اعتماد خواتین کے ساتھ عورت کا فرض حج کی ادائیگی کے لیے محرم کے بغیر سفر کرنا وغیرہ

۸۔ کسی چیز میں عمومی بلوی ہو اور کسی دیگر مسلک کی رائے کو اختیار کر کے مسلمانوں کی طرف حرام کی نسبت سے بچا جا سکتا ہو تو ایسا ضرور کرنا چاہیے۔

۹۔ معاملات کے باب میں کسی نئے مسئلہ کے حل کے سلسلے میں دیگر مسلک فقہی میں کوئی معتبر قول مل جائے تو اسے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۰۔ اصول تیسیر کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے، شریعت نے اپنے تمام احکام میں اصول تیسیر کو ملحوظ رکھا ہے، البتہ نص کے خلاف اصول تیسیر کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

عبادات یا معاملات میں اصول تیسیر کو جگہ دینے کے لیے ضروری ہے کہ ان اصول تیسیر کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے آیا وہ اصول منشا شریعت اور قرآن وحدیث کے مطابق ہیں یا مخالف؟ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان اصولوں کو جگہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ مولانا سعود ممتاز ندوی لکھتے ہیں: ہندوستان میں تیسیر کے پہلو کو اختیار کرنا شرعی تقاضہ ہے، اس تناظر میں اسلاف نے بہت سے مسائل میں راہ نکالی بھی ہے۔ انہوں نے آگے اسلامک فقہ اکیڈمی کے حل شدہ مسائل کو بطورِ مثال پیش کیا ہے۔

نتیجہ بحث:

حضرات! مقالہ نگاروں نے فقہ التیسیر کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں بالخصوص موجودہ حالات میں احکام شرعیہ کی تطبیق اور امت مسلمہ کی رہنمائی دین وشریعت کے خواہ جس شعبہ سے متعلق ہوان میں یسر وتیسیر کے پہلو کو اختیار کرنا چاہیے اور دین وشریعت پر عمل میں تنگی کے بجائے شرعی حدود میں رہتے ہوئے آسانی کی راہ نکالی جائے تا کہ دین وشریعت سے دوری کے بجائے قربت اور دین پر عمل کا جذبہ ومحبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

تجاویز

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

قرآن کریم کی متعدد آیات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ بات صاف طور پر بتائی گئی ہے کہ اللہ نے دین اسلام کو آسان اور سہل بنایا ہے، وہ اپنے بندوں کے لیے یسر وآسانی پسند کرتا ہے، عسر اور تنگی کو پسند نہیں کرتا ہے، اسی لیے اللہ نے دین کے احکام میں تنگی نہیں رکھی ہے اور نہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ دین میں تنگی اور سختی پیدا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے انسانوں کے لیے رحیم وشفیق بنا کر بھیجا اور اسلامی شریعت کے ذریعہ سختی اور تنگی کو ختم کیا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اختیار کے موقع پر آسان کو اختیار فرمایا اور صحابہ کرام کو آسانی اور سہولت اختیار کرنے اور تنگی اور سختی سے دور رہنے کا حکم فرمایا اور امت کے اندر بھی یسر وسہولت کو عام کرنے کی تاکید فرمائی اور اسی روش کو اپنی بعثت کا مقصد اور امت کے لیے مطلوبہ عمل قرار دیا ہے۔

موجودہ وقت میں زندگی کے مختلف میدانوں میں طرح طرح کی دشواریاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں، معیشت و کاروبار سے لے کر معاشرتی معاملات، قومی اور بین الاقوامی تعلقات اور عبادات کے ابواب میں شرعی احکام پر عمل کے وقت یہ دشواریاں سامنے آتی ہیں۔ ایسے مواقع پر ضرورت پیش آتی ہے کہ شریعت کے یسر کا پہلو سامنے آئے، اسلامی احکام پر عمل کرنا آسان وقابل عمل بنے اور لوگوں میں اسلامی احکام پر عمل آوری کی رغبت میں اضافہ ہو۔

اس تناظر میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے فقہی سیمینار میں اس اصولی موضوع پر غور کیا گیا اور درج ذیل تجاویز طے کی گئیں:

۱۔ عموم بلوی اور دیگر عارضی احوال کی بنا پر احکام کی ادائیگی میں پیش آنے والی ایسی مشقت جس سے دینی یا دنیوی مقاصد ومصالح شریعت فوت ہوتے ہوں، خواہ وہ مشقت انفرادی ہو یا اجتماعی، اس میں تخفیف کا نام تیسیر ہے۔

۲۔ شریعت نے جن اسباب کی بنا پر احکام میں تیسیر کی اجازت دی ہے وہ مرض، سفر، اکراہ، جنون، جہل، نسیان اور عموم بلوی وغیرہ ہیں۔

۳۔ تیسیر کے لیے درج ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

الف: تیسیر کسی نص یا اصل شرعی سے متصادم نہ ہو۔

ب: پیش آنے والی مشقت یقینی یا واقعی ہو، موہوم نہ ہو۔

ج: مشقت عادۃ نا قابل برداشت ہو۔

د: تیسیر کسی خواہش نفس یا ناجائز مقصد کے حصول کے لئے نہ ہو۔

ھ: تیسیر پر عمل کے نتیجے میں اس سے بڑی کوئی دینی مصلحت فوت نہ ہوتی ہو۔

۴۔بوقت ضرورت دوسرے مسلک کے قول پر فتوی دینے اور عمل کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس قول کو اس مسلک کی تمام بنیادی شرائط کے ساتھ اختیار کیا جائے۔

۵۔اگر کسی مبتلی بہ کو کسی امر میں ایسی تنگی وحرج اور دشواری پیش آئے جسے وہ برداشت نہیں کرسکتا تو ایسی صورت میں اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ ائمہ اربعہ کے مذاہب میں سے کسی دوسرے امام کے قول کو اختیار کرے جس میں حرج ومشقت نہ ہو، البتہ اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ از خود فیصلہ نہ کرے بلکہ وہ ان ارباب علم وذکر اور اصحاب فتوی سے رجوع کرے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں اور ورع وتقوی کی صفت سے متصف ہوں۔

۶۔اگر کوئی مسئلہ عموم بلوی کی وجہ سے اجتماعی ہوگیا ہو، یا ایسا مسئلہ ہو جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی یا نئے عرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، خاص طور پر لوگوں کے معاملات، مثلا: تجارت، صنعت وحرفت اور تجار، صنعت کار اور اہل پیشہ کی عادات سے متعلق ہو، خصوصاً بین الاقوامی معاملات میں، تو ایسی صورت میں علماء راسخین اور اصحاب تقوی فقہائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل شریعت کے مقاصد اور قواعد کلیہ کی روشنی میں نئے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ تلاش کریں، اور اس کے لئے ائمہ ہدی میں سے کسی ایک کے قول سے دوسرے کے قول کی طرف درج ذیل شرطوں کے ساتھ عدول کرسکتے ہیں:

الف: دوسرا قول شاذ نہ ہو۔

ب: نص سے ٹکراتا نہ ہو۔

ج: دیگر مجامع فقہیہ کی آراء سے ہم آہنگ ہو۔

مقالات

یسر سے متعلق اصول واحکام: دور حاضر کے تقاضوں کے تناظر میں

مولانا ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی

اسلام کی اساس یسر پر قائم ہے۔ کیونکہ یہ دین ایک عالمی ہے، دوسرے تا قیامت ہے، تیسیر اسمیں جو احکام ہیں وہ ساری زندگی میں ہمارے مسائل کے لئے ہیں، اسی لئے فقہاء نے اس دین کی تین صفات بیان کی ہیں:

۱۔ یہ دین مبنی بر یسر وسماحت ہے۔

۲۔ یہ دین عالمی اور ابدی ہے۔

۳۔ اور یہ دین جامع ہے غیر متغیر اصولوں کا اور بدلتے ہوئے وسائل کا۔

اسی اصول کو قرآن میں کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے:

فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا۔

آپ نے اسکی تفسیر فرمایا:

لن یغلب عسر یسرین

ارشاد ربانی ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرہ: ۱۸۵)

اللہ تعالی تمہارے لئے یسر چاہتا ہے اور مشقت، تنگی نہیں چاہتا ہے:

دوسری جگہ فرمایا:

وما جعل علیکم في الدین من حرج (ج ۷۸)

اور تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں رکھی ہے۔

آپ کے بارے میں فرمایا گیا:

ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین أمرین الا اختار أیسرھا ما لم یکن اثما

جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ دو میں سے ایک کو چن لیں تو آپ نے آسان ترین کو چنا

جب تک اسمیں گناہ کی بات نہ ہو۔

پھر آپ نے فرمایا:

إن هذا الدين متين فا رغلوا فيه برفق ولن يشاد الدين أحد الا غلبه۔

یہ دین بہت مضبوط ہے تو اسکو نرمی کے ساتھ برتو۔ کوئی اس دین میں سختی کے ساتھ گھسنے کی کوشش کرے گا تو دین اسپر غالب آئے گا۔

گویا یسر شریعت کا ایک وصف ذاتی ہے، اسکے مقاصد میں ہیں اور اسکے وسائل میں بھی۔ مقاصد میں یسر کو تو شریعت نے خود سے شامل کر دیا ہے مگر وسائل کے سلسلے میں یسر کے لئے پیمانے مقرر کئے گئے ہیں جن کو سامنے رکھ کر وہ بدل سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اسکے دو درجے ہو سکتے ہیں ایک تو عزیت کے ساتھ، جو اعلی ہے دوسرا رخصت کا جسکا بھی شریعت میں مقام ہے:

إن الله يجب ان تو تی عزائمه كما يجب أن تؤتی رخصه۔

اللہ تعالی جیسے یہ پسند فرماتا ہے کہ اسکی تقرر کردہ عزیمت کو اختیار کیا جائے ویسے اسکو پسند کرتا ہے کہ اسکی دی رخصتوں کو برتا جائے۔

اس میں ایک یسر اضطراری ہے جو ضرورت میں حرام کو مباح کرتا ہے یہ یسر چونکہ شریعت کے اندر رہ کر ہی برتا جائے گا اس لیے خواہش نفس پر آسانی کو یسر نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ وہ حیلہ میں شمار کیا جائے گا۔

کئی فقہی قاعدے ہیں جو یسر کیلئے بدلتے احوال میں بدلتے احکام کو بتاتے ہیں جیسے

اذا ضاق الامر اتسع

اگر مسئلے میں تنگی تک بات جائے تو گنجائش سے وسعت دی جائیگی۔

اب اس دین میں موجودہ ومطلوب یسر کو سامنے رکھ کر فقہی احکام میں یسر کو طے کیا جائے تو اسکے بہت سے دائرے بن سکتے ہیں ان میں کچھ یہ ہیں:

ا۔ فقہ حنفی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک اجتماعی اجتہاد کا بہترین نمائندہ ہے، اس لحاظ سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ائمہ فقہ کے کسی بھی قول کو اختیار کیا جا سکتا تھا ایک قول سے دوسرے قول پر جایا جا سکتا تھا۔ لیکن جس مسئلے نے اس یسر کو عملاً نہیں ہونے دیا وہ ''مفتی بہ'' کی شرط ہے کہ چونکہ فتوی اس قول پر ہے اسلئے دوسرے قول پر نہیں جا سکتے ہیں۔ گرچہ اختیار ترجح سے کچھ یسر کا راستہ نکلا ہے مگر یہ قاعدہ مان لیا جائے کہ:

لا يموت القول بموت القائل

قول تو زندہ رہتا ہے اور رہے گا۔

اگراس مسئلے کواسکی وسعت کے ساتھ دیکھا جائے تو ہوسکتا ہے کہ قول مرجوح میں زیادہ یسر ہو۔ یا بدلے حالات میں وہ زیادہ مناسب ہو۔اسپر غور کیا جاسکتا ہے۔

حج اسلام کا ایک رکن ہے ایک عبادت ہے اور عبادتوں کا جامع ہے مگر یہ ایک عملی عبادت ہے۔نظریاتی درس و تدریس میں اسکے احکام بیان کرنا ایک بات ہے اور جب حج کے مناسک میں عملا جن مشکلات سے گزرتے ہیں تو اسمیں یسر کی یہ شکل آج بہت قابل توجہ بن گئی ہے،فقہ حنفی کے دائرے میں رہ کر دومثالوں سے بات واضح ہو سکے گی۔

ا۔جمرات کی رمی کا وقت متعین ہے۔ پہلے مارنا یا بعد میں مارنا ایک دم کا سبب بن سکتا ہے۔اس پر فتوی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کی رائے کہ کوئی ری جمرات وقت پر نہ کرسکا تو تمام دنوں کی آخری دن مارنے سے بھی اسکی رمی درست ہوگی۔آج کے حالات میں یہ قول چاہے اولین پسند نہ ہومگر ایک مشکل میں یسر بن سکتا ہے۔

۲۔دوسرا مسئلہ ہے کہ مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر میں جمع اور قصر مسافر کیلئے ہے،اگر امام مسافر نہ ہوتو اسکے پیچھے نماز ادانہیں کرینگے۔کیا ہم اسکو حج کا عمل مان لیں تو امام مقیم ہوتب بھی اسکے پیچھے نماز ہوجائیگی۔

پہلے سعودی حکومت اس کا اہتمام کرتی تھی کہ امام کو ریاض سے اس نماز کیلئے طلب کرتی تھی،لیکن اب میں نے دیکھا کہ یہ سلسلہ جاری نہیں ہے۔مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ساتھ میں نے حج کیا اور انہوں نے مسجد نمرہ جا کر ہی نمازیں ادا کیں۔مولانا منظور نعمانیؒ کی بھی یہی رائے تھی۔

ایک اور مسئلہ ہے کہ آفاقی کو مکہ میں لازماً احرام کے ساتھ داخل ہونا چاہئے،فقہ حنفی میں اسکی دلیل کوئی نص نہیں ہے صرف حرمت کعبہ کا تقاضہ ہے کہ احرام کے ساتھ داخل ہوں۔فقہ شافعی میں احرام کی شرط عمرہ کے لئے ہے یا حج کیلئے ہے۔اب اگر کسی کا ارادہ عمرہ کا نہ ہوتوں بلا احرام مکہ میں داخل ہوسکتا ہے۔اور اسکی تائید میں حدیث ہے جسکے الفاظ ہیں:

من أراد الحج أو العمرة.. کہ جسکا ارادہ ہوتو وہ احرام باندھ کر آئے،مفہوم مخالف کو لے لیں تو اسکا مطلب ہوا کہ جسکا ارادہ نہیں ہے وہ بغیر احرام کے آسکتا ہے۔

اب اسی زمانے میں بہت عام ہے کہ لوگ کسی اور شہر میں رہتے ہیں مثلاً طائف میں مگر تکرار کے ساتھ بار بار مکہ آتے رہتے ہیں۔تو کیا وہ اس یسر سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ میرے نزدیک یہ یسر بہتر ہے،اس حیلے سے کہ جانا تو مکہ ہے مگر عرفات کی نیت کر کے وہاں گئے اور وہاں سے مکہ آگئے کہ اب میقات کے اندر ہیں۔

ایک مسئلہ جو بین المذاہب اقوال کے لینے میں مانع ہے،وہ ہے تلفیق کا،یہ بات بالکل صحیح ہے مگر ہر بات تلفیق کے دائرے میں نہیں آتی ہے میری رائے میں دو باتیں تلفیق میں ضرور آتی ہیں۔ایک تو قول راجح ومرجوح کی جگہ قول شاذ کو اختیار کرنا تلفیق ہی شمار کیا جاسکتا ہے۔

دوسری تلفیق ایک قاعدہ پر مبنی احکام ہیں جو سب کے سب اسی قاعدہ پر مبنی ہیں تو اب یا تو وہ قاعدہ اور اسکے تحت تمام مسائل کو ایک ساتھ لیا جائے یا پھر ان مسائل میں کچھ کو لینا اور کچھ کو نہ لینا تلفیق میں آسکتا ہے۔مثلاً عام فقہ حنفی میں قطعی ہے۔قرآن کا نص حدیث کے نص پر مقدم ہے تو اسکے تحت جو مسائل نکالے جائیں گے ان سب کو ماننا ہوگا۔اسی میں قیاس کے مقابلے میں استحسان پر عمل ہے۔جسکی فقہ حنفی میں گنجائش ہے،آج کے دور میں اسکی مثال ایک مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا ہے کہ یہ اس لئے درست نہیں کہ اس سے پہلی جماعت کی اہمیت کم ہوگی۔پھر کہا گیا کہ یہ حکم محلے کی مسجد کیلیئے ہے،مگر بازار کی مسجد یا گزرگاہ کی مسجد میں دوسری جماعت ہوسکتی ہے کہ یہاں استحساناً اجازت ہے۔

اب دیکھا جائے تو اب تمام مساجد ہی گزرگاہ کی مسجد میں ہوگئی ہیں اور جو صورت حال بن گئی ہے،اس میں یسر میں دو یا کئی وسعتوں کو مان لینا آجائے گا۔

کینیڈا میں یہ صورت حال ہے کہ مساجد کم ہیں۔نمازیوں کی تعداد جمعے کے لئے زیادہ ہوتی ہے پھر پارکنگ کا مسئلہ ہوتا ہے۔اسلئے ایک ہی مسجد میں کئی جمعے ہوتے ہیں کئی بار عید کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ہندوستان میں جو پہلے سہولت تھی کہ کسی بھی کھلی جگہ میں جمعہ پڑھ سکتے تھے اب جس طرح سے اسے فرقہ واریت کا مسئلہ بنا کر روکا گیا ہے یہ یسر ہوسکتا ہے کہ مساجد میں کئی بار جمعہ ادا کرنے کی سہولت ہو۔

ہماری فقہ کا جو سنہری دور تھا اس میں مسئلہ تھا کہ اختلاف رائے تھی مگر وہ اختلاف تھا جائز اور افضل کے درمیان۔ اسوقت مسئلہ جواز اور ترک میں آگیا ہے کہ یا تو اس صورت میں جمعہ ادا کرلیں یا پھر ادا ہی نہ کرسکیں تو اس میں اگر یسر کو دیکھا جائے تو مرجوح رائے کے ساتھ اسکو ادا کرنا بہتر ہوگا۔

"وعَلَی الذین یطیقونہ فدیۃ" والی آیت کے بارے ہیں جمہور کی رائے ہے کہ یہ حکم اب منسوخ ہے۔جبکہ عبداللہ بن عباس اسے خاص مانتے ہیں کمزوروں اور زیادہ عمر والوں کے لئے۔اب کینیڈا میں سردی اور گرمی ان میں پانچ گھنٹے کا فرق ہوتا ہے گرمی میں ۲۰ گھنٹے کا روزہ ہوتا ہے۔تو کیا یہ یسر میں آسکتا ہے کہ جو حضرات اتنی لمبی مدت روزے کو نہ مکمل کرسکیں انکو فدیہ کی اجازت دی جائے،کینیڈا میں سردیوں میں دن مختصر ہوتا ہے اور نمازوں کے اوقات چونکہ سورج سے جڑے ہیں تو ظہر سے عشاء تک کا بہت جلد وقت ہوجاتا ہے۔

اس وجہ سے ایک یسر کی شکل ہے کہ وہ لوگ جو مثلاً سرجن ہیں یا کسی لمبے سفر پر ہیں یا گھر سے باہر نکلے ہیں موسم خراب ہے اور نمازوں کے اوقات گزر رہے ہیں باہر نکل کر نماز ادا کرسکتے ہیں یا کبھی نہیں۔تو کیا گھر سے جمع بین الصلاتین کرسکتے ہیں۔اور عبداللہ بن عباس کی جمع والی حدیث میں جو یسر ہے اسکو استعمال کرکے نماز کی قضاء سے بچ سکتے ہیں۔

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی

شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ

تیسیر کا معنی:

''تیسیر'' کا لفظ ''یُسر'' سے نکلا ہے، اس کے لغوی معنی سہولت اور آسانی کے آتے ہیں۔ یہ ''عسر'' کی ضد ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ (الم نشرح:٦)

ترجمہ: ''یقینا مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔''

یہ لفظ تیاری کرنے اور تیار کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى﴾ (اللیل:۷)

ترجمہ: ''ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرا دیں گے۔''

اس لفظ کے ہم معنی دو الفاظ اور بھی استعمال ہوتے ہیں:

(۱) تخفیف:

یہ خفۃ سے ہے، اس کے معنی ہلکا کرنے اور آسانی پیدا کرنے کے آتے ہیں، یہ ثقل بمعنی بھاری اور بوجھل کی ضد ہے۔ اس کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

رَفْعُ مَشَقَّةِ الْحُكْمِ الشَّرْعِي بِنَسْخٍ، أَوْ تَسْهِيلٍ، أَوْ إِزَالَةِ بَعْضِهِ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ. (الموسوعة الفقهية: الكويتية ۱۴/۲۱۱)

ترجمہ: ''کسی بھی حکم شرعی کو منسوخ کر کے، یا اس میں کوئی آسانی پیدا کر کے یا اس کے بعض حصے کا ازالہ کر کے یا کسی اور ذریعے سے اس کی مشقت کو دور کرنا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تخفیف کا لفظ تیسیر سے خاص ہے۔ تخفیف صرف وہاں استعمال ہوتا ہے، جہاں کسی مشقت والے حکم میں آسانی پیدا کی جائے اور تیسیر کا لفظ وہاں بھی استعمال ہوتا ہے جہاں اصلا حکم میں آسانی ہو۔

(۲) ترخیص:

اس لفظ کے لغوی معنی سستا ہونے اور ارزاں ہونے کے آتے ہیں، یہ سہولت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا

ہے۔اصطلاح میں یہ لفظ دو معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے:

الف۔ کسی مشکل اور مشقت والے کام کو عذر کی وجہ سے آسان کر دینا۔

ب۔ عذر کی وجہ سے کسی چیز کو جائز قرار دینا، حالانکہ اس کی حرمت کا سبب بھی موجود ہو، جیسے بیع سلم اوراستصناع کی اجازت دے دینا۔اس میں معدوم کی بیع ہوتی ہے، جو کہ اصول کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔

(فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ: قاعدہ نمبر:۱۶،ص:۳۰۵، ۳۰۶،ط: جامعہ اشاعت العلوم اکل کواں)

عبدالرقیب صالح الشامی تیسیر کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

بناء الأحكام الشرعية وفق القدرة البشرية العادية، ومراعاة الأحوال الطارئة والاستثنائية بأحكام خاصة مخففة. وهذا التعريف يشمل جميع انواع التيسير فی الشريعة الاسلامية، سواء أكان عاما أم خاصا۔(فقه التيسير فی الشريعة الاسلامية: المبحث الأول، المطلب الاول، ص:۱۵،ط:وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامية، الكويت)

تیسیر کے متقارب الفاظ تخفیف، ترخیص، وسعت، رفع حرج، توسط واعتدال ہے۔(الموسوعة الفقهية: مادہ تیسیر،ص:۲۱۱،ج:۱۴)

تیسیر کی حکمت:

شریعت وقوانین اسلامی میں تیسیر کی حکمت درج ذیل خصوصیات سے ظاہر ہوتی ہے۔

(۱) تدیّن اور مذہبیت کے تقاضوں کو پورا کرنا:

چونکہ اسلام کا مفہوم ہی احکام وقانون الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے تا کہ اسی کی بندگی ہو، اس کا حصول اس طرح ہو کہ اس کے قانون کے مقاصد کی تکمیل کو یقینی بنایا جائے؛ تا کہ بندوں کو فائدہ پہنچایا جائے، اور بندوں سے برائیاں دور کی جاسکے، اس کی تعمیل و بجا آوری کو آسان کرنا اور تدین ودینداری کے تقاضوں کو عملی جامہ پہنانا تیسیر کے اصولوں ہی سے ممکن ہے۔

(۲) ان اعمال کی بجا آوری میں دوام واستمرار پیدا کرنا:

روح کے لئے جتنا کام آسان ہوا تنا ہی اس میں دوام واستقرار ہوگا اور اگر عمل روح پر مشکل ہونے لگے تو اس کا اثر بے صبری اور عمل سے دوری وانقطاع کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اس حکمت کے حصول کے لئے تیسیر کے اصولوں پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۳) غیر مسلموں کو قبول اسلام کی اور غیر دیندار کو دیندار بننے کی ترغیب:

اگر غیر مسلم اسلام کی رواداری اور یسر وتیسیر کو دیکھتا ہے تو وہ اپنے پیش آمدہ حالات میں مسلمان کے حالات پر

غور کرے گا، اور مسلمان کے تمام احوال وکوائف میں کیسی آسانیاں ہیں؟ اس کو سوچے گا، تو وہ بھی اپنے مشقت وحرج والے اعمال وحالات میں غور کرے گا، نتیجۃً یہ مسلمانوں کے حق میں رحمت کے مظاہر اور آسانیاں دیکھ کر مشقت وحرج سے بھاگنے کے لئے اسلام کی رغبت وحرص کرے گا۔

آج کے دور میں مخالفین اسلام نے تخفیف اور آسانی کے پہلوؤں کو چھپا کر اسلامی سزاؤں اور بعض احکام میں سختی کی آڑ لے کر اسلامی قانون شریعت سے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش کی اور وہ اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے، شریعت کی یسر وتیسیر اور رخصتیں ان غلط فہمیوں اور تنفر کو دور کرنے میں کسی حد تک اہم رول ادا کریں گے۔

(۴) اپنے بندوں پر رحمت الٰہی کی خصوصیات کو نمایاں کرنا:

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں پر مالا یطاق اور غیر متحمل بوجھ نہیں ڈالا، اس نے قانون سازی کے بارے میں اپنی اس مرضی کو بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ تم پر غیر معتاد مشقت ڈالنا نہیں چاہتا ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ (آیت :۱۸۵) میں اور سورہ مائدہ (آیت:٦) میں ذکر کیا ہے۔

(۵) تیسیر کا شریعت اور پیش آمدہ واقعہ میں وصل وربط کا عمل:

چنانچہ مختلف مواقع وظروف میں انسانی مصالح کی رعایت کے ساتھ ساتھ شریعت کی روح کو باقی رکھتے ہوئے، شارع کے مقصود کے موافق عمل کو انجام دینا تیسیر کے قواعد وضوابط پر عمل درآمد سے ممکن ہوتا ہے۔

(٦) تیسیر میں اسلامی قوانین کی دوامیت، لچک اور لا فانی ہونے کی تصدیق:

تیسیر سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس شریعت میں ہر زمان ومکان میں عمل کی صلاحیت ہے، جو انسان کی اضطراری واختیاری تمام قسم کے حالات میں رعایت کرتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہر حال میں اس کے مصالح ومفادات کی ضامن ہے۔ **(فقه التيسير في الشريعة الاسلامية : المبحث الاول، المطلب الثانى، الحكمة من التيسير في التشريع الاسلامي، ص:۱۷، ۱۸، ط: وزارة الاوقاف والشئون الاسلاميه، الكويت)**

جواب (۲) تیسیر کی بنیادیں:

(۱) انسانی صلاحیت کو مدنظر رکھنا:

انسان کی ایک محدود صلاحیت ہے، جسے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: انسان کی علمی قدرت وصلاحیت اور دوسری قسم اس کی عملی صلاحیت وقدرت، پہلی قدرت وصلاحیت کے لئے حصول علم کے ذرائع ضروریات کے مطابق ہر ایک کو دستیاب ہے، اور دوسری قسم ہے عملی قدرت وصلاحیت، جو علم وعقل کی روشنی میں اعضاء کی طرف سے تعمیل حکم

کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) حقیقت پسندی:

اس انسان کو زندگی میں جو کچھ سپرد کیا گیا ہے اور مکلف بنایا گیا ہے، تو اس کے کرگزرنے کی صلاحیت بھی دی ہے، اور احکام بھی انسان کے عام حالات کے مطابق بنائے، لیکن بعض اموراس کے حق میں سخت بن جاتے ہیں تو وہاں اس کے لئے انسانی ضعف کو مدنظر رکھتے ہوئے آسانی دی۔

(۳) عام انسانی کمزوریوں کی رعایت:

اس کے بارے میں﴿یرید الله ان یخفف عنکم و خلق الانسان ضعیفا﴾ (سورۂ نساء:۲۸) میں بھی ذکر کیا ہے۔ (فقه التیسیر فی الشریعة الاسلامیة:المطلب الرابع الاسس التی یقوم علیها التیسیر، ص:۲۳، ۲۲، ط:وزارةالاوقاف والشئوون، الکویت)

تیسیر کے اسباب:

جہاں تک نفس مشقت کا تعلق ہے انسان کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس سے خالی نہیں ہے، حتی کہ کھانا پینا وغیرہ زندگی کے معمولات میں بھی مشقت ہے، اسی بناء پر فقہاء کہتے ہیں:

فاحوال الانسان کلها کلفة في هذه الدار في أکله و شربه وسائر تصرفاته، ولکن جعل له قدرة علیها بحیث تکون تلک التصرفات تحت قهره أن یکون هو قهر التصرفات. (الموافقات: ص:۱۲۳، ج:۲)

ایسی حالت میں شرعی احکام وقوانین کی پابندی میں بالکلیہ مشقت کی نفی کیوں کہ ممکن ہے اور ہر معمولی تکلیف میں تخفیف وسہولت کا مطالبہ کیسے جائز ہوگا۔

تکلیف ومشقت کی جتنی مقدار دنیوی جدوجہد کے سلسلہ میں انسان کو برداشت کرنی پڑتی ہے، زندگی کے قیام وبقا کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، بلکہ ایک مخصوص مقدار صحت وتوانائی برقرار رکھنے کے لئے بھی ضروری ہے۔

چنانچہ جن لوگوں کا کام جسمانی مشقت کا نہیں ہے، وہ بھی اپنی صحت کی بقا کے لئے تھوڑی سی مشقت برداشت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، ورنہ صحت برباد ہوجائے، اس طرح مشقت کا ایک معتد بہ حصہ زندگی کا ایسا لازمی جز ہے کہ اس سے کسی صورت میں بھی مفر نہیں ہے، اور ایک حصہ ایسا ہے کہ زندگی کی جدوجہد اور کاروبار میں اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، ان دونوں قسموں کو مشقت کے بجائے ''محنت'' کہنا زیادہ مناسب ہے، اور فقہاء کی اصطلاح میں اس کو عادت والی مشقت کہا جاتا ہے، شریعت میں بڑی حد تک ان دونوں میں رخصت اور سہولت نہیں ہے، لیکن جو مشقت ایسی نہیں ہے کہ اس کو عادت میں داخل کیا جاسکے، یا اس کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ قیام وبقا میں مفید ہونے کے بجائے

مضر ثابت ہوتی ہو، اس میں البتہ تخفیف وسہولت کی راہیں نکالی جائیں، فقہاء اس کو غیر عادت والی یا خارج از عادت مشقت سے تعبیر کرتے ہیں، فقہ کی کتابوں میں اس کی یہ پہچان بیان کی گئی ہے:

ان كان العمل يؤدى الدوام عليه الى الانقطاع عنه أو عن بعضه والى وقوع خلل في صاحبه في نفسه أو ماله او حال من أحواله فالمشقة هنا خارجة عن المعتاد، و ان لم يكن فيها شئي من ذلك في الغالب فلا يعده في العادة مشقة۔ (الموافقات: ص: ۱۲۳، ج: ۲)

یعنی جو شرعی احکام اشخاص کے لحاظ سے ایسے ہوں گے جن پر ہمیشہ عمل کرنے سے جانی ومالی نقصان ہو یا انسان کی حالت دن بدن غیر ہوتی جاتی ہو، تو اس قسم کی مشقت تخفیف وسہولت کی طالب ہے، اور جو احکام ایسے نہ ہوں گے وہ نہ مشقت کے ذیل میں آئیں گے اور نہ ان میں تخفیف وسہولت کی گنجائش ہے۔

مشقت کی قسمیں:

فقہاء نے اصولی حیثیت سے مشقت کی دو قسمیں بیان کی ہیں: (۱) واقعی مشقت (۲) وہمی مشقت۔

(۱) واقعی مشقت: شارع نے رخصت وسہولت کے اسباب بیان کئے ہیں انہیں سامنے رکھ کر تخفیف کی صورت نکالی جائے، وہ اسباب یہ ہیں:

(۱) سفر (۲) مرض (۳) اکراہ (جبر وزبردستی) (۴) نسیان (۵) جہل (لاعلمی) (۶) عسر (مشکل اور دشواری میں پڑ جانا) (۷) عموم البلویٰ (عام طور پر لوگوں کا مبتلا ہونا) (۸) نقص (قدرتی طور پر کمی) (۹) جنون (۱۰) بیہوشی (۱۱) نیند (۱۲) کمسنی وغیرہ۔ (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر: باب فقہی اصول وکلیات، ص: ۳۲۶-۳۲۹، ط: نیٹیتھ سنیچری اسلام اسٹڈی سرکل، لاہور)

تیسیر کا دائرہ:

کچھ اور مقاصدی قواعد رفع حرج سے متعلق ہیں، ان قواعد میں رفع حرج سے متعلق مسائل اور تفریعات کے سلسلے میں رہنمائی ہوتی ہے، اسی طرح اس مشقت کی بھی ان قواعد میں تحدید کی جاتی ہے جو تسہیل، تخفیف، اور تیسیر کا باعث بنتی ہے، ہم کو یہ تمام امور مندرجہ ذیل قواعد میں واضح طور پر ملتے ہیں:

(۱) ’’شارع پُر از مشقت کام کا مکلف بنا کر انسان کو حرج میں ڈالنے کا ارادہ نہیں کرتا‘‘۔ (الموافقات: ۲ / ۱۲۳)

(۲) ’’شریعت تشریع کے سلسلے میں معتدل راہ عمل پر کاربند رہتی ہے، وہ بندوں کو انہیں اعمال کا پابند بناتی ہے جس میں نہ مشقت پائی جائے، اور نہ وہ حد سے زائد آسان اور سستی کا باعث ہو‘‘۔ (ایضا: ۲ / ۱۶۳)

(۳) ’’اس بابت کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بعض تشریعات میں کلفت ومشقت پائی جاتی ہیں، لیکن شارع کو یہ

مشقت مقصود نہیں ہوتی ، بلکہ ایسی تشریعات سے بندوں کو حاصل ہونے والے مصالح اسے مقصود ہوتے ہیں۔ (ایضا:۲/ ۱۲۳)

(۴) ''اگر کسی حکم شرعی کی بابت بظاہر ایسا محسوس ہو کہ اس میں کسی ایسے عمل کا مکلف بنایا گیا ہے جس پر انسان کو استطاعت حاصل نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کا تعلق درحقیقت اس کے سابقہ، لاحقہ یا قرینہ سے ہے''۔ (عزبن عبدالسلام: قواعد الاحکام:۱/ ۱۱۲)

(۵) ''شریعت اپنی تکلیفات میں افراط وتفریط سے محفوظ اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے ایسا حکم صادر کرتی ہے جو اس کے لئے مشقت کا باعث ہو نہ کہ سستی کا''۔(الموافقات:۲/ ۱۶۳)

(۶) ''اگر کسی اصول کو عام ماننے کی صورت میں حرج یا غیر معقول ومشروع حکم لازم آتا ہو تو وہ عام اور مطلق نہ ہوگا''۔(ایضا:۱/ ۱۰۲)

(۷) ''اعمال میں مداومت بھی شارع کو مقصود ہے''۔(الموافقات:۲/ ۲۴۲)

یہ قواعد اور ان جیسے دیگر قواعد یہ واضح کرتے ہیں کہ شارع بندوں کو ایسے اعمال کا مکلف نہیں بناتا جن پر وہ قدرت نہ رکھتے ہوں یا اگر قدرت رکھتے ہوں تو مشقت شدیدہ کا سامنا ان کو کرنا پڑے۔

پھر امام شاطبیؒ نے بعض قواعد کے ذریعہ تیسیر کا سبب بننے والی مشقت کی تحدید کردی ہے۔ مثلا: ''اگر مشقت ایسی ہو کہ عادۃً اس کا تحمل نہ کیا جاسکے یعنی اس کو اختیار کرنے کی صورت میں دنیوی یا اخروی فساد کا سامنا مکلف کو کرنا پڑے تو ایسی مشقت کو دور کرنا شارع کا مقصود ہے''۔(شاطبی: الموافقات:۳/ ۱۵۶)

امام شاطبیؒ نے اس قاعدہ کے ذریعہ شریعت کی نگاہ میں معتبر مشقت کی وضاحت کردی ہے۔ یہ وہ مشقت ہے جس کا تحمل عادۃً نہ ہوتا ہو اور اس کی طلب لوگوں کو تشویش اور قلق میں ڈالے۔

معتبر مشقت کے ضابطے:

(۱) ''اگر کوئی مشقت مکلف کے لئے ایسی غیر معتاد یعنی اس کی عادت اور اس کے معمول سے اس طور پر باہر ہو کہ اس کے لئے کسی دینی یا دنیوی فساد کا باعث ہو تو اس کو مکمل طور پر دور کرنا شارع کو مقصود ہے''۔(الموافقات: ۲/ ۱۵۶)

(۲) ''مشقتوں والے تمام اعمال جن میں شارع نے مکلف کے لئے کوئی رخصت مشروع کی ہے؛ ان اعمال کی رخصتوں سے شارع کو مقصود یہ ہے کہ اگر چاہے تو ان پر عمل کرلے۔(الموافقات:۱/ ۳۴۷)

یعنی وہ مشقتیں جن کا تحمل کیا جاسکتا ہو، اور ان کا سامنا انسانوں کو اپنی زندگی میں بار بار کرنا پڑتا ہو؛ شریعت کی نگاہ میں تیسیر کا سبب بننے والی مشقتیں نہیں ہیں۔

اس بات کو مزید تاکید کے ساتھ بیان کرتے ہوئے امام شاطبیؒ نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے: ''وہ مشقت جو محض انسان کی خواہشات کے خلاف ہو معتبر مشقت نہیں ہے، اور اس کے پائے جانے کی صورت میں یقینا کوئی رخصت نہیں پائی جائے گی''۔ (شاطبی، الموافقات: ۱ / ۲۳۷، ۲ / ۱۵۳)

انسانی خواہشات کی مخالفت کو معتبر مشقت نہ ماننے کا سبب یہ ہے کہ تشریعات انسان کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہی ہوتی ہیں، لہذا ان خواہشات کو ہی تخفیف وتیسیر کا سبب مان لینے کی صورت میں غالبًا تمام تکلیفات شرعیہ ساقط ہو جائیں گی۔

اس کا کوئی دائرہ اور حد بیان کرنا مشکل ہے، جہاں کہیں حرج ومشقت پایا جائے گا، وہاں رحمت الٰہی کے بموجب یسر وسہولت اور رخصتیں پیدا ہوگی، اور اس کی تعیین اصول وضوابط اور دلائل وقواعد کی روشنی میں کی جائے گی، مختصر یہ کہ یسر وسہولت اور رخصتیں ہر باب میں پائی جائے گی، تاہم بعض علماء نے اس کی حد بیان کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ علامہ علائی نے سات انواع بیان کی ہے، چنانچہ انہوں نے عبادات، معاملات، مناکحات، کفارات، رقیت وحریت، قصاص اور مجتہدین کے اجتہادات کے باب میں تیسیر کا ذکر کیا ہے، انہوں نے ادلہ وقواعد کے باب میں بھی تیسیر کا ذکر ہے۔

یعقوب بن عبدالوہاب باحسین لکھتے ہیں:

التیسیر الواقع فی الشریعة لیس له حد معین ولا باب خاص، اذا اقتضیت رحمة اللہ تعالی ان لا یجعل علینا فی الدین من حرج، فحیث کان الحرج والمشقة وجد منفذ للخروج منه، ولم یقتصر ذك علی الأحکام، وانما شمل الطریق الموصّل الیها من ادلة وقواعد. وفیما یاتی بیان موجز عن ذلک.
أما الاحکام فإن التیسیرات والرخص شاملة لکل ابوابها وانواعها، لکن العلائی حاول حصرها فجعلها فی سبعة انواع.... (قاعدة المشقة تجلب التیسیر: الباب الأول فی المشاق الجالبة للتیسیر، الفصل الثالث، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، ط: مکتبة الرشد، الریاض)

جواب (۳)

اللہ رب العزت نے متعدد مقامات پر انسانی کمزوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے یسر وتخفیف، رحمت ونرمی کا ذکر، اور حرج کو دور کرنے کا بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ سوال کی تمہید میں مذکور آیات میں اس کا ذکر ہے، اس میں عبادات میں بھی یسر وآسانی کا ذکر کیا ہے، اس لئے جہاں حقیقی تنگی ہو، اور ضرورت یا اضطرار کی کیفیت ہو، تو وہاں آدمی کو رخصتوں پر عمل کرنا چاہئے، سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۵ میں یسر کا حکم صرف روزوں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اس میں عموم ہے، جیسا کہ مفسرین نے اسے واضح کیا ہے۔

علامہ رشید رضا مصری رقمطراز ہیں:

هذا تعليل لما قبله، أي يريد فيما شرعه من هذه الرخصة فى الصيام، وسائر ما يشرعه لكم من الاحكام أن يكون دينكم يسرا تاما لا عسر فيه....والآية يشعر بأن الافضل أن يصوم اذا لم يلحقه مشقةأو عسر لا نتفاء علةالرخصة...وذلك بأن الله لا يريد اعنات الناس بأحكامه، وانما يريد اليسر بهم وخيرهم ومنفعتهم، وهذا اصل فى الدين يرجع اليه غيره، ومنه اخذوا قاعدة المشقة تجلب التيسير. (تفسير المنار: البقرة، رقم الآية: ١٨٥، ص: ١٦٤، ج: ٢، ط: دار المعرفه)

سوالنامہ کے شروع میں آیات پیش کی گئی ہے، اور دیگر آیات رخص وتیسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے انفرادی واجتماعی مسائل میں آسانی فراہم کرنے کے لئے اسلام نے قرآن میں تین بنیادی اصول متعارف کرائے ہیں: عدم حرج، قلت تکلیف اور تدریج۔ عدم حرج سے مراد تنگی اور تکلیف کو دور کرنا ہے، یعنی اسلام نے امت مسلمہ کو وضع قانون میں فقہی مسائل کے اخذ واستنباط کے لئے اس طرح رہنمائی فرمائی:

ما يريد الله ليجعل عليكم فى الدين من حرج (مائده: ٢)

اسلام نے رفع حرج کی شرائط بھی بیان فرمائی اور اصول بھی، تاکہ کسی قسم کی تشنگی نہ رہے۔

قلت تکلیف سے مراد ایسا فعل ہے جو کسی شخص کی استطاعت سے زیادہ ہو، اور اس فعل کو بجالانا کافی مشکل ہو۔

اور تدریج سے مراد یہ ہے کہ اسلام میں یک بارگی کے بجائے آہستہ آہستہ اور تدریج کے ساتھ احکام کو رائج اور نافذ کیا گیا ہے، جیسے حرمت شراب کے بارے میں حکم تدریجی طور پر آیا۔

اس اصول کو حضرت عائشہؓ نے بلیغ انداز میں ذکر فرمایا:

انما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل، فيها ذكر الجنة والنار، حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام نزل الحلال والحرام، ولو نزل اول شيئ: لا تشربوا الخمر، لقالوا: لا ندع الخمر ابدا، ولو نزل لا تزنوا، لقالوا: لا ندع الزنا ابدا. (صحيح البخاري: كتاب فضائل القرآن، باب تاليف القرآن، رقم: ٤٩٩٣، ص: ٦٢٣، ط: دار ابن حزم، القاهره)

سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مواقع پر آپ نے امت کے حق میں یسر و آسانی کا انتخاب فرمایا، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"ما خير رسول الله ﷺ بين امرين الا اختار ايسرهما ما لم يكن اثما". (البخاري: كتاب الحدود، باب اقامة الحدود، رقم الحديث: ٦٧٨٦، ص: ٨٠٩، ط: دار ابن حزم، القاهره)

ایک اور روایت حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کی، اور امام بخاری نے اس پر ترجمہ قائم کیا ہے: **الدين يسر،**

روایت کے الفاظ یہ ہے:

ان الدین یسر، ولن یشاد الدین احد الا غلبه .(البخاری: کتاب الایمان ،باب الدین یسر، رقم الحدیث: ۳۹،ص: ۱۴،ط:دار ابن حزم،القاہرہ)

دوسری روایت کی ایک بڑی تعداد اس نوع کی بھی ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت پر مشقت وحرج کے خوف سے عمل میں دوام اختیار نہ کیا ہو، یا عمل کبھی ترک کیا ہو، تا کہ امت حرج ومشقت میں نہ پڑے، جیسے صحابہ کی حرص ورغبت کے باوجود آپ نے تراویح کی نماز پابندی سے نہ پڑھائی، اور صحابہ کی حرص پر جواب بھی دیا:

قد رأیت الذی صنعتم ، ولم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم. (البخاری: کتاب التہجد، باب تحریض النبی علی صلوۃ اللیل، رقم الحدیث: ۱۱۲۹، ص:۱۳۸، ط:دار ابن حزم،القاہرہ)

اسی طرح مسواک کے بارے میں فرمایا:

"لولا ان اشق علی امتی لأمرتہم بالسواک مع کل صلوۃ". (البخاری:کتاب الجمعۃ،رقم الحدیث: ۸۸۷،ص:۱۰۸،ط:دار ابن حزم،القاہرہ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

قوله صلی الله علیه وسلم: "لولا أن أشق علی أمتی لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة" أقول: معناه: لولا خوف الحرج لجعلتُ السواك شرطاً للصلاة، كالوضوء؛ وقد ورد بهذا الأسلوب أحاديث كثيرة جدا، وهي دلائل واضحة على أن لاجتهاد النبي صلى الله عليه وسلم مَدْخَلاً في الحدود الشرعية، وأنها مَنُوطَةٌ بالمقاصد، وأن رفع الحرج من الأصول التي بنى عليها الشرائع."

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: "اگر میری امت پر دشواری نہ ہوتی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا" میں کہتا ہوں: اس کا مطلب: اگر تنگی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں مسواک کو نماز کے لئے، وضوء کی طرح، شرط قرار دیتا، اور تحقیق آئی ہیں اس انداز پر بہت ہی زیادہ حدیثیں، اور وہ واضح دلیلیں ہیں اس بات کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کے لئے کچھ دخل ہے احکامات شرعیہ میں، اور اس بات کی کہ احکامات شرعیہ معلق ہیں مقاصد (مصالح) کے ساتھ۔ اور اس بات کی کہ تنگی کو دور کرنا اُن اصولوں میں سے ہے جن پر احکام کا مدار رکھا گیا ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ: کتاب الطہارۃ،ص:۲۲۹، ج:۳،ط: مکتبۂ حجاز، دیوبند)

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تیسیر یعنی دین میں آسانی کرنا اور تنگی کو رفع کرنا ایک اصول شرعیہ ہے جس

کا احکام شرعی میں لحاظ رکھا گیا ہے۔

تیسری قسم کی وہ روایات ہیں جن میں صحابہ کو یسر و نرمی کا حکم دیا ہے، اور سختی سے منع فرمایا، جیسے اسی سوال نامہ میں ۲، ۳، اور ۴ نمبر میں ذکر کی ہے۔

بعض صحابۂ کرامؓ عزائم پر عمل کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عمل کردہ بعض رخصتوں اور آسانیوں پر عمل نہیں کرتے تھے، وہ یہ خیال کرتے تھے کہ تقوی وخشیت کا تقاضا یہی ہے کہ عزائم پر عمل ہو، اور رخصتیں اور آسانیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں، اور آپ تو مغفور ہیں، اس لئے ہمیں عزائم پر عمل کرنا چاہئے، چنانچہ بعض رخصتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے باوجود بعض صحابہ عزائم پر کاربند رہے، اس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ما بال اقوام يتنزہون عن الشيئ أصنعه، فواللہ انی لأعلمهم باللہ واشدہم له خشية۔ (البخاری: كتاب الاعتصام، باب ما يكره من التعمق۔۔۔، رقم: ۷۳۰۱، ص: ۸۶۹، ط: دار ابن حزم، القاہرہ)

صحابہ کا گمان یہی تھا کہ سخت حکم پر عمل ہی تقوی ہے، جو قرب الٰہی کا باعث ہے، اور رخصتیں حضور کے ساتھ خاص ہیں، تو آپ نے ان کے سامنے واضح فرمایا کہ صحیح طریقہ اتباع رسول ہے۔

اسی طرح کچھ صحابہ نے ازواج مطہرات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت فرمایا تھا، پھر کسی نے یہ کہا کہ میں پوری رات عبادت کروں گا، دوسرے صحابی نے عرض کیا کہ میں پوری زندگی روزہ رکھوں گا، اور تیسرے صحابی نے پوری زندگی تجرد کے ساتھ گذارنے کا عہد کرلیا، تو آپ نے علم ہونے پر تنبیہ فرمائی، اور سنت نبوی کے مطابق آسانی پر عمل کی ترغیب دی۔ (البخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم: ۵۰۶۳، ص: ۶۳۰، ط: دار ابن حزم، القاہرہ)

چنانچہ صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم، توجیہ وارشاد کے مطابق زندگی گذاری اور رخصتوں پر بھی عمل کیا، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ایک گروہ کے ساتھ نکلے ہوئے تھے، ان میں حضرت عمرو بن العاصؓ بھی تھے، راستہ میں کسی جگہ پانی کے حوض پر پہنچے، تو حضرت عمروؓ نے اس حوض والے سے استفسار کیا، اسی قصہ کو یحیٰی بن سعیدؒ نے ذکر فرمایا:

ان عمر رضی اللہ عنہ خرج فی ركب فيهم عمرو بن العاص، حتى وردوا حوضا، فقال عمرو بن العاص: يا صاحب الحوض، هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمر بن الخطاب: يا صاحب الحوض لا تخبرنا، فانا نرد على السباع وترد علينا. (المؤطا: كتاب الطهارة، باب الوضوء مما يشرب...، رقم: ۴۵، ص: ۲۶۵، ج: ۱، ط: مركز الشيخ ابی الحسن اعظم جراه)

اسی نوعیت کا ایک قصہ حضرت عمرؓ کا بیان کیا ہے:

فقدمر مع صاحب له، فسقط عليه شيئ من ميزاب، فقال صاحبه: يا صاحب الميزاب! ماؤك طاہر ام نجس؟ فقال عمر: يا صاحب الميزاب لا تخبرنا ومضى. (اغاثة اللهفان: ص: ۲۴۴، ج: ۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کا ایک اہم مقصد یسر وآسانی ہے، انہی آیات واحادیث اور صحابہ کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء کرام نے "المشقة تجلب التيسير، الحرج مدفوع، واذا ضاق الأمر اتسع" جیسے قواعد مستنبط فرمائے۔

جواب (۴) تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد

جب شریعت کا ہدف مکلفین سے حرج ومشقت دور کرنا اور یسر وسہولت فراہم کرنا ہے، تو یہ یسر وسہولت مطلق نہیں ہے، بلکہ اس کے اصول وضوابط ہوں گے، چنانچہ اصولیین نے اس کی بھی وضاحت فرمائی، یہ اصول وضوابط درج ذیل ہیں:

(۱) یہ تیسیر قرآن وسنت سے ثابت شدہ ہو، کیوں کہ یہ بھی دیگر احکام کی طرح ایک حکم ہے، لہذا اس کا ثبوت بھی مذکور دووحی میں سے کسی ایک سے ہونا ضروری ہے۔

عبدالرقیب صالح محسن شامی تحریر فرماتے ہیں:

وكل تيسير يخالف النصوص الشرعية الصريحة أو يناقض أصل التكليف فهو مرفوض، لأن الأصل أن يكون المراد من قراءة النصوص الشرعية وتنزيلها على الوقائع هو التعرف على المواد الالهى ليتم امتثاله كما يريد الشارع، وليس ذلك الا بالرجوع الى القرآن والسنة وعدم مخالفتها. (فقه التيسير في الشريعة الاسلاميه: المطلب الخامس، الفرع الأول: ضوابط فقه التيسير، ص: ۲۵۱، ط: وزارة الاوقاف والشؤون، الكويت)

عبداللہ بن ابراہیم الطویل لکھتے ہیں:

اما عن ضوابط اليسر، فهى: أولا: أن يكون التيسير ثابتا بالكتاب والسنة، أن اليسر في احكام الشريعة الإسلامية كغيره من الامور، لا بد ان يكون ثابتا باحد الوحيين، حتى يتسنى للمسلمين العمل به واعتماده، لا ان يكون التيسير بحسب الهوى والتشهى واستحسان العباد، واستقباحهم، فكل تيسير لا يستند الى الكتاب والسنة، فهو تيسير مُلغى مُطرح. (منهج التيسير المعاصر: المبحث الخامس ضوابط اليسر فى الاسلام، ص: ۵۵، ط: دار الهدى النبوى، مصر)

(۲) تیسیر پر عمل کی صورت میں نص سے تجاوز لازم نہ آتا ہو۔

تیسیر وتخفیف کی صورت میں نص کے حکم پر زیادتی لازم نہ آتی ہو، چاہے زیادتی کمیت کے اعتبار سے ہو یا

کیفیت کے اعتبار سے، مثلاً جو آدمی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہو اسے لیٹ کر نماز پڑھنے کی سہولت نہ ہوگی۔

عبداللہ بن ابراہیم الطویل لکھتے ہیں:

ثانیا عدم مجاوزة النص فی الأخذ بالتیسیر: فلا یجوز الاستزادة فی التخفیف والتیسیر -لا کما ولا کیفا- علی ما ورد به النص، فلا یجوز لمن یستطیع الصلوة جالسا ان یصلیها مستلقیا. (منهج التیسیر المعاصر: ٥٥)

(۳) تیسیر کتاب وسنت کی کسی نص سے متصادم ومعارض نہ ہو۔

حکم الٰہی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُـقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حجرات: ۱)

اور نزاع کے وقت بھی اللہ ورسول کے حکم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا، (نساء: ۵۹) اس لئے کہ کتاب وسنت اہم واولین مصادر ہیں، دیگر اصول وادلہ اس کے تابع ہیں، اسی لئے تعارض کے وقت نص کے حکم پر عمل کیا جاتا ہے، چنانچہ فقہاء نے قاعدہ بیان کیا:

الاجتهاد لا ینقض بمثله ولا یعارض النص.، لا مساغ للاجتهاد فی مورد النص۔ (قواعد الفقه: رقم القاعدة: ۷، ۲۶۰، ص: ۵۴، ۱۰۸، ط: دار الکتاب، دیوبند)

(۴) تیسیر میں مقاصد شرعیہ کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

یسر وسہولت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقاصد شرعیہ میں داخل ہو، اسی طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن مقاصد کے حصول کا ہمیں حکم ہے، ان میں یسر وسہولت ہو، اگر یہ سہولت کسی مقصد شرعی سے متصادم ہوتو یہ یسر نہیں، اسی لئے محض عقل یا وہم کی بناء پر کوئی آسانی اور سہولت کا حکم دیا جائے تو یہ قابل توجہ نہیں ہوگا۔

رابعا: أن یکون التیسیر مقیدا مقاصد الشریعة: ومعنی هذا الضابط من الیسر لا بد ان یکون داخلا ضمن المقاصد التي جاء الشرع لتحقیقها. (منهج التیسیر المعاصر: ٥٦)

(۵) تیسیر پر عمل کے نتیجہ میں کوئی اس سے بڑی مصلحت فوت نہ ہوتی ہو۔

یعقوب بن عبدالوہاب باحسین لکھتے ہیں:

أن لا یؤدی بناء الحکم علیها إلی تفویت ما هو اهم من ذلك، ویتصل هذا بتعارض المصالح، فالمصلحة المجلوبة بالتیسیر لا یجوز أن تکون مؤدیة الی ذهاب مصلحة اعظم منها. (قاعدة المشقة تجلب التیسیر دراسة نظریة: ص: ۳۹، ط: مکتبة الرشد، الریاض)

جواب (۵) تیسیر اور رخصت دونوں ایک ہے یا الگ الگ؟

یہ دونوں ایک ہے یا الگ؟ اس کو سمجھنے کے لئے دونوں کی اصطلاحی تعریف بھی دیکھنی چاہیے، رخصت کا لغوی معنی تیسیر اور تسہیل ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے۔

رخصت کے معنی لغت میں یسر کے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں شریعت کے وہ احکام جو عوارض اور احکام میں اعذار کی بنیاد پر ثابت ہوتے ہیں انہیں رخصت کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ وہبہ زحیلی صاحب نے بھی رخصت کا معنی تیسیر اور تسہیل کیا، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

الرخصة فى اللغة العربية: معناها التيسير والتسهيل، وعند علماء اصول الفقه: هي الأحكام التي شرعها الله تعالى بناءً على اعذار الناس، رعاية لحاجتهم، مع بقاء السبب الموجب للحكم الاصلي .(الفقه الاسلامی وادلته: المبحث السادس قواعد الضرورة وتطبيقاتها ،ص: ۵۴۰ ،ج:۹، ط: الهدی انٹرنیشنل، دیوبند)

عائشہ صنوبر بھی تیسیر کی تعریف ان الفاظ میں لکھتی ہیں:

تیسیر بروزن تفعیل ہے، اس کے لغوی معنی آسانی کے ہیں، جبکہ اصطلاحی معنی سے مراد یہ ہے کہ اسلام نے ایسے فقہی اصول متعارف کرائے ہیں جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں، اور انسانی زندگی کے تمام پہلو میں تخفیف اور وسعت کا باعث بنتے ہیں۔ (شریعت اسلامیہ میں اصول تیسیر کا ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ: ص:۳۲، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

رخصت اور یسر دونوں کی تعریف عبداللہ بن ابراہیم الطویل ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

هكذا رأيت معانی اليسر والتيسير تدور بين السهولة والانقياد واللين والتهنئة، وكذلك كل ما كان بعيدا عن الحرج والمشقة.

اما اليسر في الاسلام فهو: الالتزام بأحكام هذا الدين كما أرادها رب العالمين، ثم التعامل مع هذه الاحكام والتشريعات وفق منهج اليسر الذي نتبين معالمه من خلال المنهج النبوی الكريم.

أو هو: تشريع الاحكام على وجه روعيت فيه حاجة المكلف و قدرته على امتثال الأوامر و اجتناب النواهی مع عدم الإخلال بالمبادا الاساسية للتشريع.

والرخصة في اللغة هی اليسر والسهولة. وفي الاصطلاح: ما شرع لعذر شاق، استثناء من اصل كلی يقتضی المنع، مع الاقتصار على مواضع الحاجة فيه. (منهج التيسير المعاصر: المبحث الأول، ص: ۱۴، ۱۵، ط: دار الهدی النبوی، مصر)

حضرت مولانا ڈاکٹر محمود احمد صاحب غازیؒ یسر کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حکمت تشریع کا سب سے پہلا اصول ہے ’’یسر‘‘ ، یعنی آسانی ، قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: **یرید الله بهم الیسر و لا یرید بهم العسر** اللہ تعالی تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا۔

یسر سے مراد وہ آسانی ہے جو شریعت کے کسی حکم کو انجام دیتے ہوئے یا شریعت کے محرمات سے اجتناب کرتے ہوئے آپ کے لئے اختیار کرنا ممکن ہو، جہاں شریعت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ کی مطلوبہ آسانی ممکن نہ ہو وہاں یسر کے نام پر شریعت کے حکم کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

یعنی وہ آسانیاں جو شریعت کے کسی حکم کی تعمیل ، یا شریعت کے محرمات سے اجتناب میں آسانی کے لئے پیدا کی جائیں وہ یسر کے معنوں میں آتی ہیں ، یا کوئی جائز کام اس لئے کیا جائے کہ اس سے شریعت کے فلاں حکم پر عمل درآمد آسان ہو جائے ، زندگی اور زندگی کے مسائل آسان ہو جائیں ، یہ چیز یسر کہلاتی ہے ، اللہ تعالی کی شریعت میں اسی مفہوم میں یسر ہے ، عسر نہیں ۔ (محاضرات فقہ: ساتواں خطبہ ، ص: ۳۲۰ ، ط: مکتبۂ حق ، جوگیشوری)

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصت اور یسر متقارب المعنی ہیں ، اور منطقی اصطلاح کے مطابق دونوں میں عموم خصوص ہے ، ہر یسر و تیسیر رخصت نہیں کہی جا سکتی ہے ، بلکہ رخصت یسر کا ایک شعبہ ہونا چاہئے ، اسی کی وضاحت کرتے ہوئے دکتور فرج علی الفقیہ حسین فرماتے ہیں:

و مهما يكن من تقسيمات و مصطلحات أرى أن التخفيف حاصل لا شك سواء في الرخص الحقيقة ام المجازية، وليست كل مظاهر التيسير فی الشريعة الاسلامية رخصا ، بل هی قسمان:

القسم الأول: الرخص هي ما ثبت، بدليل على خلاف دليل آخر لعذر ، فهی فی مقابلة العزائم التی هی الحكم الثابت على وفق الدليل أو على خلاف الدليل لغير عذر .

اما القسم الثانی : فهو رفع الحرج ، وهو اليسر الثابت ، وليس في مقابلة عزيمة، فليس كل يسر رخصة، وأن كان كل يسر يمكن أن نعتبره رفعا للحرج . (مظاهر التيسير و رفع الحرج في الشريعة الاسلاميه: ص: ۲۱ ، ط: دار قتيبه دمشق، سوريا)

رخصت و تیسیر کا تعلق کن ابواب سے ہے؟

رخصت و تیسیر کا تعلق صرف عبادات سے نہیں ہے؛ بلکہ معاملات سے بھی ہے ، اوامر شرعیہ کو دو بنیادی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (۱) عبادات (۲) معاملات:

عبادات: یہ فقہ اسلامی کا اولین موضوع ہے ، جس سے فقہ کی ہر کتاب کا آغاز ہوتا ہے ، اس جز و میں طہارت ، نماز ، زکوۃ ، روزہ اور حج وغیرہ کے احکام سے بحث ہوتی ہے ، اسلام نے عبادات میں حالات و واقعات کے مطابق

رخصتیں اور آسانیاں پیدا کی ہیں۔

معاملات: یہ فقہ اسلامی دوسرا اہم ترین موضوع ہے، اس میں دین، عقود، جیسے مضاربت، مشارکت، اجارہ اور خیارات، نکاح وغیرہ معاملات میں حالات وواقعات کے مطابق رخصتیں اور سہولتیں دی گئیں ہیں۔

جواب(٦) بعض مقاصدی قواعد کی قدرے وضاحت:

الأمر إذا ضاق اتسع وإذا تسع ضاق.

ترجمہ: (جب کسی کام میں شدید تنگی ہو تو وسعت ہوگی اور جب وسعت ہو جائے تو پھر تنگی ہوگی۔)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یرید الله بکم الیسر و لا یرید بکم العسر" اس طرح وَمَا جعل علیکم في الدین من حرج ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے سہولت اور آسانی چاہتے ہیں، اسی لئے شریعت کے بہت سے احکام کی بنیاد بندوں کی سہولت پر مبنی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو بندے بڑی مشقت اور شدید حرج میں مبتلا ہو جاتے۔

پھر وہ سہولتیں اور تخفیفیں جو شریعت کی طرف سے دی گئی ہیں، دو قسموں میں منقسم ہیں: ایک قسم وہ ہے جو محض آسانی کے لئے شریعت نے مقرر کی ہے، دوسری قسم وہ ہے جو عوارضات کے پیش آنے پر جائز کی گئی ہے، اس قسم کو شریعت میں رخصت کا نام دیا گیا ہے۔

مذکورہ قاعدہ میں یہی دوسری قسم کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب کسی عذر کی وجہ سے کسی کام میں تنگی پیش آجائے تو عذر کے بقاء تک وسعت ہوگی اور عذر کے ختم ہونے پر جب وسعت ہو جائے تو پھر وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے گا، مثلاً اضطرار کی حالت میں مردار کے کھانے کی وسعت ہے، لیکن اضطرار ختم ہونے پر پھر تنگی یعنی اپنی سابقہ حالت (مردار کی حرمت) عود کرے گی۔

رخصت کی دوسری قسم یہ ہے کہ صفت فعل متغیر ہو جائے یعنی عذر کی وجہ سے اس فعل کی حرمت، حلت اور اباحت سے بدل جائے۔ مثلاً شدت بھوک اور پیاس کی حالت میں اگر جان کا خطرہ ہو تو اس کے حق میں مردار یا شراب حلال ہو جائیں گے، اور اس کے حق میں اس عمل کا ارتکاب حلال ہو جائے گا اور حرمت باقی نہیں رہے گی، اسی وجہ سے رخصت کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اگر ایسا شخص مردار کھانے سے رک گیا اور جان چلی گئی تو گنہگار ہوگا؛ کیونکہ یہ شخص ایک فعل مباح سے رکا ہے اور خودکشی کرنے والے کے مانند ہوگا۔ (اصول الشاشی: ص: ١٠٥)

دوسرا قاعدہ: "درأ المفاسد أولی من جلب المنافع".

مفاسد کا دفع کرنا منفعت کے حصول سے اولی ہے۔ یعنی جب کسی مفسدے اور مصلحت کا مقابلہ ہو تو اکثر حالات میں مفسدے کا ازالہ اور دفع کرنا اولی قرار پائے گا؛ کیونکہ شریعت نے ممنوعات کو مامورات کے مقابلہ میں

زیادہ اہمیت دی ہے، اس لیے کہ مامورات کے امتثال سے ایسا ضرر لازم آتا ہے جو شارع کی نہی کی حکمت کے منافی ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

”جب میں تم کو کسی شئ کا حکم دوں تو اس کو اپنی استطاعت کے مطابق بجالاؤ، لیکن جس امر سے میں تم کو منع کروں اس سے بالکل اجتناب کرو، کشف میں ایک حدیث ہے: ”کسی ذرہ جیسے ممنوع کو چھوڑ دینا جن وانس دونوں کی عبادت سے افضل ہے۔“ (شرح الحموی علی الاشباہ: ۱/ ۲۶۴)

قاعدہ کی مثال یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی ملکیت میں اپنی مرضی کے مطابق ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔ لیکن جب اس کے ساتھ غیر کا حق بھی متعلق ہو، تو پھر مالک کو مستقلاً تصرف سے روکا جاسکے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ جب کسی عورت پر غسل فرض ہو اور اس کے لئے مردوں سے پردہ کرکے غسل کرنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، تو وہ نماز کو مؤخر کردے اور مفسدہ سے بچے۔ (شرح الحموی علی الاشباہ: ۱/ ۲۶۵)

اسی طرح کذب مفسدہ (حرام) ہے، لیکن اس میں کوئی عظیم مصلحت پوشیدہ ہو تو جواز کا درجہ حاصل کرلے گا، چنانچہ لوگوں کے درمیان اصلاح کے لیے یا زوجہ کی اصلاح کے لیے جائز ہوگا۔ (شرح مجلہ: ۹۴، شرح الحموی علی الاشباہ: ۱/ ۲۶۶)

قاعدہ کی شرائط:

مذکورہ بالا قاعدہ اس وقت قابل عمل ہوگا، جب درج ذیل شرائط پائی جائیں:

۱۔ جلب مصلحت اور دفع مفسدہ کا اجتماع ممکن نہ ہو:

اگر مصلحت کا حصول اور مفسدہ کو دور کرنا جمع ہو سکے تو مصلحت کو بھی حاصل کیا جائے گا اور مفسدہ کو بھی دور کرلیا جائے گا۔

۲۔ مفاسد ومصالح متحقق ہوں:

درج بالا قاعدے پر عمل کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے یہ تحقیق کرلی جائے کہ جن کو مفاسد ومصالح کہا جارہا ہے، کیا وہ شریعت کی نظر میں مفاسد ومصالح ہیں یا نہیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ جس چیز کو مصلحت سمجھا جارہا ہو وہ شریعت کی نظر میں مصلحت ہی نہ ہو، یہی امکان مفسدہ میں بھی ہے۔

۳۔ مصالح، مفاسد پر غالب نہ ہوں:

جہاں مفاسد ومصالح کے درمیان ٹکراؤ آجائے، تو اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: ۱۔ مفاسد کے مقابلے میں مصالح غالب اور زیادہ راجح ہوں، ایسی صورت میں مصالح کا حصول بہتر ہوگا، اگرچہ اس کی وجہ سے کم سے کم درجے کے اور نادر مفاسد پیدا ہو جائے۔ جیسے جھوٹ ایک مفسدہ ہے، لیکن لوگوں کے درمیان صلح کرنے یا بیوی کی اصلاح

کے لیے اس کی اجازت دی گئی ہے۔

۲۔مفاسد، مصالح پر غالب اور زیادہ ہوں۔ایسی صورت میں مفسدہ کو دور کرنا زیادہ بہتر ہوگا، جیسا کہ قاعدہ میں مذکور ہے۔

۳۔ مصالح ومفاسد متساوی اور برابر ہوں۔ایسی صورت میں بھی درج بالا قاعدہ جاری ہوگا اور مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے بہتر ہوگا۔(فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ: قاعدہ نمبر:۲۹،ص:۳۸۱،ط: جامعہ اکل کوا)

تیسرا قاعدہ: "المشقة تجلب التيسير".

مشقت آسانی کو لاتی ہے، یعنی مشکلات سہولت کا سبب ہوجاتی ہے، اس لئے کہ شریعت کا اصل مقصود انسانوں کے لئے آسانی اور سہولت کا اختیار کرنا ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ ﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر﴾ اس طرح ﴿وَمَا جعل عليكم في الدين من حرج﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: أحب الدين إلى الله الحنفية السمحة" اسی بنا پر آپ دیکھیں گے کہ کثیر احکام شرعیہ کی بنیاد بندوں کی سہولت پر مبنی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو بندے بڑے بڑے مشقت اور شدید حرج میں مبتلی ہوجاتے؛ پھر ہر قسم کی سہولتیں اور تخفیفیں جو شریعت کی طرف سے دی گئی ہیں وہ دو قسموں پر منقسم ہیں: ایک قسم وہ ہے جو محض آسانی کے لئے شریعت نے مقرر کی ہے، اس قسم پر بہت سے فقہی احکام مبنی ہیں۔مثلاً قرض، اجارہ، اور اعارہ، یہ اس لئے مباح کئے گئے ہیں کہ لوگ غیر کی مملوکہ اشیاء سے اپنی سہولت کے لئے فائدہ اٹھا سکیں۔اور وکالت، ودیعت، شرکت، مضاربت، مساقات، مزارعت کہ ان کی اباحت سے مقصود یہ ہے کہ انسان جب خود عاجز ہو تو دوسرے فرد سے اپنے معاملات میں امداد حاصل کرسکے۔حوالہ کی اباحت تاکہ دائن اپنے مدیون سے اپنا دین بسہولت کسی دوسرے ذریعہ سے بھی حاصل کرنے کی قدرت رکھے۔رہن اور کفالت بالمال یا کفالت بالنفس کی اباحت تاکہ دائن اپنے حق کی وصولی میں اطمینان حاصل کرسکے۔اور ابراء یعنی پورے دین کا یا اس کے کچھ حصہ کا معاف کردینا تاکہ ایک مفلس شخص کو سہولت حاصل ہو، یہی علت مشتری اور بائع کے بیع میں شرط خیار کے جواز کی ہے تاکہ اس سے پیدا ہونے والی پشیمانی کا ازالہ ہوسکے، بیع سلم اور بیع الوفاء، ایک مفلس شخص کو نقد رقم کی ادائیگی سے عجز کے پیش نظر سہولت کے لئے ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کے دیگر اکثر احکام کی مشروعیت بھی اسی غرض کے تحت ہے۔(شرح مجلہ: ص ٦٢،شرح الحموی علی الاشباہ:۲۲۶/۱)

پھر دوسری قسم وہ ہے جو عوارضات کے عارض ہونے پر جائز کی گئی ہیں، اس قسم کا شریعت میں رخصت کا نام دیا گیا ہے، اس کا ذکر "الامر اذا ضاق" میں ہوچکا۔(الفوائد البہیہ شرح القواعد الفقہیہ :ص:۸۲،۱۶۵،۳۲۹،ط: مکتبۃ الاتحاد، دیوبند)

جواب(۷)

حضرت حکیم الامتؒ لکھتے ہیں:

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ "ان اللہ یحب أن تؤتی رُخصه کما یحبّ أن تؤتی عزائمه" یعنی اللہ تعالی یہ بھی پسند فرماتے ہیں کہ ان کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ ان کے مقرر کردہ عزیمتوں پر عمل کیا جائے، اور "تتبع رُخص" جس کو علماء فقہاء نے مذموم قرار دیا ہے وہ عام رخصتوں پر نہیں؛ بلکہ وہ رخصت ہے جو نفس کی خواہش کے مطابق نصوص میں تاویل کر کے نکالی جائے۔ (فقہ حنفی کے اصول وضوابط: تیسرا باب، ص:٦۵، ط: افادات اشرفیہ، ہردوئی)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب رقم طراز ہیں:

کتب اُصول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سہولت و آسانی کے لئے عدول کے مسئلہ میں فقہاء کے تین گروہ ہیں:

ایک گروہ نہایت شدت کے ساتھ اس کو منع کرتا ہے، مالکیہ کے یہاں اس میں خصوصیت سے زیادہ شدت نظر آتی ہے، شاطبیؒ نے بہرصورت اس کو منع کیا ہے اور ضرورت وحاجت کو بھی اس کے لئے قابل قبول نہیں سمجھا ہے:

مجال الضرورات معلومة من الشريعة فان كانت هذه المسألة منها فصاحب المذهب قد تكمل بيبانها أخذا من صاحب الشرع فلا حاجة لى الانتقال عنها. (الموافقات: ۹۴/۴)

ضرورت کے مواقع شریعت کی طرف سے معلوم ومتعین ہے، تو اگر یہ مسئلہ اس میں سے ہو تو صاحب مذہب نے شارع کے کلام سے اخذ کرتے ہوئے اس کی پوری وضاحت کر دی ہے؛ لہٰذا اس سے عدول کی کوئی ضرورت نہیں۔

مالکیہ میں ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ عامی کے لئے تتبع رخص جائز نہیں "لا یجوز للعامی تتبع الرخص" یہی نقطہ نظر شیخ علیشؒ مالکی کا ہے، یہی رائے شوافع میں امام نوویؒ، اور امام غزالیؒ کی ہے، علامہ ابواسحاق شاطبیؒ نے اس کے رد پر مستقل باب قائم کیا ہے، امام احمدؒ سے ابواسحاق مروزیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایسے شخص کے فاسق ہونے کا حکم لگایا جائے گا، ابن ابی ہریرہؒ نے نقل کیا ہے کہ امام احمد ایسے شخص کی تفسیق کے قائل نہ تھے، تاہم خود ابواسحاق مروزی اور ابن ابی ہریرہ نے ایسے شخص کو فاسق قرار دیا ہے، اور قاضی ابویعلی کے نزدیک ایسے شخص کو فاسق قرار دیا جائے گا جو مقلّد اور متأوّل نہ ہو، مجتہد ہو اور بلا کسی تاویل معقول کے تتبع ورخص کا مرتکب ہو، ان حضرات کا خیال ہے کہ اگر اس کی اجازت دی جائے تو لوگ کتاب وسنت کی بجائے ہویٰ وہوس کی پیروی شروع کر دیں گے اور دین کو بازیچہ اطفال بنالیں گے، اسی لئے امام

اوزاعیؒ نے فرمایا کہ جو علماء کے تفردات کو اختیار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا: ”من أخذ بنوادر العلماء خرج عن الإسلام“. (البحر المحیط: ۶/ ۳۲۶)

علامہ ابن عبد البرؒ نے تو عامی کے لئے اس کے ناجائز ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت ایسے شخص کے فاسق ہونے کی نقل کی گئی ہے، علامہ شاطبیؒ نے اس کے رد پر مستقل باب قائم کیا ہے، ابو اسحاق مروزیؒ اور ابن ابی ہریرہؒ نے بھی ایسے شخص کو فاسق قرار دیا ہے، بیہقی میں امام اوزاعی سے نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے علماء کے تفردات کو لے لیا وہ دائرہ اسلام سے نکل گیا: ”من أخذ بنوادر العلماء خرج عن الاسلام“. (محاضرات اصول فقہ: ص: ۳۵۵-۳۵۷)

یعقوب بن عبد الوہاب باحُسین نے لکھا ہے کہ اس بارے میں سات سے زائد اقوال ہیں، ان میں کچھ مقید ہیں، کچھ مطلق، بعضوں کا قول مشروط ہے، اور بعضوں نے تفصیل درج کی ہے، پہلا قول عدم جواز و تحریم کا ہے، دوسرا قول جواز کا ہے، ابو اسحاق مروزی شافعی کی طرف اسے منسوب کیا ہے، تیسرا قول تفصیل کا ہے، اگر تلفیق ہے تو گنجائش نہ ہوگی، ورنہ جائز، جبکہ وہ مختلف مذاہب کے اقوال جمع کر کے رخصت مرکبہ کا ارتکاب نہ کرے، باقی اقوال انہوں نے درج نہیں کئے۔ (قاعدہ المشقۃ تجلب التیسیر: ص: ۴۶۸ - ۴۷۳)

بہتر یہ ہے کہ فقہی بصیرت اور اجتہاد کے حامل فقہاء ایسے مسائل میں غور وخوض کے بعد کوئی فیصلہ کریں، تو اس کے مطابق عمل کی گنجائش ہونی چاہئے، البتہ اس میں درج ذیل کچھ شرائط کا لحاظ ہونا چاہئے۔

علامہ ابن حجر مکیؒ اپنے امام کے مذہب کے علاوہ کی تقلید کرنے والے کے مختلف احوال ذکر کرتے ہیں:

(۱) مذہب غیر کے رجحان کا اعتقاد ہو (اس مسئلہ میں) تو اس کے گمان میں جو راجح ہے اس کی اتباع جائز ہے۔

(۲) اپنے مذہب کے امام کے رجحان کا اعتقاد ہو یا دونوں میں سے کسی کے رجحان کا اعتقاد نہ ہو تو بھی اپنے دین میں احتیاط کے پیش نظر جائز ہے۔ جیسے حیلہ کے ذریعہ سود سے بچنے کا قصد ہو، اس وقت کراہت نہیں ہے۔ اس وجہ کے علاوہ سے حیلہ کرنا مکروہ ہے۔

(۳) اس کی حاجت کے لئے بطور رخصت کے تقلید کرنا وہ بھی جائز ہے، مگر یہ کہ اپنے امام کے مذہب کے راجح ہونے کا اعتقاد ہو، اور یہ کہ اعلم کی تقلید واجب ہے۔

(۴) صرف رخصت کا قصد کرے، بغیر اس دلیل کے راجح ہونے کے اس سے روکا جائے گا جیسے کہ علامہ سبکیؒ نے فرمایا، کیونکہ وہ اس وقت اپنی خواہشات کا تابع ہوا نہ کہ دین کا۔

(۵) کثرت سے وہ رخصت کا ہی متلاشی ہو، اس طور پر کہ ہر مذہب سے اسہل قول کو ہی اپنائے، اس سے بھی روکا جائے گا، کیونکہ یہ تکلیف کی رسی کو گردن سے اتارنا معلوم ہوتا ہے۔

(۶)اس کے ساتھ ہر مذہب سے ایسے مسائل کو جمع کرے جو بالا جماع ممتنع ہوں تو اس سے بھی روکا جائے گا۔ جیسے کوئی شافعیؒ کتے کی پاکی میں امام کی تقلید کرے اور بعض سر کا مسح کرے، کیونکہ اس وقت اس کی نماز بعض سر کے مسح کی وجہ سے مالکیہ کے یہاں اور کتے کی نجاست کی وجہ سے شافعیہ کے یہاں بھی صحیح نہیں ہوگی۔

(۷)اولاً ایک مسلک پر عمل کرے اور اسی پر باقی رہے، پھر ایک مدت کے بعد دوسرے امام کی پیروی کرے ان ہی مسائل پر باقی رہتے ہوئے، مثلاً حنفی نے کوئی مکان یا جائداد شفعہ کے جواز کی وجہ سے لی، پھر اس پر کوئی مستحق نکل آیا، اب وہ مذہب شافعی پر عمل کرنا چاہے تو اب جائز نہیں ہے، اس کی خطاء کے ثابت ہونے کی وجہ سے مذہب اول میں یا مذہب ثانی میں، باوجود کہ وہ ایک ہی مکلف شخص ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ: ص: ۱۱۳-۱۱۴)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب تک محقق ومتدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں، اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے، کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہویٰ کی بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو۔ (الحیلۃ الناجزۃ: ص/۴۶، دوسرے مسلک پر فتوی دینے کے اصول وضوابط: ص: ۷۴-۷۷، ط: دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ)

جواب (۸)

رخصت اور تیسیر کے جو اصول وضوابط ہیں، ان کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر گنجائش ہوسکتی ہو، تو عبادات کے احکام میں گنجائش دی جاسکتی ہے، اسی طرح واقعی ضرورت ہو، تنگی ومشقت کی صورت حال ہو تو احکام عبادت میں تیسیر کو جگہ دی جاسکتی ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

وقد ذکر صاحب البحر فی الحیض فی بحث ألوان الدماء اقوالا ضعیفۃ، ثم قال: وفی المعراج عن فخر الائمۃ: لو افتی مفتٍ بشيئ من ہذہ الاقوال فی مواضع الضرورۃ طلبا للتیسیر، کان حسنا. انتہیٰ (شرح عقود رسم المفتی: ص: ۱۹۰، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)

خلاصہ بحث

(۱) تیسیر کا مطلب ہے انسان پر طاری ہونے والے احوال میں اس کی استطاعت وقدرت کے موافق شرعی احکام کی بناء رکھنا۔

تیسیر کی حکمتیں: (۱) تدین اور مذہبیت کے تقاضوں کو پورا کرنا، (۲) ان اعمال کی بجا آوری میں دوام واستمرار پیدا کرنا، (۳) غیر مسلموں کو قبول اسلام کی اور غیر دیندار کو دیندار بننے کی ترغیب، (۴) اپنے بندوں پر

رحمت الٰہی کی خصوصیات کو نمایاں کرنا، (۵) تیسیر کا شریعت اور پیش آمدہ واقعہ میں وصل وربط کا عمل، (۶) تیسیر میں اسلامی قوانین کی دوامیت، لچک اور لافانی ہونے کی تصدیق۔

(۲) تیسیر کی بنیادیں یہ ہیں:

* انسانی صلاحیت کی رعایت، حقیقت پسندی، عام انسانی کمزوریوں کی رعایت۔
* اسباب: فقہاء نے مختلف اسباب بیان کئے ہیں، جیسا کہ جواب میں مذکور ہے۔
* اس کا دائرہ متعین کرنا مشکل ہے، تاہم علامہ علاتی نے سات انواع بیان کی ہے۔

(۳) کتاب وسنت اور صحابۂ کرام کے عمل سے رہنمائی:

تیسیر یعنی دین میں آسانی کرنا اور تنگی کو رفع کرنا ایک اصول شرعی ہے جس کا احکام شرعی میں لحاظ رکھا گیا ہے۔

صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم، توجیہ وارشاد کے مطابق زندگی گذاری اور رخصتوں پر بھی عمل کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کا ایک اہم مقصد یسر وآسانی ہے، آیات واحادیثِ یسر ورخص اور صحابہ کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء کرام نے "**المشقة تجلب التيسير، الحرج مدفوع، و اذا ضاق الأمر اتسع**" جیسے قواعد مستنبط فرمائے۔

(۴) تیسیر کے بنیادی اصول وقواعد:

(۱) یہ تیسیر قرآن وسنت سے ثابت شدہ ہو، کیوں کہ یہ بھی دیگر احکام کی طرح ایک حکم ہے، لہذا اس کا ثبوت بھی مذکور دووحی میں سے کسی ایک سے ہونا ضروری ہے۔

(۲) تیسیر پر عمل کی صورت میں نص سے تجاوز لازم نہ آتا ہو۔

(۳) تیسیر کتاب وسنت کی کسی نص سے متصادم ومعارض نہ ہو۔

(۴) تیسیر میں مقاصد شرعیہ کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

(۵) تیسیر پر عمل کے نتیجہ میں کوئی اس سے بڑی مصلحت فوت نہ ہوتی ہو۔

(۵) دونوں میں عموم وخصوص ہے، اور ان کا تعلق معاملات وعبادات دونوں سے ہے۔

(۶) ان قواعد کی وضاحت جواب میں مذکور ہیں۔

(۷) بہتر یہ ہے کہ فقہی بصیرت اور اجتہاد کے حامل فقہاء ایسے مسائل میں غور وخوض کے بعد کوئی فیصلہ کریں، تو اس کے مطابق عمل کی گنجائش ہونی چاہئے، البتہ اس میں شرائط کا لحاظ ہونا چاہئے۔

(۸) رخصت وتیسیر کے اصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے واقعی ضرورت اور تنگی ومشقت کی صورت میں تیسیر کو جگہ دی جاسکتی ہے۔

تیسیر اسلامی شریعت کی اہم بنیاد

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی

(سکریٹری جماعت اسلامی ہند)

موجودہ دور میں تیسیر کا موضوع فقہاء اور ماہرینِ شریعت کے درمیان کافی زیرِ بحث رہا ہے اور اس پر ان کے درمیان معرکہ آرا مباحث ہوئے ہیں۔ 'فقہ التیسیر' کے عنوان سے کتابیں لکھی گئی ہیں، جامعات میں تحقیقی مقالات سپردِ قلم کیے گئے ہیں اور رسائل و جرائد میں مضامین کا سلسلہ جاری ہے۔ کچھ علماء ہیں جو تیسیر کو محدود تر رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ احکامِ شریعت پر عمل نفس پر گراں گزرتا ہے۔ نفس کو دبانے اور کچلنے کے لیے مشقّت برداشت کر کے احکامِ الٰہی پر عمل کرنا شرعی طور پر مطلوب ہے۔ اس سے مسلمان کا روحانی ارتقا ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ بعض علماء اس معاملے میں کچھ نرمی دکھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تیسیر کی اجازت صرف معاملات میں دی گئی ہے، عبادات میں تیسیر کو ملحوظ رکھنا ناپسندیدہ اور غیر مطلوب ہے۔ دوسری طرف کچھ علماء تیسیر کا دائرہ بہت زیادہ وسیع کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی طبیعتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلامی شریعت نے زندگی کے تمام معاملات میں تیسیر کو ملحوظ رکھا ہے اور عام حالات کے احکام بیان کرتے ہوئے اعذار کی صورت میں ان میں تخفیف کی ہے اور ان سے آسان تر احکام دیے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تیسیر کے مختلف پہلوؤں کا تحقیقی جائزہ لیا جائے۔ احکامِ شریعت میں تیسیر کی کس حد تک رعایت کی گئی ہے؟ اس کی حکمت کیا ہے؟ کتاب وسنّت میں اس کا ذکر کس انداز میں کیا گیا ہے؟ اس کے بارے میں صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین کا کیا طرزِ عمل تھا؟ تیسیر کے اسباب کیا ہیں اور اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور تیسیر کے بارے میں فقہاء نے کیا بنیادی قواعد بیان کیے ہیں؟ اس ضمن میں اس سوال پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا تیسیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک فقہی مسلک کے علماء دوسرے فقہی مسالک سے استفادہ کر سکتے ہیں؟ اس مقالے میں انھی سوالات کے جوابات فراہم کرنے کی متواضع کوشش کی گئی ہے۔

تیسیر سے مراد

تیسیر عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ 'ی س ر' ہے۔ اس کے لغوی معنیٰ آسانی، سہولت اور نرمی کے آتے ہیں۔ کہا

جاتا ہے: یا سر فلان فلاناً: اس نے اسے نرم کردیا۔ تیسّرت البلاد: علاقہ سرسبز وشاداب ہوگیا۔ یُسر، میسرۃ اور یسار کا استعمال مال داری اور فارغ البالی کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔[۱] اسی طرح کہا جاتا ہے: یسّرت الغنمُ ۔ ریوڑ کے جانوروں کا دودھ بڑھ گیا اور ان کی نسل میں اضافہ ہوگیا۔[۲]

اصطلاحی طور پر تیسیر کا مطلب ہے شرعی احکام کی بنیاد عام انسانی قدرت پر رکھنا اور مخصوص احکام کے تعلق سے ہنگامی اور استثنائی حالات کی رعایت کرنا۔ علمائے اصولیین نے اس کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے۔ ان کا خلاصہ درج ذیل الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:

تشریع الأحکام علی وجہٍ رُوعیت فیہ حاجۃُ المکلَّف و قدرتہ علی امتثال الأوامر و اجتناب النواھي مع عدم الاخلال بالمبادئ الاسلامیۃ الشرعیۃ [۳]

''شرعی احکام کو اس طرح بیان کرنا کہ اس میں مکلّف کی ضرورت اور اوامر پر عمل اور منہیات سے اجتناب پر اس کی قدرت کی رعایت کی گئی ہو اور اس کی وجہ سے اسلامی شرعی اصولوں کی پامالی بھی نہ ہو۔''

حکمتِ تیسیر

اسلامی شریعت میں مختلف احکام بیان کرتے ہوئے تیسیر کو کیوں ملحوظ رکھا گیا ہے؟ اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس سوال کا جواب شریعتِ اسلامی میں فلسفۂ تیسیر کو سمجھنے میں معاون ہوگا۔

بعض مذاہب میں نفس کو کچلنے اور جسم کو اذیت میں مبتلا کرنے کو تقرّب الٰہی کا ذریعہ سمجھا گیا ہے اور پُرمشقت اور تکلیف دہ زندگی گزارنے کو انسانیت کی معراج کہا گیا ہے۔ اس تصور کے تحت عیسائیت میں راہبوں اور ہندومت میں جوگیوں کے ایسے طبقات وجود میں آئے جنھوں نے اپنے جسموں کو اذیت دینے کی نت نئی ترکیبیں ایجاد کیں۔ طویل عرصے تک بھوکا پیاسا رہنا، صحراؤں، جنگلوں اور ویران مقامات پر اپنی کٹیا بنالینا، میناروں پر چڑھ کر بسیرا کرنا اور بعض اعضاء کو طویل عرصے تک ایک ہیئت پر رکھ کر انہیں بے حس وحرکت بنالینا، جسمانی اذیت پسندی کی چند مثالیں ہیں۔

شریعتِ اسلامی میں جسمِ انسانی کو اذیت پہنچانا مقصود ومطلوب نہیں ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جب کوئی حکم دیا جائے، بندہ فوراً اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوجائے اور جوں ہی کسی کام سے روکا جائے، بغیر ایک لمحے کی تاخیر کے، اس سے رُک جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسانوں کو ایسے احکام دیے جائیں جن پر وہ سہولت سے، بغیر مشقت کے، عمل کرسکیں۔ اگر احکام پر عمل کرنے میں دشواری ہوگی تو وہ تسلسل اور پابندی کے ساتھ ان پر عمل نہیں کرسکیں گے۔ نفس پر جبر کرکے عمل کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن بہت جلد انہیں گرانی محسوس ہوگی اور طبیعت میں سستی پیدا ہوجائے گی، چنانچہ چند دن عمل کرکے وہ بیزار ہوجائیں گے اور عمل چھوڑ بیٹھیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو احکام دیے ہیں، ان پر عمل کرنے کی انہیں قوت بخشی ہے۔ عام حالات میں وہ ان پر عمل کر سکتے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ بسا اوقات بعض دشواریوں، پریشانیوں اور تکلیفوں کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان احکام پر صحیح طریقے سے عمل نہیں کر پاتے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے احکام میں ایسی لچک رکھی ہے کہ مکلّفین تمام احوال میں ان پر عمل کر سکیں۔ احکام شریعت میں ایک طرف 'مثالیت' پائی جاتی ہے، یعنی ایسے احکام دیے گئے ہیں جن کے ذریعے مکلّفین درجاتِ کمال حاصل کر سکیں، دوسری طرف ان میں 'واقعیت' بھی موجود ہوتی ہے، یعنی ان میں مکلّفین کے حالات کی رعایت کی گئی ہے، چنانچہ وہ بہ قدرِ استطاعت ان پر عمل کر سکتے ہیں۔

احکامِ شریعت میں تیسیر کو ملحوظ رکھنے سے غلو اور انتہا پسندی کا خاتمہ ہوتا ہے اور احکام پر عمل آسان ہو جاتا ہے۔ جو لوگ شرعی رخصتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے وہ خود کو بے جا طور پر ایسی مشقتوں میں مبتلا کر لیتے ہیں جن سے شریعت نے انہیں آزاد رکھنا چاہا ہے۔ علامہ شاطبیؒ (م ۷۹۰ھ) نے لکھا ہے:

> ''کوئی بھی پُر مشقت معاملہ ہو، شریعت نے مکلّف کو اس سے نکلنے کا راستہ بتایا ہے۔ اس سے شریعت کا مقصود یہ ہے کہ مکلّف چاہے تو اسے اختیار کر لے۔ شرعی رخصتیں اسی مقصد سے دی گئی ہیں۔ مکلّف جب ان پر عمل کرے گا تو وہ شریعت پر عمل کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ دو ممنوعات کا ارتکاب کرے گا: اول وہ مقصدِ شریعت کی مخالفت کرنے والا ہوگا، دوم تیسیر کے دروازے اپنے اوپر بند کر لے گا۔''[۴]

تیسیر۔ قرآن مجید میں

اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال سے بہ خوبی واقف ہے۔ وہ انہیں مشقّت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، بلکہ اس کی مرضی یہ ہے کہ اس نے بندوں کو جو احکام دیے ہیں ان پر وہ بہ سہولت عمل کریں اور ہر حال میں اس کی رضا اپنے پیش نظر رکھیں۔ قرآن مجید میں یہ بات مختلف احکام کے ضمن میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ ذیل میں چند آیات ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ سورۂ بقرۃ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے۔ کہا گیا ہے کہ اسے تمہارے تمام اعمال کی خبر ہے، چاہے تم انہیں کھلے میں کرو یا چھپا کر کرو۔ وہ تمہارے دلوں کے احوال سے بھی باخبر ہے، وہ تمہارا محاسبہ کر کے رہے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰـهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرة:۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو۔''

وسع (طاقت) کی تشریح میں علامہ زمخشریؒ (م ۵۳۸ھ) نے لکھا ہے:

الوسع ما يسع الانسان ولا يضيق عليه ولا يحرج فيه، أى لا يكلّفها الا ما يتّسع فيه طوقه ويتيسّر عليه دون مدى الطاعة والمجهود، وهذا اخبار عن عدله ورحمته[۵]

''اس سے مراد وہ کام ہے جو انسان آسانی سے، بغیر کسی تنگی اور پریشانی کے، کر سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل اور اس کی رحمت کا مظہر ہے۔''

۲۔ رمضان کے روزے فرض کرتے ہوئے اس کے احکام بیان کیے گئے تو مریض اور مسافر کو رخصت دی گئی کہ وہ ان ایام میں روزہ نہ رکھ کر بعد میں حسب سہولت ان کی قضا کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُرِيْدُ اللّٰـهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرة:۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، وہ تمہارے ساتھ سختی کرنا نہیں چاہتا۔''

۳۔ سورۂ النساء میں وراثت، نکاح، تعدّد ازواج، بدکاری کی سزا، ازدواجی تعلقات، طلاق، محرماتِ نکاح، مہر، تجارت، حرام مال کھانے کی حرمت، قتل نفس کی ممانعت اور دیگر بہت سے معاشرتی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ درمیان میں یہ آیت آئی ہے:

يُرِيْدُ اللّٰـهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء:۲۸)

''اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ کو ہلکا کر دے اور انسان کم زور پیدا کیا گیا ہے۔''

۴۔ سورۂ حج کی آخری آیات میں ایمان کے تقاضوں (رکوع، سجدہ، عبادت، اعمال خیر اور حج) پر عمل کرنے کی تاکید کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج:۷۸)

''اس نے تمہیں چُن لیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔''

تیسیر۔ احادیثِ نبوی میں

بہت سی احادیثِ نبوی میں شدّت پسندی سے روکا گیا ہے اور دین کو آسان بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی احکام میں سے آسان تر پر عمل کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ذیل میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

ما خُيِّرَ رَسولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، ما لَمْ يَكُنْ إثْمًا

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت ہوتی تو آپ ان میں سے آسان تر کو اختیار کرتے تھے، اگر وہ گناہ نہ ہوتا۔''

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، ولن يُشادَّ الدِّينَ أحدٌ إلاَّ غَلَبه، فَسَدِّدُوا وقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا وَيَسِّرُوا ﴿۱۳

''بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا اس پر دین غالب آجائے گا (اور اس کی سختی نہیں چل سکے گی۔) لہٰذا عمل کے معاملے میں اعتدال سے کام لو، اللہ کی قربت اختیار کرو، بشارت قبول کرو اور آسانی پیدا کرو۔''

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو انہیں یہ ہدایت فرمائی:

يَسِّرَا وَلا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلا تُنَفِّرَا ﴿۱۴

''لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، انہیں سختی اور تنگی میں نہ مبتلا کرنا۔ ان کے سامنے خوش آئند باتیں کہنا، انہیں متنفر نہ کرنا۔''

۴۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنَّ اللهَ يُحِبُّ أن تؤتى رُخَصه كما يَكرَهُ أن تُؤتى معصيته ﴿۱۵

''اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے، جس طرح وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی معصیت کے کام کیے جائیں۔''

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

لَا تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللهُ عَلَيْهِمْ ﴿۱۶

''اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، ورنہ تم پر سختی مسلّط کردی جائے گی۔ (ماضی میں) کچھ لوگوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی مسلّط کردی۔ ایسے ہی لوگوں کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو گرجا گھروں اور یہودی عبادت خانوں میں پائے جاتے ہیں۔''

۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هَلَكَ المُتَنَطِّعُونَ

''شدت پسندی اختیار کرنے والے ہلاک ہوگئے۔''

یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زور دینے کے لیے تین بار فرمائی۔ ۱۷

۷۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنی شروع کردی۔ ایک رات وہ بڑی تعداد میں اکٹھا ہوگئے تو آپ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيكُم مِنَ الأعمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللهَ لا يَمَلُّ حَتّى تَمَلُّوا، وَإِنَّ أَحَبَّ الأعمَالِ إلى اللهِ مَا

دُوْوِمَ عَلَیہِ وَاِنْ قَلَّ ۱۲

''لوگو! صرف اتنے اعمال سرانجام دو جتنے بہ آسانی کر سکتے ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا، بلکہ تم خود اکتا جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب وہ عمل ہے جو اگرچہ کم ہو، لیکن اسے پابندی سے کیا جائے۔''

تیسیر اور اسوۂ نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرف عمومی انداز میں لوگوں کو آسانی فراہم کرنے کی تلقین کی اور غلو اور شدّت پسندی سے اجتناب کرنے کی تاکید کی، دوسری طرف مخصوص مواقع پر ایسے احکام دیے اور ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جو سراسر تیسیر پر مبنی تھیں۔ ذیل میں چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: ''مجھے بواسیر کا مرض تھا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز کا طریقہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اس میں بھی دشواری ہو تو پہلو پر لیٹ کر پڑھو۔''۱۳

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھنڈک اور بارش میں اعلان فرما دیا کرتے تھے:

''اَلَا، صَلُّوا فِي الرِّحَالِ ۱۴

''لوگو! اپنی قیام گاہوں میں ہی نماز پڑھ لو۔''

۳۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ''عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو گئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ''آپؐ نے عید کی نماز پڑھائی تھی اور جمعہ کے بارے میں رخصت دے دی تھی۔ فرمایا تھا: ''جو چاہے جمعہ پڑھے اور جو چاہے نہ پڑھے۔''۱۵

۴۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلوٰةٍ ۱۶

''اگر مجھے اپنی امت کے زحمت میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انھیں حکم دیتا کہ وہ ہر وضو کے وقت مسواک کریں۔''

۵۔ رمضان المبارک کی تین راتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف لائے اور امامت فرمائی۔ صحابۂ کرام بڑی تعداد میں جمع ہونے لگے تو اگلی رات آپؐ نہیں نکلے اور فرمایا:

لَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ ۱۷

''میں اس لیے نہیں نکلا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تم پر فرض نہ کر دی جائے۔''

۶۔حضرت ابوقتادہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور اس میں طویل قراءت کرنا چاہتا ہوں، لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو قراءت کو مختصر کر دیتا ہوں، تاکہ اس کی ماں زحمت میں مبتلا نہ ہو۔''۱۸؎

۷۔حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دو کھمبوں کے درمیان ایک رسّی بندھی ہوئی ہے۔آپؐ نے دریافت فرمایا: یہ کیا؟ آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ نے باندھ رکھی ہے۔جب وہ نماز پڑھتے ہوئے تھک جاتی ہیں تو اس کا سہارا لے لیتی ہیں۔آپؐ نے فرمایا:''اسے کھول دو۔کسی شخص کے اندر جب تک نشاط باقی رہے وہ نماز پڑھے اور جب سستی پیدا ہو جائے تو نماز نہ پڑھے۔''۱۹؎

۸۔فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں نکلے تو روزہ رکھتے رہے، یہاں تک کہ جب کراع الغمیم پہنچے تب روزہ نہیں رکھا۔آپ نے پانی کا پیالہ منگوایا اور سب کو دکھا کر پانی پیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ روزہ سے نہیں ہیں اور وہ بھی روزہ نہ رکھیں۔۲۰؎

تیسیر کے بارے میں صحابہ وتابعین کا طرزِ عمل

قرآن وسنت کی مذکورہ بالا نصوص سے تحریک پاکر صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام احکامِ شریعت پر عمل کرنے میں تیسیر کو ملحوظ رکھتے تھے۔وہ احکام پر پورے شوق سے عمل کرنے کی کوشش کرتے، لیکن شدّت پسندی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے، بلکہ مشقّت اور حرج کی صورت میں شریعت میں بیان کردہ سہولیات سے بلاتکلّف فائدہ اٹھاتے تھے۔

مسافر کو رمضان کے روزے نہ رکھ کر بعد میں اس کی قضا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔اس حوالے سے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا أَرَادَ اللّٰهُ بِالفِطْرِ فِي السَفَرِ التَّيسِيرَ عَلَيكُم، فَمَن يَسّرَ عَلَيهِ الصِّيَامَ فَلْيَصُم، وَمَن يَسّرَ عَلَيهِ الفِطْرَ فَلْيُفْطِر ۲۱؎

''اللہ تعالیٰ نے سفر میں رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت تم پر آسانی کے لیے دی ہے۔اس لیے جس شخص کو روزہ رکھنے میں آسانی ہو وہ روزہ رکھے اور جسے روزہ نہ رکھنے میں آسانی ہو وہ نہ رکھے۔''

حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا؟ انہوں نے جواب دیا: ''تمھیں جس چیز میں سہولت ہو وہ کرلو۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، تمہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔''۲۲؎

ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں بیان کرتی ہیں: ''وہ کسی بات پر قسم کھاتے تھے تو ہر حال میں اس پر قائم رہتے تھے، اسے توڑتے نہیں تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کفارۂ قسم کی آیت (المائدۃ:۸۹) نازل فرمائی، تب وہ کہا کرتے تھے: ''اللہ کی قسم! میں کسی بات پر قسم کھالوں، لیکن دیکھوں کہ دوسری چیز اس سے بہتر ہے تو میں اس معاملے میں اللہ کی رخصت کو قبول کرلوں گا۔ (یعنی قسم توڑ دوں گا) اور اس دوسری چیز کو اختیار کرلوں گا۔'' ۲۳

حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ ایک گھر کے قریب سے گزرے۔ اس کے پرنالے سے ان پر پانی گرا تو ان کے ساتھی نے دریافت کیا: ''اے گھر والے! یہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''بتانے کی ضرورت نہیں۔'' ۲۴

ایک شخص کا ناخن حالتِ احرام میں کچھ ٹوٹ گیا، جس سے اسے اذیت ہونے لگی۔ اس نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے دریافت کیا: ''کیا احرام کی حالت میں اسے کاٹ سکتا ہوں؟'' انہوں نے فرمایا: ''ہاں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، تمھیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا۔'' ۲۵

حضرت مجاہدؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا: ''رمضان کے کچھ روزے قضا رکھنے ہیں۔ انہیں وقفہ کر کے رکھوں یا ایک ساتھ؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ آسانی کا ارادہ کیا ہے۔ جس میں آسانی ہو وہ کرلو۔ چاہو تو ایک ساتھ رکھ لو اور چاہو تو الگ الگ رکھو۔'' ۲۶

تیسیر سے متعلق بنیادی فقہی قواعد

فقہائے کرام نے احکامِ شریعت میں تیسیر کی اہمیت وضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند بنیادی فقہی قواعد وضع کیے ہیں۔ ان کی روشنی میں بہ آسانی جزئی فقہی احکام مستنبط کیے جاسکتے ہیں۔ وہ قواعد درج ذیل ہیں:

۱۔ **المشقّۃ تجلب التیسیر** (مشقت تیسیر لاتی ہے) یعنی اگر احکامِ شریعت پر عمل کرنے میں لوگوں کو مشقّت اور تنگی لاحق ہو تو ان میں آسانی اور تخفیف کر دی جاتی ہے۔ علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

اِنّ ھٰذہ القاعِدَۃُ یَرجِعُ اِلیھا غالِبُ أبوابِ الفقہِ ۲۷

''اس قاعدے کا اطلاق فقہ کے بیش تر ابواب میں ہوتا ہے۔''

مشقّت کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک ایسی مشقّت جو بہت معمولی درجے کی ہو۔ دوسری ایسی مشقّت جس میں جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہوجانے یا شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ شریعت میں اوّل الذکر مشقّت کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، البتہ مؤخّر الذکر مشقّت معتبر ہے اور اس میں آسانی فراہم کی گئی ہے۔

۲۔ **الضَّروراتُ تُبیحُ المَحظُورَات** (مجبوری میں حرام حلال ہو جاتا ہے): ضرورت سے مراد وہ

اضطراری حالت ہے جس میں پہنچ کر اگر آدمی ممنوع چیز کو نہ اختیار کرے تو ہلاک ہو جائے۔ اس صورت میں عارضی اور وقتی طور پر وہ چیز اس کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

۳۔ اِذا ضَاقَ الأمرُ اتّسَعَ ، وَاِذا اتَّسَعَ ضَاقَ (جب کسی معاملے میں تنگی پیدا ہو جائے تو اس میں کشادگی کر دی جاتی ہے اور جب اس میں کشادگی پیدا ہو جائے تو اسے تنگ کر دیا جاتا ہے۔): یعنی شریعت میں احکام عام حالات میں عام افراد کے لیے ہیں۔ کسی شخص کو کوئی عذر ہو اور اس پر عمل کرنے میں اسے دشواری لاحق ہو تو اسے رعایت دے دی جاتی ہے اور حسبِ سہولت اسے عمل کی آزادی حاصل رہتی ہے۔ پھر جب عذر ہو جائے تو اس کے لیے عام حکم پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کو مرض کی وجہ سے پانی کے استعمال سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اسے تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ پھر جب مرض دور ہو جائے اور وہ صحت یاب ہو جائے تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہوگا۔

۴۔ الفَتوىٰ تَتَغَيّرُ بِتَغَيّرِ الزّمانِ والمكانِ والحالِ (وقت، جگہ اور حالت بدلنے سے فتویٰ بدل جاتا ہے): حالات بدلتے رہتے ہیں۔ مختلف علاقوں کے عُرف الگ الگ ہوتے ہیں۔ شریعت میں ان کی رعایت کی گئی ہے، تاکہ لوگ مشقّت میں نہ پڑیں۔ مثلاً کوئی شخص طویل عرصے کے بعد لوٹ رہا ہو تو اسے رات میں اچانک گھر پہنچنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، لیکن اب اطلاع کے ذرائع موجود ہونے کی وجہ سے گھر واپسی کسی بھی وقت جائز ہے۔

تیسیر کی بنیادیں

شریعت میں متعدد صورتوں میں تیسیر کو مشروع کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱۔ مشقّت

مشقت سے مراد یہ ہے کہ آدمی کسی عمل کی انجام دہی میں تکلیف محسوس کرے، چاہے اس کا سبب یہ ہو کہ وہ عمل ہی دشوار ہو، یا عمل تو آسان ہو، لیکن کسی وجہ سے وہ اس کی انجام دہی میں دشواری محسوس کرے۔ شریعت میں جو احکام دیے گئے ہیں وہ عام طور پر انسانی قدرت سے ہم آہنگ ہیں۔ کسی ایسے عمل کا حکم نہیں دیا گیا ہے جو انسانی قدرت سے ماوراء ہو۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے اس پر عمل آوری میں زحمت محسوس کرتا ہو تو اسے مزید رعایت دی گئی ہے۔

مشقّت کی دو قسمیں ہیں: ایک معمولی مشقّت جو اعمال کی انجام دہی میں لاحق ہوتی ہے، لیکن اس سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا۔ اسے برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرے ناقابل برداشت مشقّت۔ اسے گوارا کرنا باعثِ اجر نہیں ہے، بلکہ اس کے معاملے میں سہولت فراہم کی گئی ہے۔ ناقابلِ برداشت مشقّت کا اندازہ بسا اوقات خود مکلّف شخص کرے گا، کیوں کہ وہ اپنے احوال سے زیادہ باخبر ہے، مثلاً طہارت، نماز، روزہ اور حج کے بعض احکام میں

ہر آدمی خود فیصلہ کرے گا کہ وہ ان پر کسی حد تک عمل کر سکتا ہے اور بعض معاملات میں مشقّت کا اندازہ ماہرین کریں گے، مثلاً حاملہ عورت یا مریض کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر مشورہ دے گا کہ وہ روزۂ رمضان رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲۔ عاجزی

عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی عمل کی انجام دہی پر قادر نہ ہو۔ اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں: عاجزی کلّی ہو کہ آدمی کوئی کام بالکل نہ کر سکتا ہو، مثلاً مرض کی وجہ سے پانی استعمال کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہو۔ اس صورت میں تیمم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ عاجزی جزئی ہو کہ آدمی عمل تو کر سکتا ہو، لیکن مشقّت کے ساتھ۔ اس صورت میں اسے سہولت فراہم کی گئی ہے، مثلاً مریض اور مسافر روزہ رکھ سکتے ہیں، لیکن انہیں بعد میں قضا کرنے کی اجازت دی گئی، حالتِ سفر میں نماز پوری پڑھی جا سکتی ہے، لیکن قصر کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر عاجزی دائمی ہے تو تیسیر بھی ہمیشہ حاصل رہے گی، لیکن اگر عاجزی وقتی ہے تو تیسیر بھی وقتی طور پر حاصل ہوگی۔ قدرت حاصل ہوتے ہی آدمی اصل حکم کا مکلّف ہوگا۔

۳۔ عمومِ بلویٰ

عموم بلویٰ سے مراد وہ حالت یا کیفیت ہے جس سے بچنا لوگوں کی بڑی تعداد کے لیے ناممکن ہو، یا بہت زیادہ زحمت طلب ہو۔ اس صورت میں تیسیر کا حکم آ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بلّی پالتو جانور ہے، گھروں میں مستقل آتی جاتی رہتی ہے۔ اس لیے حدیث میں اس کے جھوٹے کو پاک قرار دیا گیا ہے۔ بارش کے زمانے میں راستوں میں چلنے کی وجہ سے کپڑوں پر چھینٹیں آ جاتی ہیں، وہ معاف ہیں، ان کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

۴۔ اضطرار

اضطرار اس حالت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حرام کے ارتکاب پر مجبور ہو جائے۔ یہ عذر آدمی کے لیے حرام کو حلال کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں حالتِ اضطرار میں حرام کے حلال ہونے کا ذکر کئی آیات میں ہوا ہے۔ (البقرۃ: ۱۷۳، المائدۃ: ۳، النحل: ۱۱۵، الانعام: ۱۴۵) عذر رفع ہونے کے بعد حرمت لوٹ آئے گی۔ مثال کے طور پر عورت کا ستر مرد کے لیے حرام ہے۔ علاج معالجہ کے لیے کوئی خاتون ڈاکٹر موجود ہو تو اس کی خدمات حاصل کی جائیں، لیکن اگر وہ موجود نہ ہو تو مرد ڈاکٹر سے علاج کرایا جا سکتا ہے۔ ریشم پہننا مرد کے لیے حرام ہے، لیکن وقتِ ضرورت جائز ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کو خارش یا کسی اور تکلیف کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی تھی۔ [۲۸]

تیسیر کے اثرات

تیسیر کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا ہے:

۱۔ تاخیر: یعنی کسی عمل کو بعد میں کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے، مثلاً مرض یا سفر کی وجہ سے آدمی رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے تو بعد میں اس کی قضا کرے۔ عورت حیض یا نفاس کی وجہ سے روزۂ رمضان نہ رکھ سکے تو اسے بھی بعد میں اس کی قضا کرنے کی اجازت ہے۔

۲۔ بدل: یعنی کسی حکم کا بدل پیش کر دیا جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص وضو نہ کر سکے تو تیمم کر لے، روزہ نہ رکھ سکے تو مسکین کو کھانا کھلا دے، یا فدیہ ادا کر دے، نماز میں قیام نہ کر سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے، رکوع اور سجدہ کرنے میں دشواری محسوس کرے تو اشارے سے نماز ادا کر لے۔

۳۔ تخفیف: یعنی کسی عمل میں کمی کر دی جاتی ہے۔ مثلا سفر میں نماز قصر یعنی چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھنے کی اجازت ہے۔

۴۔ تقدیم: یعنی کسی عمل کو پہلے کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے، مثلاً میدانِ عرفات میں نمازِ عصر کو نمازِ ظہر کے ساتھ پڑھنے کی اجازت ہے۔ سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ نکالنے کی اجازت ہے۔ رمضان کی ابتدا ہی میں صدقۂ فطر ادا کرنے کی اجازت ہے۔

۵۔ اِسقاط: یعنی دشواری کی وجہ سے حکم ہی ساقط کر دیا جائے، مثلاً نابالغ اور مجنون کو احکام کا مکلّف نہیں بنایا گیا ہے۔ اس طرح حائضہ اور نفساء سے نماز ساقط کر دی گئی ہے۔ کوئی شخص وضو اور تیمم کسی پر قادر نہ ہو تو اس کے بغیر نماز ادا کر سکتا ہے۔

۶۔ تغییر: یعنی حکم باقی رکھنے کے ساتھ اس کی ہیئت تبدیل کر دی جاتی ہے، مثلاً بیماری میں لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، صلاۃ الخوف میں عام طریقے سے ہٹ کر نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

۷۔ رخصت: یعنی عارضی طور پر حرام کام کی چھوٹ دے دی جاتی ہے، مثلاً حالتِ اضطرار میں مردار کھانے کی اجازت دی گئی ہے، جبر وکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر زبان پر لانے کی اجازت ہے۔

تیسیر اور رخصت

عزیمت اور رخصت دو اہم اصطلاحیں ہیں، جن کا تعلق معمولاتِ زندگی میں احکامِ شریعت سے ہے۔ عزیمت کا تعلق ان احکام سے ہے جن پر لوگ عام حالات میں بہ آسانی عمل کر سکتے ہیں، جب کہ کسی عذر کی وجہ سے عمل نہ کر پانے یا عمل کرنے پر ناقابل برداشت مشقّت میں مبتلا ہونے کی صورت میں انہیں رخصت دے دی جاتی ہے۔ گویا رخصت عام قانون سے استثنا ہے۔ اس کے ذریعے مکلّف کی عدمِ استطاعت کی وجہ سے اسے سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عزیمت اور رخصت دونوں شریعت کا مقصود ہیں اور دونوں کا الگ الگ محل ہے۔ عزیمت بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق اور رخصت بندوں کے لیے اس کا انعام ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے:

فَيَدخُلُ فِي الرُّخصةِ عَلَى هٰذا الوَجهِ مَاكانَ تَخفِيفاً وَتوسِعَةً عَلى المُكَلَّفِ، فَالعَزائِمِ حَقُّ اللّٰهِ عَلَى العِبَادِ وَالرُّخَصُ حَظُّ العِبَادِ مِنَ لُطُفِ اللّٰهِ ۲۹

''اس طور پر رخصت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کا حکم بندے پر تخفیف اور توسّع کے اعتبار سے دیا گیا ہے۔ عزیمت کے احکام بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور رخصتوں میں بندے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں دو قدرتیں رکھی ہیں: ایک امکانی قدرت، جسے 'قدرت بالقوۃ' کہتے ہیں، دوسرے عمل کرنے کی قدرت، جسے 'قدرت بالفعل' کہا جاتا ہے۔ عزیمت کا تعلق پہلی قدرت کے مطابق احکام وضع کرنے سے ہے اور رخصت کا مطلب یہ ہے کہ کسی عارض یا مشقّت یا حرج کی صورت میں اگر کوئی شخص واقعتاً عمل پر قادر نہ ہو تو اس کو استثنا حاصل ہو۔ دونوں قدرتوں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔ اگر صرف پہلی قدرت پیش نظر رہے گی تو رخصت کے احکام ضائع ہوں گے اور اگر دوسری قدرت کو ملحوظ رکھا جائے گا تو عزیمت کے احکام پامال ہوں گے۔

رخصت کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ رخصتِ واجبہ: اس کو اختیار کرنا ضروری ہے، جیسے اضطراری حالت میں مردار کھانا۔

۲۔ رخصتِ مستحبّہ: اسے اختیار کرنا باعثِ اجر ہے، جیسے نماز میں قصر کرنا۔

۳۔ رخصتِ مباحہ: جیسے جمع بین الصلاتین۔

تیسیر کے اہم ضوابط

تیسیر کے معاملے میں غور کرتے ہوئے کچھ اہم ضوابط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱۔ قرآن وسنت کے نصوص سامنے رکھے جائیں

احکامِ شریعت کا علم کتاب وسنّت سے ہوتا ہے، اس لیے تیسیر کے وقت کتاب وسنّت سے رجوع ہونا ضروری ہے۔ وہ نصوص سامنے رکھے جائیں جن میں تیسیر اور رفع حرج کی وضاحت کی گئی ہے اور وہ قواعدِ کلّیہ اور مبادیٔ عامہ پیش نظر رہیں جن سے جزئی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔ جو تیسیر صریح شرعی نصوص کے متصادم ہو وہ ناقابلِ قبول ہے؟

۲۔ مقاصدِ شریعت کو پیش نظر رکھا جائے

احکامِ شریعت مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں۔ تیسیر کا مقصد احکامِ الٰہی پر عمل کرنے یا ممنوعات سے رُکنے میں سہولت فراہم کرنا ہے، اسی لیے انہیں انسانوں کی قدرت و استطاعت سے مربوط رکھا گیا ہے۔ تیسیر کے وقت دیکھا جائے کہ کیا جن مقاصدِ شریعت کے لیے وہ احکام دیے گئے ہیں، ان کی تکمیل ہو رہی ہے؟

۳۔ مکلف کی استطاعت اور حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکام بتائے جائیں

احکامِ شریعت میں عزیمت اور رخصت دونوں طرح کے احکام ہیں۔ عزیمت کے احکام عام حالات کے لیے ہیں، جب کہ رخصت کے احکام استثنائی اور ہنگامی صورتوں کے لیے ہیں۔ فقہ التیسیر کا تقاضا ہے کہ احکام بتاتے وقت مکلّف کی قدرت و استطاعت کو ملحوظ رکھا جائے۔ عام حالات میں عزیمت کے احکام بتائے جائیں اور عذر اور مشقّت کے وقت سہولت پر مبنی احکام ذکر کیے جائیں۔

۴۔ بلا ضرورت رخصتوں کا تتبّع نہ کیا جائے

تیسیر مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے میں سہولت فراہم کرنے کے لیے ہے۔ اگر تیسیر مقصود بن جائے تو آدمی شریعت سے دوٗر ہو جاتا ہے اور مطلوبہ کیفیت کے ساتھ احکام پر عمل نہیں کر پاتا، چاہے عبادات کا میدان ہو یا معاملات کا، لہٰذا مطلوب یہ ہے کہ بلا ضرورت رخصتوں کا تتبّع نہ کیا جائے، بلکہ پہلے عام حالات میں دیے گئے شرعی احکام پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر عمل ممکن نہ ہو، یا اس میں بہت زیادہ دشواری ہو تب رخصت پر عمل کیا جائے۔

۵۔ بے جا توسّع سے بچا جائے

شریعت افراط اور تفریط کے درمیان اعتدال پر مبنی ہے۔ کوئی عمل نفس پر شاق گزرتا ہو، لیکن اسے کیا جا سکتا ہو تو اس میں تیسیر کی ضرورت نہیں۔ مزید یہ کہ صرف وہ تیسیر مقبول ہے جو شرعی قواعد پر مبنی ہو۔

۶۔ لوگوں کی خواہشات کے مطابق فتوے نہ دیے جائیں

فقیہ وہ احکام بتائے جو شارع کی مراد کو واضح کریں، نہ کہ شریعت سے آنکھ بند کر کے محض لوگوں کی خواہشات کے مطابق فتوے دے۔ احکام کا مقصد اللہ کی عبادت ہے، اس لیے تیسیر کی بنیاد مکلف کے حالات کے مطابق شریعت کے احکام بیان کرنا ہو۔

تیسیر۔ عبادات میں

تیسیر کا تعلق زندگی کے تمام پہلوؤں سے ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ صرف معاملات میں تیسیر کو ملحوظ رکھا جائے گا، عبادات میں اس کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ تیسیر کی رعایت جس طرح معاملات میں رکھی گئی ہے، اسی طرح عبادات میں بھی اسے ملحوظ رکھا گیا ہے۔ درج ذیل مثالوں سے اس کی بہ خوبی وضاحت ہو جائے گی:

۱۔ نماز کی صحت کے لیے طہارت شرط ہے۔ حدثِ اصغر سے پاکی کے لیے وضو اور حدثِ اکبر سے پاکی کے لیے

غسل کا حکم ہے۔ اگر کسی شخص کی دست رس میں پانی نہ ہو، یا کسی عذر کی وجہ سے وہ اس کے استعمال سے معذور ہو تو تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔ (المائدۃ:۶) موزے پہنے ہونے کی صورت میں مقیم ایک دن ایک رات اور مسافر تین دن تین رات ان پر مسح کر سکتا ہے۔ ۳۰ زخم کی وجہ سے کسی عضو پر پٹی بندھی ہوئی ہو تو اس کے اوپر مسح کی اجازت ہے۔ سلس البول کا مریض ہر نماز کا وقت شروع ہونے پر وضو کرے گا، اس کے بعد جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے۔ غسلِ جنابت کی صورت میں عورت کے لیے بالوں کا جوڑا کھولنا ضروری نہیں، ان کی جڑوں میں پانی پہنچا دینا کافی ہے۔ ۳۱

۲۔ قیام نماز کے ارکان میں سے ہے، لیکن اگر کوئی شخص مرض یا کم زوری کی وجہ سے قیام نہ کر سکے تو اسے بیٹھ کر اور اگر بیٹھنا بھی دشوار ہو تو پہلو سے یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ ۳۲ نماز میں قبلہ رخ ہونا ضروری ہے، لیکن اگر قبلے کا پتہ نہ ہو، یا اس کی طرف رخ کرنے میں دشواری ہو تو کسی بھی رخ پر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ مسافر کے لیے نماز میں قصر اور جمع بین الصلاتین کی اجازت ہے۔ ۳۳ بچے، مسافر اور عورت پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے۔ ۳۴ حیض اور نفاس کی حالت میں عورت سے نماز معاف ہے۔ ۳۵

۳۔ بنیادی ضروریات سے زائد مال ایک متعین مقدار کو پہنچ جائے اور سال بھر تک رہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ کوئی شخص چاہے تو زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے ادا کر سکتا ہے اور اگر واجب ہونے کے وقت اس کے پاس نقد رقم نہ ہو تو کچھ مدّت کے بعد ادا کر سکتا ہے۔

۴۔ ماہِ رمضان میں روزہ فرض کیا گیا ہے، لیکن مریض اور مسافر، اسی طرح حائضہ، نفساء (جس کے ہاں ولادت ہوئی ہو)، حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے لیے رخصت ہے کہ وہ حسبِ سہولت بعد میں اس کی قضا کر لیں۔ جو روزہ نہ رکھ سکے اور قضا بھی نہ کر سکے اس کے لیے فدیہ کا حکم ہے۔ جو فدیہ بھی ادا نہ کر سکے اس کے لیے وہ بھی معاف ہے۔

۵۔ حج صاحبِ استطاعت شخص پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ لوگوں کی حالت کی رعایت کرتے ہوئے حج کے تین طریقے بتائے گئے ہیں: (۱) افراد، یعنی آدمی صرف حج کرے۔ (۲) قِران، یعنی عمرہ اور حج ایک ہی احرام سے کرے۔ (۳) تمتّع، یعنی عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دے اور پھر ایّامِ حج آنے پر دوبارہ احرام باندھے۔ کوئی صاحبِ استطاعت شخص کسی عذر کی وجہ سے حج نہ کر سکے، یا کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس پر حج فرض ہو رہا ہو تو اس کی طرف سے حج بدل کو مشروع کیا گیا ہے۔ ۳۶ یوم النحر (۱۰/ذی الحجۃ) میں پہلے رمی، پھر قربانی، اس کے بعد حلق یا قصر کا حکم ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے ترتیب بدل جائے تو کوئی حرج نہیں۔ عورت کو حالتِ حیض میں احرام کی نیت کر لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح حائضہ اور نفساء کو طوافِ وداع سے رخصت دی گئی ہے۔ ۳۷

اس طرح کے بے شمار احکام ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسیر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں زندگی کے تمام

پہلو شامل ہیں۔

تیسیر۔ معاملات میں

شریعت نے معاملات میں بھی تیسیر کو ملحوظ رکھا ہے۔ چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ کسی مرد کے لیے نامحرم عورت کو دیکھنا جائز نہیں، لیکن نکاح کا پیغام دینے والے کو اس کی اجازت ہے۔ ۳۸ اسی طرح شہادت قبول کرنے کے لیے قاضی عورت کو دیکھ سکتا ہے، یا گواہ کسی فریق عورت کو شناخت کے لیے دیکھ سکتا ہے۔ عورت سے معاملہ کرتے وقت دوسرا فریق اسے دیکھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کو اجازت ہے کہ علاج معالجہ کی غرض سے عورت کو دیکھ لے۔

۲۔ عقد کے بارے میں اصول یہ ہے کہ بیعِ معدوم (جس چیز کا وجود نہ ہو) جائز نہیں ہے، لیکن ضرورۃً 'عقدِ استصناع' کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ قرآن وسنّت میں عہد کی پابندی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ لیکن ضرورت ومصلحت کے تحت متعدد 'خیارات' فراہم کیے گئے ہیں، مثلاً خیارِ بیع، خیارِ مجلس، خیارِ رؤیت، خیارِ عیب وغیرہ۔

نئے مسائل میں تیسیر

تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں نئے نئے مسائل پیش آرہے ہیں۔ قدیم فقہ میں ان کا حل نہیں ملتا، یا جو ملتا ہے وہ پُر مشقّت ہوتا ہے۔ اس لیے فقہاء نے تیسیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے سلسلے میں نئے احکام بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ نماز میں قیام فرض ہے۔ ٹرین یا ہوائی جہاز میں حرکت، بھیڑ بھاڑ اور قیام کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے فتویٰ دیا گیا ہے کہ بیٹھ کر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

۲۔ جن علاقوں میں بیس بائیس گھنٹے کا روزہ ہو، وہاں بوڑھے اور کم زور لوگوں کو روزہ رکھنے میں زحمت ہو تو ان کے لیے گنجائش ہے کہ وہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھ کر بعد کے ایسے دنوں میں قضا کریں جب کم وقت کا دن ہو، یا فدیہ ادا کریں۔

۳۔ میقات سے باہر رہنے والوں کے لیے حدودِ حرم میں داخلے کے وقت احرام باندھنا اور عمرہ کرنا ضروری ہے، لیکن تجارت پیشہ افراد، ملازمین، ٹیکسی ڈرائیور اور دیگر پیشہ ور لوگوں کو بار بار حرم میں آنا پڑتا ہے، ان کے لیے ہر بار احرام اور عمرہ کی پابندی زحمت طلب ہے، اس لیے انھیں اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ کسی شخص کو چلنے میں دشواری ہو تو اس کے لیے وہیل چیئر پر بیٹھ کر طواف اور سعی کرنے کی اجازت ہے۔

۵۔حج کے دوران میں حجاج کے لیے منیٰ میں رات گزارنا مسنون ہے،لیکن جگہ کی تنگی کی صورت میں یا حکومت کے نظام کی وجہ سے منیٰ سے باہر قیام کرنا پڑ جائے تو اس میں حرج نہیں۔

۶۔غروبِ آفتاب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے،لیکن ۱۱۔۱۲/ذی الحجہ میں بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے اس وقت بھی رمی کی اجازت دی گئی ہے۔

۷۔۱۲/ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگلے دن صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے،لیکن کسی مجبوری یا دشواری کی وجہ سے زوال سے پہلے بھی رمی کرنے کی گنجائش بتائی گئی ہے۔

۸۔اسپرٹ اصلاً ناپاک ہے،لیکن کپڑوں کے رنگ،روشنائی اور دیگر چیزوں میں اس کے استعمال کی وجہ سے ابتلائے عام کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔اس لیے اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔

۹۔عورت کے جلد حاملہ ہوجانے کی صورت میں موجود بچے کی پرورش اور رضاعت میں دشواری کا اندیشہ ہو تو مناسب وقفہ رکھنے کی خاطر عارضی مانعِ حمل تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔

۱۰۔ایتھائل الکوحل نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہے،لیکن علاج معالجہ کے مقصد سے الکوحل آمیز ادویہ کے استعمال کو جائز کہا گیا ہے۔

۱۱۔انسانی جان بچانے کے مقصد سے خون کا عطیہ دیا جاسکتا ہے۔اس کی رو سے بلڈ ڈونیشن کیمپ لگانے اور رضا کارانہ بلڈ بینک قائم کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

۱۲۔جسم میں پیدائشی عیوب (کٹا ہوا ہونٹ،ٹیڑھی ناک،زائد انگلی یا دانت)اور کسی حادثے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عیوب کی اصلاح کے لیے پلاسٹک سرجری کی اجازت دی گئی ہے۔

۱۳۔فسخِ نکاح کا اختیار اصلاً مسلم قاضی کو ہے،لیکن غیر مسلم ممالک کی عدالتوں میں عائلی تنازعات کثرت سے پہنچنے لگے ہیں اور غیر مسلم جج تفریق کے فیصلے کرنے لگے ہیں۔اس صورتِ حال میں غیر مسلم جج کے فیصلۂ تفریق کو طلاقِ بائن مان لیا گیا ہے۔

تیسیر کے پیش نظر دیگر مسلک پر فتویٰ

تیسیر کے موضوع پر غور کرتے ہوئے ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی فقہی مسئلے میں ایک چیز کو ناجائز قرار دیا گیا ہو اور دوسرے فقہی مسلک میں وہ جائز ہو تو کیا تیسیر کے پیش نظر دوسرے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے،یا اس کے مطابق فتوی دیا جاسکتا ہے؟ عام حالات میں فقہاء نے ’عدول عن المذہب‘ کو ناپسند کیا ہے،لیکن اگر کسی مسلک پر عمل کرنے میں واقعی دشواری ہو تو اس مسلک کے فقہاء نے دوسرے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ذیل میں چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔کسی عورت کا شوہر غائب ہو جائے اور باوجود کوشش کے اس کا بالکل پتہ نہ چل رہا ہو، اگر وہ دوسرا نکاح کرنا چاہے تو کتنا انتظار کرے گی؟ فقہ حنفی میں اس کی مدت ۶۰/۸۰ سال بتائی گئی ہے، جب کہ فقہ مالکی میں کہا گیا ہے کہ چار سال تک اسے تلاش کیا جائے گا، کچھ نہ معلوم ہو سکے تو قاضی اس کا نکاح فسخ کر دے گا، جس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔فقہائے احناف نے اس کو اختیار کر لیا ہے۔

۲۔نمازِ عصر کا وقت احناف کے ہاں 'مثلین' کے بعد شروع ہوتا ہے، لیکن اگر حرمین شریفین یا کسی اور مسجد میں مثل اوّل کے بعد نمازِ عصر ادا کی جارہی ہو تو حنفی مسلک پر عمل کرنے والے کے لیے بھی نماز ادا کر لینا درست قرار دیا گیا ہے۔

۳۔حج میں ۱۰/ذی الحجہ کو رمی، قربانی اور حلق یا قصر کو ترتیب سے انجام دینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔(دیگر فقہاء کے نزدیک سنت ہے) اور واجب کے ترک پر دم لازم آتا ہے۔لیکن آج کل بھیڑ بھاڑ، موسم کی شدّت اور مذبح کی دوٗری کی وجہ سے اگر یہ اعمال بغیر ترتیب کے انجام دیے جائیں تو فقہاء نے دم لازم نہیں کیا ہے۔

۴۔فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ جس عورت کو لمبے عرصے تک حیض نہ آئے، وہ جب تک سن ایاس میں نہ پہنچ جائے، عدّت میں رہے گی اور دوسرا نکاح کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ظاہر ہے کہ اس فتنے کے زمانے میں اس پر عمل ممکن نہیں ہے، اس لیے زمانہ اور حالات کو دیکھتے ہوئے حنفی فقہاء نے بھی مالکی مسلک پر فتوی دیا ہے، یعنی طلاق کے نو مہینے کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

۵۔آج کل بہت سے لوگ مضاربت میں منافع کو رأس المال بناتے ہیں۔فقہ حنفی کی روٗ سے ایسا کرنا درست نہیں ہے، لیکن کثرتِ تعامل اور عمومِ بلویٰ کی وجہ سے فقہائے احناف نے فقہ مالکی کے مطابق جواز کا فتوی دیا ہے۔

۶۔فقہ حنفی میں زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، اتنا ہی نہیں، بلکہ کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھوٗ لینا یا اس کی اندرونی شرم گاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھ لینا جماع کے مثل ہے، اس سے حرمتِ مصاہرت ہو جاتی ہے۔اس کی روٗ سے اگر کوئی شخص اپنی ساس یا بیٹی سے زنا کر لے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، جب کہ فقہ شافعی اور فقہ مالکی میں ایسا نہیں ہے۔ان کے نزدیک کسی حرام کام کے ارتکاب سے جائز کام ناجائز نہیں ہو جاتا۔بعض حنفی فقہا نے اس مسئلے میں فقہ شافعی و مالکی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

تیسیر کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوسرے مسلک پر فتویٰ کی متعدد مثالیں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے یہاں ملتی ہیں۔ یہاں ان کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔فقہ حنفی میں جمع بین الصلاتین صرف حج کے ساتھ خاص ہے، دوسرے مواقع پر جمعِ حقیقی نہیں، بلکہ جمعِ صوری ہو سکتا ہے، یعنی ظہر کی نماز آخری وقت میں اور عصر کی نماز اول وقت میں، اسی طرح مغرب کی نماز آخری وقت میں اور

عشاء کی نماز اول وقت میں ادا کی جائے۔ سید صاحب فرماتے ہیں: ''کسی اشد ضرورت اور سفر کی بے اطمینانی کے وقت ظہر وعصر کو ایک ساتھ اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ ملا کر بھی ادا کر سکتے ہیں۔''۳۹ے

۲۔فقہ حنفی میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک کو لازم قرار دیا گیا ہے، یعنی جب تک کسی غریب کو مالِ زکوٰۃ کا مالک نہ بنایا جائے، اس وقت تک وہ ادا نہیں ہوگی۔ سید صاحب کے نزدیک تملیک ضروری نہیں ہے، منفعت کافی ہے، یعنی غریبوں کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنائے بغیر اسے ان کے فائدے کے کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

''اکثر فقہاء نے کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک (یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا) ضروری ہے، مگر ان کا استدلال جو للفقراء کے لیے لامِ تملیک پر مبنی ہے، بہت کچھ مشتبہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لامِ انتفاع ہو، جیسے خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ:۲۹)'' ۴۰ے

۳۔کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو فقہ حنفی میں طلاق مغلّظ واقع ہو جاتی ہے اور نکاح ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ سید صاحب کے سامنے ایک نومسلم جوڑے کا معاملہ آیا، جس میں شوہر نے کسی بات پر خفا ہو کر بیوی کو تین طلاق دے دی تھی۔ اس پر انہوں نے یہ فتویٰ دیا: ''اہل سنت والجماعت میں مسلکِ اہل حدیث کی رؤ سے طلاق مغلّظ واقع نہیں ہوئی، رجوع کرا دیا جائے۔''۴۱ے

۴۔فقہ حنفی میں طلاقِ مُکرَہ (زورزبردستی کی طلاق) واقع ہو جاتی ہے، جب کہ امام مالکؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک نہیں واقع ہوتی۔ سید صاحب بھی عدمِ وقوع کے قائل تھے۔ ۴۲ے

تیسیر اسلامی شریعت کا ایک اہم اصول ہے۔ اس کا اطلاق فقہ کے تمام ابواب میں ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں افراط وتفریط پر مبنی رویّے اپنائے گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کے معاملے میں اعتدال پر مبنی رویّہ اختیار کیا جائے، وہ یہ کہ عام حالات میں عزیمت کی راہ اختیار کی جائے اور احکامِ الٰہی پر بے چوں وچرا عمل کیا جائے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے مشقّت اور دشواری درپیش ہو تو شریعت کی رخصتوں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔معجم مقاییس اللغۃ، احمد بن فارس، محقق: عبد السلام محمد ہارون، دار الفکر، ۱۹۷۹ء، ۲/ ۱۵۵، لسان العرب، ابن منظور، دار صادر بیروت، طبع سوم، ۱۴۱۴ھ، ۵/ ۲۹۵

۲۔الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، ابو نصر الجوھری، دار العلم للملایین بیروت، طبع چہارم، ۱۹۸۷، ۲/ ۸۵۷

۳۔مظاهر التيسير في الشريعة الاسلامية، كمال جودة أبو المعاطي، پی ایچ ڈی مقالہ جامعۃ الازہر قاہرہ، ۱۹۷۵، ص ۷

۴۔الموافقات: ۱/ ۵۳۱۔ ۵۳۲

۵۔الکشاف، زمخشری، مکتبۃ العبیکان الریاض، ۱۹۸۱، ۱/ ۵۲۰

۶۔صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول النبی: یسّر واولاتعسّروا:۶۱۲۶،صحیح مسلم:۲۳۲۷
۷۔سنن نسائی، کتاب الیمان وشرائعہ ،باب الدین یسر: ۵۰۳۴،صحیح بخاری:۳۹
۸۔صحیح بخاری، کتاب الجہادوالسیر ،باب مایکرہ من التنازع:۳۰۳۸،صحیح مسلم: ۱۷۳۳
۹۔مسنداحمد،مسند عبداللہ بن عمر:۵۸۶۶
۱۰۔سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فی الحسد: ۴۹۰۴
۱۱۔صحیح مسلم، کتاب العلم، باب ھلک المتنطّعون:۲۶۷۰
۱۲۔صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضیلۃ العمل الدائم: ۷۸۲
۱۳۔صحیح بخاری، ابواب تقصیرالصلاۃ، باب اذالم یطق قاعداً صلی علی جنب:۱۱۱۷
۱۴۔صحیح بخاری، کتاباالاذان، بابالرخصۃ فی الطروالعلّۃ ان یصلی فی رحلہ:۶۶۶،صحیح مسلم:۶۹۷
۱۵۔سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب اذاوافق یوم الجمعۃ یوم عید:۱۰۷۰،سنن ابن ماجہ:۱۳۱۰
۱۶۔صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب السواک یوم الجمعۃ:۸۸۷،صحیح مسلم: ۲۵۲
۱۷۔صحیح بخاری، ابواب التہجد ، باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی قیام اللیل:۱۱۲۹،صحیح مسلم:۷۶۱
۱۸۔صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب انتظارالناس قیام الامام العالم:۸۶۸
۱۹۔صحیح بخاری، ابواب التہجد ، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ:۱۱۵۰
۲۰۔صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان: ۱۱۱۴
۲۱۔شرح معانی الاثار، طحاوی، عالم الکتب، طبع اول، ۱۹۹۴ء، ۲/۶۶
۲۲۔مصنف عبدالرزاق:۴۴۹۲،تحقیق حبیب الرحمن اعظمی، المکتب الاسلامی بیروت، طبع دوم، ۱۴۰۳ھ
۲۳۔مصنف عبدالرزاق:۱۶۰۳۸
۲۴۔اعلام الموٗقعین ،ابن قیم الجوزیۃ، دارالکتب العلمیۃ ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۱ء، ۱/۵۸
۲۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ:۶۷۹۷
۲۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۹۱۲۴
۲۷۔الاشباہ والنظائر، ص ۸۰
۲۸۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب مایرخّص للرجال من الحریر للحکّۃ:۵۸۳۹،صحیح مسلم:۲۰۷۶
۲۹۔ الموافقات:۱/۵۲۳
۳۰۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین : ۲۷۴

۳۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب حکم ضفائر المغتسلۃ: ۳۳۰، ۳۳۱
۳۲۔صحیح بخاری، ابواب تقصیر الصلاۃ، باب اذا لم یطق قاعداً صلّی علی جنب: ۱۱۱۷
۳۳۔صحیح بخاری، ابواب تقصیر الصلاۃ م باب باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء: ۱۱۰۷
۳۴۔سنن ابی داوٴد، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ: ۱۰۶۷
۳۵۔صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب لا تقضی الحائض الصلاۃ: ۳۲۱، صحیح مسلم: ۳۳۵
۳۶۔ صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحج والنذور للمیّت: ۱۸۵۲، صحیح مسلم: ۱۳۳۵
۳۷۔صحیح بخاری، کتاب الحج، باب طواف الوداع: ۱۷۵۵
۳۸۔صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب النظر الی وجہ المرأۃ وکفّیھا لمن یرید تزوّجھا: ۱۴۲۴
۳۹۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے چند فقہی مقالات، رحمت اللہ ندوی، مجلس تحقیقاتِ شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۰۲۲ء، ص ۲۱۸، بہ حوالہ سیرۃ النبی، الفیصل، لاہور، ۵/ ۲۷۔ ۷۳
۴۰۔ حوالۂ سابق، ص ۲۱۹، بہ حوالہ سیرۃ النبی، ۵/ ۱۲۹
۴۱۔ حوالۂ سابق، ص ۲۱۲، بہ حوالہ ماہ نامہ برہان دہلی، دسمبر ۱۹۸۴ء
۴۲۔ حوالۂ سابق، ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، بہ حوالہ حیاتِ مالک ص ۵۷۔ ۵۸

یُسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا نذیر احمد کشمیری

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مؤقر ذیلی ادارے جس کا احیاء نو ہر طرح سے مستحق تبریک وتحسین ہے، مجلس تحقیقات شرعیہ کے چھٹے فقہی سیمینار کے لئے مقررہ موضوعات میں سے ایک اہم ترین موضوع ''یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے'' بھی ہے۔ ذیل میں ایک مختصر تمہید کے بعد سوالات کے اجمالی جوابات پیش خدمت :

اسلام کے دیگر بے شمار خصائص واوصاف میں سے ایک اہم وصف اُس کا فطرت انسانی سے ہمہ جہت موافق اور ہم آہنگ ہونا بھی ہے اور مجموعی طور پر آسان دین ہونا بھی ہے، خود سوال نامہ میں جو آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ نقل ہوئی وہ بھی اور اس کے علاوہ اور بہت ساری آیات کریمہ، احادیث شریفہ اور شریعت احکام میں ملحوظ مصالح اس کا بین ثبوت ہے کہ یہ دین آسان ہے۔

انسان کے جتنے فطری تقاضے ہیں اُن کے پورا کرنے میں پوری طرح انسان کو اختیار بھی دیا گیا اور وسائل حیات کو استعمال کرنے کے سلسلہ میں یُسر کے پہلو کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ پھر جو احکام دیئے گئے اُن کی ادائیگی میں اِس امر کو ملحوظ رکھا گیا کہ جب اُس کی ادائیگی میں مشقت سامنے آئے گی شریعت رخصت دیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام دیگر ادیان عالم کے مقابلے میں مکمل بھی ہے، فطرت انسانی سے ہم آہنگ بھی اور نسبتاً نہایت آسان اور سہل بھی۔

شارع اسلام علیہ السلام کے بے شمار ارشادات اور عملی اقدامات سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دین کو آسان سے آسان تر بنانے کی ہمیشہ سعی فرمائی اور دین کو یُسر کے ساتھ پہونچانے کی ترغیب وتلقین بھی فرمائی اور اگر کوئی ایسی تجویز حضرات صحابہ کی طرف سے سامنے آئی جس میں عُسر کا پہلو غالب ہوتا تو آپ اس پر نکیر فرماتے۔ آپ کا مزاج ومعمول یہ تھا:

ما خیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الا اختار السیر ھما (بخاری حدیث نمبر ۲۴۹۱)

اس میں جو مصلحت ہے وہ بالکل واضح ہے کہ رب العالمین جس کی ذات ارحم الراحمین بھی ہے، کی طرف سے ایسا دین بندوں کے لئے نہ آئے جو اُن کے لئے بوجھ بن جائے۔

اِس تمہید کے بعد ادارے کے بیدار مغز اور بابصیرت اہل علم کی طرف سے قائم کردہ سوالات کے جوابات ذیل میں پیش ہیں:

(۱) تیسیر ''یُسر'' سے ماخوذ ہے۔ یُسر کا لفظ قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ یہ حرج اور مشقت کی ضد ہے۔ ہر وہ عمل جس میں مشقت وحرج کو دور کردیا گیا ہو وہ یُسر کہلائے گا۔ درحقیقت ہر قول یا فعل جس انجام دہی کی تکلیف اہل ایمان کو دی گئی ہے۔ اُن کو مکلف بناتے ہوئے اس حکم کو آسان سے آسان تر رکھا گیا ہے۔ یہ دین کا مجموعی یُسر ہے۔ پھر ہر ہر عمل کو ادا کرتے ہوئے اگر کسی کو جزوی طور پر یا شخصی طور پر مشکل کا سامنا ہو تو اُس میں مزید رخصت دے کر مزید یُسر پیدا کیا گیا۔ مثلاً روزہ فرض کیا گیا تو اس میں فطرت انسانی کی عمومی قوتِ برداشت کو پیش نظر رکھا گیا۔ اسی لئے صرف اتنا لمبا روزہ رکھا گیا جو انسان کی نہ تو ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے اور نہ ضعف کا۔ پھر یہ روزہ بھی جب کسی انسان کے لئے مشقت کا سبب بن جائے مثلاً مرض کا سامنا ہو یا سفر کا حال ہو تو مزید رخصت دی گئی کہ رمضان کے روزوں کی قضا کی اجازت دی گئی۔ اسلام کے یُسر میں یہ نکتہ ملحوظ ہے کہ کسی بھی فعل کے انجام دینے میں حرج ومشقت کا سبب غفلت، کسلمندی اور طبعی سستی نہ ہو بلکہ اس حرج کا باعث حقیقی اور واقعی ہو اور وہ حرج سب کی نظر میں حرج ہو۔ اُسی حرج کو یُسر کا سبب مانا جائے گا۔

یُسر مہیا کرنے کے لئے عمل تیسیر شریعت کا ایک اہم باب ہے مگر اس کے چند اہم قیودات ہیں۔ اُن میں ایک اہم شرط یہ ہے:

ما خیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الامرین الا اختار ألیسر ھما ... مالم یکن اثما۔ بخاری

اس میں ''مالم یکن اثما'' قید لازم ہے گویا یُسر دیتے ہوئے اِس حد کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ دفع حرج اور احیاءِ یُسر میں ارتکاب معصیت نہیں کرایا جائے گا۔ مثلاً نماز کی ادائیگی اگر کسی شخص کو بر بنائے معرض مشقت میں ڈالے تو یُسر دیتے ہوئے یہ نہیں کہا گیا کہ سرے سے نماز ہی ترک کردو۔ بلکہ تخفیف دی گئی کہ کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکیں تو بیٹھ کر پڑھیں۔ بیٹھ کر نہ پڑھ سکیں تو لیٹ کر پڑھیں اور اگر لیٹ کر بھی نہ پڑھ سکیں تو نماز قضا کردیں اور اگر کوئی شخص بیہوش ہو تو دن رات مکمل بیہوشی کے باعث نماز معاف ہوگی۔ غرض کہ بر بنائے مرض ترک عمل اثم ہے اور تخفیف عمل یُسر ہے۔ مجموعی طور پر کسی بھی عمل میں یُسر یا رُخصت دینے کے لئے کچھ حدود وشرائط ہیں جن کو اصولین نے اپنے اپنے انداز سے بیان فرمایا ہے۔ جو یوں ہیں:

الف — وہ کسی نص سے متصادم نہ ہو

ب — اُس کا محرک ہوائے نفسانی نہ ہو

ج — اُس کی ادائیگی میں حرج عمومی ہو نہ کہ انفرادی ہو

د اُس کی ادائیگی میں حرج کا سبب کسل نہ ہو

ہ وہ حرج ہر شخص یا غالب اکثریت کے لئے حرج ہو

و اُس حرج کا محرک دیگر اقوام کی نقالی یا فیشن نہ ہو

اِن امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو حرج و مشقت پایا جائے اُس کو رفع کرنے کے لئے حدودِ شریعت میں جو آسانی پیدا کی جائے گی وہ تیسیر ہے اور اُس عمل تیسیر سے جو کیفیت پیدا ہوگی وہ یُسر ہے جیسے بیماری کی وجہ سے ترکِ صوم یا مرض کی وجہ سے تیمم کی ادائیگی۔ تو تیمم اور قضائے صوم یُسر ہے اور مرض سبب ہے حرج کا اور حرج متقاضی ہے کہ یُسر پیدا کیا جائے۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں تیسیر کی بنیادیں کیا ہیں، تیسیر کے اسباب کیا ہیں اور اُس کا دائرہ کار کیا ہے۔

اسلام بندوں کے لئے خالق و مالک جو ارحم الراحمین ہے کا دین ہے اور وہ بندوں کی فطرت، قوت عمل اور ہمت و استطاعت سے واقف ہے کیونکہ وہی خالق ہے تو ایک طرف دین کو مجموعی طور پر آسان بنایا اور پھر جہاں اور جب بندوں کو مزید یُسر کی ضرورت ہوگی اللہ کی طرف سے یُسر عطا ہوگا۔ مثلاً کفارۂ ظہار میں فرمایا گیا جو شخص کفارے میں روزے نہ رکھ سکے تو وہ کفارہ بصورت اطعامِ مساکین ادا کرے۔ تو تیسیر کی بنیادیں خود خالق انسان اللہ تعالیٰ اور شارعِ اسلام علیہ السلام کے ارشادات ہیں اور یہ عموماً درج ذیل احوال میں عطا ہوتی ہیں: ان میں سے کچھ اسباب کثیر الوقوع ہیں اور کچھ قلیل الوقوع مثلاً مرض، سفر اور عموم بلوی کثیر الوقوع ہیں جبکہ جہل، نقص وغیرہ بہت کم پائے جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر اصولیین نے یہ اسباب بیان فرمائے ہیں:

(۱) مرض (۲) سفر (۳) اکراہ (۴) نسیان (۵) جہل (۶) عموم بلوی (۷) نقص (۸) عجز۔

یہ اسباب اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ فقہ و اصول فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مختصراً تشریح یہ ہے:

مرض کی وجہ سے صوم و صلوٰۃ میں خاص یُسر دیا گیا کہ مریض کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر اور آج کل کرسیوں پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ مرض کی وجہ سے جمعہ و جماعت میں تخفیف ہے۔

مرض کی وجہ سے صوم کی قضا کرنا درست ہے اور اگر مرض مزمن ہو تو پھر صوم کا فدیہ مقرر کر کے رخصت دی گئی۔

مرض کی وجہ سے وضو و غسل کے بجائے تیمم مشروع کیا گیا۔

مرضِ شدید کی بنا پر حج بدل اور مریض رمی جمار نہ کر پائے تو وکالۃً رمی کی اجازت دی گئی۔

سفر اگر شرعی ہو یعنی مسافتِ سفر متحقق ہو تو اس مسافر کو فرض نماز میں قصر، جمعہ و جماعت میں تخفیف، مسح علی الخفین میں تین دن تک جوازِ مسح یہ سب سفر کی وجہ سے دی گئی رخصت ہے۔

اکراہ: ایسا جبر و دباؤ کہ مکرہ اُس کام کو کرنے پر مجبور ہو جائے۔ ورنہ اُس کی جان یا مال خطرہ میں پڑ جائے۔ اکراہ کے نتیجہ میں قولی و فعلی بے شمار مسائل میں بہت اہم تخفیفات اور رخصتیں دی گئی ہیں۔ کلمہ کفر زبان سے نکالنا اور پھر کافر نہ ہونا۔ محرمات شرعیہ کا ارتکاب جبراً کرایا جائے اور وہ بوجہ اکراہ ماخوذ نہ ہو۔

اکراہ کی بنا پر انسان کے قولی و فعلی تصرفات میں کیا کیا احکام ہیں۔ اس کی تفصلات کتب فقہ میں ہیں۔ یہاں صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ اکراہ اُن اسباب میں سے اہم سبب جو شریعت اسلامیہ میں تخفیف کا سبب ہے۔

نسیان: نسیان بھی ایک ایسا سبب ہے جس میں شریعت نے یُسر عطا کیا ہے۔ اس کے لئے وہ حدیث اہم بنیاد ہے جس میں ارشاد ہے:

رفع عن امتی الخطا والنسیان۔

دوسری حدیث یہ ہے

ان اللہ تجاوز عن امتی الخطا والنسیان وما استکرھوا علیہ۔ (مستدرک حاکم)

چنانچہ روزے میں بھول کر کھانے پر روزہ برقرار رکھا گیا اور یہ نسیان ہی سبب تخفیف بن گیا۔

جہل: یُسر کے اسباب میں سے ایک اہم سبب جہل بھی ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسی جگہ ہو جہاں احکام شرع جاننے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور وہ فرائض و محرمات سے ناواقف ہو تو یہ جہل اُس کے لئے موجب تخفیف ہے چنانچہ فقہ اکیڈمی کے سیمینار منعقد ۸/۳/۴۰ھ بمقام راجستھان یہ فیصلہ ہوا:

جن اعذار کی بنا پر احکام شرعیہ ساقط ہوتے ہیں یا اُن کی وجہ سے کچھ تبدیلی یا تخفیف ہوتی ہے اُن میں ایک جہالت بھی ہے۔ آگے یہ لکھا گیا:

امور اعتقادیہ میں جس امور کا احکام اسلام میں ہونا عام طور پر معروف و مشہور نہیں اُن میں جہالت کی بنا پر کوئی شخص مبتلا ہو جائے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

تجویز میں ایک دفعہ آئی ہے: جن علاقوں اور مقامات میں احکام شرعیہ سے واقفیت کے امکانات اور مواقع نہ ہوں وہاں مسلمانوں کو احکام شرع سے ناواقفیت میں معذور سمجھا جائے گا۔

رخصت کے اسباب میں سے ایک سبب عموم بلوی بھی ہے

عموم بلوی سے مراد ایسا ابتلاء عام کہ جس میں تمام لوگ یا لوگوں کی اکثریت مبتلا ہوگئی ہو اور اب اس امر کو خلاف شریعت قرار دینا لوگوں کو حرج میں مبتلا کرنا ہو۔ یہ عمومی ابتلاء رخصت کا سبب بنتا ہے مگر اس کے لئے ایک اہم شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف نص نہ ہو۔ مثلاً حلق لحیہ کا ابتلاء عام ہے مگر چونکہ اس کے خلاف نصوص موجود ہیں اس لئے حلق لحیہ

کے اس عموم کو رخصت کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا۔اس کے برخلاف بچوں کے مس مصحف یا نجاست کی مقدار قلیل جس سے تحرز ممکن نہیں۔عموم بلوی ہے۔اس لئے یہ وجہ جواز ہوسکتا ہے۔یہی رخصت ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عموم بلوی کو سبب رخصت مان کر بہت سارے مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔

نقص: اسبابِ رخصت میں سے ایک سبب نقص بھی ہے، اس میں مراد عقل ہے کا نقص جو بچے یا مجنوں و معتوہ میں ہوتا ہے۔چنانچہ ناقص العقل افراد جن میں طفلِ نابالغ اور جنون میں مبتلا شخص بہت سارے احکام شرع میں مکلّف نہیں اور بہت ساری جنایات میں ماخوذ نہیں۔

اسباب رخصت میں سے ایک سبب عجز بھی ہے جب کوئی صاحب ایمان کسی عمل کو انجام دینے سے عاجز ہو جائے تو اُس کو رخصت دی جائے گی۔چنانچہ جس مسلمان کا سارا مال ضائع ہو گیا اور یہ حولانِ حول کے بعد ہوا تو چونکہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے سے عاجز ہو گیا اس لئے اُس سے زکوٰۃ معاف ہو گئی۔اسی طرح شیخ فانی جو روزہ رکھنے میں عاجز ہو گیا تو اسے روزہ کا فدیہ کرنے کی اجازت ہے، یہ اُس کے لئے رخصت ہے۔فاقد الطہورین شخص کو نماز قضا کرنے یا تشبیہ بالمصلین اختیار کرنے کی اجازت دی گئی۔

اِس طرح یہ اہم ترین واضح اسباب ہیں جو شریعت اسلامیہ میں معتبر ہیں اور سببِ یُسر ہیں۔

تیسرا سوال: تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور حضرات صحابہ کے طریقۂ کار سے واضح رہنمائی ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں مشقت اور حرج سامنے آئے قرآن کریم یُسر کا پہلو اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔اس کی مثال مرض کی بنا پر تیمم کی اجازت دینا ہے۔اسی طرح احادیث میں بھی اس کی بے شمار تصریحات ملتی ہیں، صحابۂ کرام کے طرز عمل سے دو مثالیں پیش ہیں:

حضرت ابو برزہ اسلمی مقام اَہواز میں عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اور نماز کے دوران گھوڑے کی لگام ہاتھ سے تھامے ہوئے تھے۔گھوڑا آگے کی طرف بڑھنے لگتا تو یہ بھی دو چار قدم اُس کے ساتھ نماز کے دوران ہی بڑھ جاتے۔ایک خارجی نے یہ منظر دیکھا تو برا بھلا کہا۔ایک روایت میں ہے کہ اُس نے کہا اس گدھے کو دیکھو کیا کر رہا ہے۔ازرق بن انس نام کے شخص نے اُس کو ڈانٹتے ہوئے کہا: یہ صحابی ہیں تو ان کو برا بھلا کہتا ہے۔اتنے میں جب حضرت ابو برزہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میں نے تم دونوں کی بات سن لی پھر اپنا تعارف کرایا کہ میں نے حضرت نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ چھ سات یا آٹھ غزوات میں شرکت کی ہے اور حضرت نبی کریم علیہ السلام کی تیسیر کو دیکھا ہے۔پھر فرمایا کہ اگر میری سواری کا یہ گھوڑا کہیں چلا جاتا تو میرے لئے پریشانی کھڑی ہو جاتی اس لئے میں نے لگام پکڑ کر رکھی اور اسی حال میں نماز پڑھی اس میں کیا حرج ہے۔(بخاری رقم حدیث ۱۲۱۱)

بخاری کے اسی باب میں ہے۔حضرت قتادہ نے فرمایا: نماز کے دوران اگر کوئی چور کپڑا لے کر بھاگے تو نماز توڑ

کر چور کے پیچھے دوڑے۔ تاکہ اپنا کپڑا واپس لے سکے۔

دوسری مثال: حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم نے تُستر (ایران کا ایک مقام) میں قلعہ پر حملہ کیا۔ یہ حملہ نماز فجر کے وقت ہوا۔ اگر جنگ روک کر نماز فجر پڑھتے تو قلعہ ہاتھ سے نکل جاتا اور فتح نہ ہو پاتی۔ حضرت انس کہتے ہیں ہم نے جنگ جاری رکھی۔ یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہوا۔ فتح بھی ہوگئی اور ہم نے نماز فجر قضا پڑھی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ یہ قضا نماز فجر مجھے دُنیا و مافیہا سے زیادہ مسرت بخش ہے۔ (بخاری حدیث نمبر ۹۴۵ سے پہلے۔ ابواب صلوٰۃ الخوف باب نمبر ۴، الصلوٰۃ عند لقاء العقد)۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی رخصتیں تو مشہور ہیں۔ مثلاً شدید بارش کے وقت موذن سے فرمایا اذان میں حی علی الصلوٰۃ کے بجائے یہ کہو الصلوٰۃ فی الرحال۔

غرض کہ حضرات صحابہ کرام کا عمل اس بارے میں رخصتوں پر عمل کرنے کا تھا۔

چوتھا سوال: تیسیر کے متعلق بنیادی قواعد کیا ہیں؟ اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ اس میں

(الف) کسی حکم شرعی کی مخالفت لازم نہ آئے۔

(ب) مقصود رفع حرج ہو نہ کہ اتباع نفس۔

(ج) امت کے لئے یُسر پیدا کرنا مطمح نظر ہو نہ کہ غیروں کی نقالی۔

(د) جس طرح کا دفعیہ مقصود ہو وہ حرج حقیقی ہو نہ کہ کسل و سستی کی بنا پر جذبۂ ترک عمل۔

(ہ) وہ حرج عام ہو چکا ہو اور غالب اکثریت اُس کو حرج تسلیم کرے۔ اس کی عمدہ مثال آج کے عہد میں کرسیوں پر نماز پڑھنے کا سلسلہ ہے۔ چنانچہ پچھلی پوری اسلامی تاریخ میں ایسا سلسلہ پورے عالم میں کہیں نہیں تھا کہ جیسا آج عرب و عجم کی مساجد کا حال ہے۔

حرمین سے لے کر ہر مقام کی مساجد میں کرسیوں پر نماز پڑھنے کا یہ شیوع عام تر ہو چکا ہے۔

سوال۔۵: کیا تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تیسیر کا مادہ یُسر ہے۔ یہ یُسر شریعت کا عمومی مزاج ہے اور اس عمومی مزاج میں مقصود دفع حرج ہے۔

اس عمومی مزاج سے عبادات اور معاملات میں جہاں جو آسانی دی گئی وہ رخصت ہے۔

رخصت فقہ کی اصطلاح میں دلیلِ ممانعت کے باوجود دفع حرج کے لئے کسی عمل کی اجازت دینا ہے۔

امام غزالی نے اپنی مشہور کتاب جو اصول فقہ سے متعلق ہے میں فرمایا:

عبارۃ عما وسع للمکلف فعلہ لعذر و عجز عنہ مع قیام السبب المحرم۔ (المستصفیٰ، جلد۔ ۱، ص۔ ۹۸)

اصول سرخسی میں ہے:

... ما استبیع لعذر مع بقاء الدلیل المحرم... اصول السرخسی۔عزیمت و رخصت کا بیان)

رخصت اور تیسیر کا تعلق عبادات کے ساتھ بھی ہے اور معاملات کے ساتھ بھی بلکہ بعض حالات میں امور معاملات میں یُسر اور رخصت کی زیادہ ضرورت ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا عمومی مزاج تو عبادات میں احتیاط اور معاملات میں توسع کا ہے اور توسع سے ہی یُسر وجود میں آتا ہے۔اس لئے جب کوئی معاملہ درپیش ہو چاہے وہ عبادات کے قبیل سے ہو یا معاملات کے قبیل سے اگر اس میں حرج ہو تو اس میں حدودِ شریعت میں رہ کر یُسر پیدا کرنا علماء وفقہاء کا فریضہ ہے تاکہ دین کو بوجھ نہ سمجھا جائے۔

مقاصدی قواعد جیسے جلب الصالح، درء المفاسد، اسی طرح المشقۃ تجلب التیسیر۔ الامر اذا صاق اتسع وغیرہ اسی حقیقت کے ادراک کا نتیجہ ہیں...... کہ شریعت میں دفع حرج کی اجازت ہے۔وہ احکام شرع جن کی بجا آوری موجب حرج ہو اور اُس حرج کا تعلق واقعۃً عام انسانوں سے ہو نہ کہ چند افراد کے ساتھ۔تو اُن احکام میں یُسر پیدا کرنا خود منشاء شریعت ہے، اسی طرح اگر کسی معاملہ میں مصلحت ومفسدہ دونوں جمع ہوں تو مفسدہ سے بچنے کے پہلو کو راجح قرار دیا جائے۔ اکثر ترکِ منفعت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا جب کہ اختیار عمل سے لزوم مفسدہ ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ اس لئے درأ المفاسد اولیٰ ہے اس لئے کہ خطرات سے بچنا زیادہ اہم ہے بمقابلہ حصول منفعت کے، معبودانِ باطلہ کو سب وشتم کرنا ایک طرح سے اُن کی تردید وابطال ہے۔مگر چونکہ سبب بنے گا معبودِ برحق کی شان میں گستاخی کا اس لئے قرآن کریم میں فرمایا:

ولا تسبّوا اللذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ بغیر علم... (الانعام)

اگر کسی مسلک کے کسی جزو پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے دوسرے مسالک سے استفادہ کرنا یقیناً درست ہے اور اس کی بہترین مثال مفقود الخبر کی زوجہ کو صرف چار سال کی مدت پر نکاح ثانی کا اختیار دیا ہے یعنی الحیلۃ الناجزۃ اس سوال کا بہترین جواب ہے مگر یہ چونکہ تلفیق کا عمل ہے اور اس سلسلہ میں مسلک غیر پر عمل کرنے کے لئے جو اصول، شرائط اور حدود بیان ہوئی ہیں اُن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور جب وقت کے اصحاب علم و فقہ کسی جزئیہ میں دوسرے مسلک پر عمل کرنے کے جواز کا قول تسلیم کریں۔اُسی وقت یہ درست ہوگا ورنہ اس میں اتباع نفسانیت کا خدشہ ہے۔جیسا کہ اس وقت یہ مزاج بڑھتا جارہا ہے کہ جب سارے مسالک حق ہیں تو جس مسلک پر چاہے مسلمان عمل کرسکتا ہے۔ یہ مزاج اتباع شریعت کا نہیں بلکہ ہوائے نفس کی پیروی کا مزاج ہے۔

۸۔مسلمان جہاں بھی ہوں اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں اپنے دین پر عمل کرتے ہوئے وہ جہاں بھی حرج محسوس کریں وہاں کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ مزاج شریعت اور روحِ دین کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو رخصت دے

سکتے ہوں ضرور دیں۔

ہندوستان کے مسلمان اقلیت میں ہیں اور حالات کی جس صورت حال سے اُن کا سامنا ہے وہ واضح ہے، ساتھ ہی دین پر عمل کرنے کے مزاج میں روز افزوں کمی آتی جارہی ہے۔ اس صورت حال میں اگر کوئی حکم شرعی باعث مشقت یا موجب خطرہ ہوتو اُس میں یُسر کا جو پہلو بھی اختیار کیا جاسکتا ہو وہ ضرور اختیار کیا جانا چاہئے۔ مثلاً عوامی مقامات پر نماز پڑھنے کا مسئلہ۔ یا کچھ اداروں میں ملازمت کے لئے شرعی وضع قطع کا مسئلہ۔ کرونا کے دوران حدود شریعت میں جیسے نماز، جمعہ، عیدین اور نماز جنازہ وغیرہ مسائل کا حل نکالا گیا وہ بھی اس کی مثال ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو دین کے تمام معاملات عبادات، معاملات، عدالتی امور، عائلی مسائل، تمدنی احوال اور تعلیمی امور وغیرہ کے بے شمار شعبوں میں جو طرح طرح کے مسائل ومشاکل درپیش ہیں اُن کو حل کرنے کے لئے فقہ التیسیر بلاشبہ فقہ الاقلیات کا ایک اہم معاون بنے گا۔

اس سے استفادہ کرنے میں یقیناً فوائد بھی ہوں گے اور شریعت اسلامی کا ہر عہد اور ہر قسم کے احوال میں منطبق ہونے کا ظہور ہوگا اور مسلمان اپنے دین کی حدود میں رہ کر وقت اور حالات کے منجدھار میں اپنی زندگی گزار سکیں گے۔ اگر فقہ التیسیر کے اصول وضوابط مرتب کئے جائیں پھر اُن کا انطباق ہو اور اُس یُسر کا پہلو ملحوظ رکھنے کے ساتھ روح شریعت بھی پیش نظر رہے تو بلاشبہ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت پورا کرنے کا ایک اہم کام ہوگا۔

واللّٰہ یوفق الحق والصواب

یسر و تیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا ڈاکٹر شاہجہاں ندوی
جامعہ سید احمد شہید، ملیح آباد، لکھنؤ

تمہید:

اسلامی شریعت بلند ترین خصوصیات کے ساتھ ممتاز ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت ہے جو ساری کائنات اور مخلوقات کا خالق ہے، علم والا اور باریک بین ہے۔ انسان کی نفسیات اور ضروریات سے باخبر ہے۔ اس لیے اس کی نازل کردہ شریعت میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ نہ ہو، جس کی تعمیل میں انسان کو حد سے بڑھی ہوئی مشقت کا سامنا کرنا پڑے۔ اس شریعت کے الٰہی مصدر، جامعیت، ہمہ گیری اور رحمت ہونے کا ہی تقاضا تھا کہ اس کے احکام یسر و سہولت سے بھی متصف ہوں، جو اس کے تمام احکام کی امتیازی خصوصیت ہے۔

جب شریعت کا امتیاز ہی یُسر و آسانی ہے تو مزید یسر و سہولت جو انسانی حالات کی رعایت میں انجام پائے، شریعت کے دائرہ اور اصول وضوابط کی مکمل پابندی کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

''تیسیر'' کی تعریف، حکمت اور اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ

انسانی احوال کی رعایت کرتے ہوئے غیر معمولی مشقت لاحق ہونے کی صورت میں غیر معمولی آسانی فراہم کرنے کا نام ''تیسیر'' ہے۔

غیر معمولی مشقت کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ شرعی تکلیفات معمولی مشقت سے خالی نہیں ہیں۔ چونکہ شرعی احکام اپنی اصل کے اعتبار سے آسان ہیں، اس لیے غیر معمولی آسانی فراہم کرنے کی قید لگائی گئی۔ یہ دراصل ''تیسیر تخفیفی'' کی تعریف ہے، ورنہ ''تیسیر'' مطلق آسانی پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔

''تیسیر'' کی حکمت:

''تیسیر'' کی حکمت یہ ہے کہ بندوں کے احوال کی رعایت کی جائے اور ان کو غیر معمولی مشقت سے بچایا

جائے۔

اصولیین نے اس سلسلہ میں جو گفتگو کی ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔شریعت کی اصل حالت یُسر کو بیان کرتے ہوئے انھوں نے ''تیسیر تخفیفی'' میں شریعت کی تمام رخصتوں اور تخفیفات کو داخل قرار دیا ہے۔(دیکھئے: ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص:۷۵)

۲۔سرخسیؒ نے بھی ''تیسیر تخفیفی'' کو رخصت کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''والحکم فی الکل واحد لہ أن یرخص بالاقدام علی ما فیہ رفع الھلاک عن نفسہ فذلک واسع لہ، تیسیرا من الشرع علیہ''(سرخسی، اصول السرخسی، ص:۱۱۹)

(ان سب کے بارے میں حکم ایک ہی ہے، آدمی کو حق ہے کہ ایسی چیز پر اقدام کی رخصت حاصل کرے، جس میں خود سے ہلاکت کو دور کرنا ہو، یہ اس کے حق میں شریعت کی طرف سے آسانی پیدا کرنے کے لیے جائز ہے)۔

۳۔غزالیؒ نے بھی ''تیسیر تخفیفی'' کو رخصت کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ یعنی سبب محرم پائے جانے کے باوجود مکلف کے عذر اور عاجزی کی وجہ سے (اس کے حق میں آسانی کی خاطر) عمل کی اجازت دینے کو ''تیسیر تخفیفی'' یا رخصت سے تعبیر کرتے ہیں۔(دیکھئے: غزالی، المستصفی، ص:۷۸)۔

الغرض ''تیسیر'' کا جو لغوی مفہوم ہے وہی اصطلاحی مفہوم بھی ہے۔ البتہ ''تیسیر تخفیفی'' رخصت کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ جواب میں ''تیسیر تخفیفی'' کو اختیار کیا گیا ہے، تاکہ بحث طویل نہ ہو۔

شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں، اسباب اور اس کا دائرہ

شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں درج ذیل ہیں:

۱۔انسان کا ضعف و کمزوری:

اللہ تعالیٰ انسان اور اس کی فطرت کا خالق ہے۔ اسے انسان کی کمزوریوں کا علم تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

''یرید اللہ أن یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفاً''(نساء:۲۸)

آلوسیؒ اس کی تفسیر میں ایک قول نقل کرتے ہیں: ''یخفف فی التکلیف علی العموم''(آلوسی، روح المعانی ۵/۱۴)

انسان کی اسی کمزوری کی رعایت میں اللہ تعالیٰ نے احکام میں تیسیر کو اختیار فرمایا ہے۔

۲۔انسان پر طاری ہونے والی حالت کی رعایت:

انسان پر مختلف احوال گزرتے ہیں، کبھی وہ مقیم رہتا ہے تو کبھی مسافر، کبھی صحت مند رہتا ہے تو کبھی بیمار۔ ان

مختلف حالتوں کی رعایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے احکام میں تیسیر وتخفیف کا انتظام فرمایا ہے۔

۳۔ ہر حال میں اللہ کی بندگی:

انسان کے ظروف اور احوال کے مدنظر اللہ تعالیٰ نے تیسیر کا معاملہ فرمایا ہے، تاکہ انسان ہر حالت میں اختیاری طور پر اللہ کا بندر ہے، خواہش نفس سے باہر آئے۔ اس سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ

"حتی یکون عبداللہ اختیاراً، کما ھو عبداللہ اضطراراً"۔

تیسیر کے اسباب:

عام طور سے فقہاء اور اصولیین نے "تیسیر تخفیفی" کے اسباب بیان کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ سفر

۲۔ مرض

۳۔ اکراہ

۴۔ نسیان

۵۔ جہل

۶۔ عسر وعموم بلوی

۷۔ نقص (جیسے صغر، جنون اور خاتون ہونا) (دیکھئے: زرقاء، شرح القواعد الفقہیہ، ص: ۱۵۷-۱۶۱)

بعض نے اسباب تخفیف میں اسلام کو سب سے بلند سبب قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: ابن ہمام، فتح القدیر، ۶/ ۶۵، بیروت، دارالفکر)

اسلام کی وجہ سے مسلمانوں کے حق میں بہت سی تخفیف کی گئی ہے، جو اہل کفر کے حق میں نہیں کی گئی ہے۔

"تیسیر" کا دائرہ:

تیسیر کے دائرہ میں عبادات بھی شامل ہیں۔ چنانچہ مریض کو رخصت حاصل ہے کہ رمضان کا روزہ نہ رکھے، بعد میں اس کی قضا کرے۔ اگر کسی مریض کو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ مسافر کو بھی سفر میں رخصت حاصل ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے، بعد میں اس کی قضا کرے۔ اسی طرح اسے چار رکعت والی نماز میں قصر کی رخصت حاصل ہے۔

اس کے دائرہ میں معاملات بھی شامل ہیں۔ مثلاً: حالت سفر میں ہو، مسلمان گواہ فراہم نہ ہو تو مالی معاملات میں غیر مسلم کو گواہ بنا سکتا ہے۔ سفر کا عذر پیش آجائے تو "اجارہ" کو فسخ کرسکتا ہے۔ ایسی جگہ ہو، جہاں قاضی نہ ہو، اور

سفر میں ساتھی کا انتقال ہوجائے تو اس کے مال کو فروخت کر کے ثمن کو اس کے ورثہ کے لیے محفوظ کر لینا جائز ہے۔ حالانکہ اس صورت میں نہ وہ ولی ہے نہ ہی قاضی کی طرف سے اسے وصی بنایا گیا ہے، وغیرہ۔

تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کار سے ملنے والی رہنمائی

تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کار سے درج ذیل رہنمائی ملتی ہے:

۱۔انسان کمزور ہے، شریعت نے اسے جو رخصت دی ہے، اس سے وہ فائدہ اٹھائے۔اس طرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے: ’’إن اللہ یحب أن تؤتی رخصه، کما یکرہ أن تؤتی معصیته‘‘ (مسند احمد، ۱۰/۱۰۷) حدیث نمبر ۵۸۶۶، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر ۲۷۴۲ بہ روایت: ابن عمر رضی اللہ عنہما، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)۔

(یقیناً اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کی جائے، جیسا کہ اسے یہ بات ناپسند ہے کہ اس کی معصیت کا ارتکاب کی جائے)۔

۲۔اپنے اپنے حالات کی بنا پر رخصت پر عمل کرے، یا عزیمت کو اختیار کرے، لیکن اپنے طرز عمل کی بنا پر دوسرے کو مورد طعن یا محل اعتراض نہ بنائے۔ جیسے: صحابہ کرام میں سے بعض حالت سفر میں روزہ رکھتے تھے اور بعض روزہ نہیں رکھتے تھے لیکن:

’’فلم یعب الصائم علی المفطر، ولا المفطر علی الصائم‘‘ (صحیح بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر ۱۹۴۷، صحیح مسلم، کتاب الصوم، حدیث نمبر ۱۱۱۴)

(روزہ رکھنے والا افطار کرنے والے کی خردہ گیری نہیں کرتا تھا، نہ ہی روزہ نہ رکھنے والا روزہ رکھنے والے کی عیب چینی کرتا تھا)۔

۳۔رخصت وعزیمت میں اختیار ہو اور عزیمت پر عمل بہتر ہو، تو ایسی صورت میں عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے، لیکن عزیمت پر عمل میں شدید مشقت لاحق ہو، تو پھر جان کو جوکھم میں نہیں ڈالنا چاہئے، رخصت پر عمل کو اختیار کرے۔ ایک موقع سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حالت سفر میں ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کے پاس کھڑے ہیں، اور اس پر سایہ کیے ہوئے ہیں، نیز اس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا جا رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے اس منظر کو دیکھ کر فرمایا:

’’لیس من البر أن تصوموا فی السفر‘‘ (صحیح مسلم، کتاب الصوم، باب جواز الصوم و الفطر فی

شہر رمضان، حدیث نمبر ۱۱۱۵، سنن نسائی، حدیث نمبر ۲۲۵۸)

۴۔ دین میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیئے، کیونکہ دین سہل اور آسان ہے، غلو اور تکلف کی روش سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ متعدد صحابہ کرام نے غلو کی روش سے دور رہنے کی تاکید کی ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عتبہ بن فرقد کو لکھا:

"وإیاکم والتنطع وذی العجم" (مسند ابی یعلی، اثر نمبر ۲۱۳، اور یہ صحیح درجہ کا اثر ہے)۔

(غلو اور عجمی پوشاک سے بچو)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "وإیاکم والتنطع" (المعجم الاوسط للطبرانی ۱۰۹/۲، حدیث نمبر ۱۴۰۹، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۳۸/۹، حدیث نمبر ۸۶۸۰، اور یہ صحیح درجہ کا اثر ہے)۔ (غلو سے بچو)

ایک اور موقع سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"وإیاکم والتنطع والتعمق والبدع، وعلیکم بالعتیق"

(سنن دارمی، ۶۶/۱، اثر نمبر ۱۴۲، مصنف عبدالرزاق، اثر نمبر ۲۰۴۶۵، اس کے رواۃ ثقہ ہیں، البتہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی نے ابن مسعودؓ کو نہیں پایا ہے)۔

(غلو سے بچو، بال کی کھال نکالنے سے دور رہو اور بدعات سے پرہیز کرو، قدیم (یعنی کتاب وسنت) کو اختیار کرو)۔

تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد

تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد درج ذیل ہیں:

۱۔ تیسیر کسی نص کے خلاف نہ ہو، یعنی رخصت وتخفیف نص کے خلاف حاصل نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وما کان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضی اللہ ورسولہ أمراً أن یکون لھم الخیرۃ من أمرھم، ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضلّ ضلالاً مبیناً" [احزاب:۳۶]

(کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کردیں، کوئی اختیار اپنی رائے اور اپنے فیصلہ کا باقی نہیں رہتا، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں پڑے گا)۔

۱۔ حالاتِ تخفیف کی پابندی:

نص نے رخصت وتخفیف وتیسیر کے لیے جن حالات کا تعین فرمایا ہے، ان کی پابندی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر مریض کو رخصت حاصل ہے، تو اس رخصت کو حاصل کرنے کے لیے مریض ہونا ضروری ہے، جو مریض نہ ہوگا،

اسے رخصت حاصل نہ ہوگی، گو اس کے کام کے نیچر کے لحاظ سے اسے مریض سے زیادہ مشقت جھیلنی پڑے، لہٰذا کان کنی کے مزدور، نیز لوہے کا کام کرنے والے مزدور کو رخصت حاصل نہیں ہوگی، ان کو عام مسلمانوں کی طرح روزہ رکھنا ہوگا، اس لیے کہ وہ مریض نہیں ہیں، بلکہ صحت مند اور توانا ہیں۔

۳۔مشقت وہمی نہ ہو:

تخفیف اسی وقت حاصل ہوگی، جبکہ مشقت حقیقی ہو، محض وہمی اور مظنون مشقت کی بنا پر کوئی تخفیف حاصل نہ ہوگی۔

۴۔جہاں نص وارد نہ ہو وہاں تیسیر کی آخری حد تک رعایت:

جس مسئلہ میں نص وارد نہ ہو، اس میں آخری حد تک تیسیر کی رعایت کی جائے گی۔مثلاً: دعوت وتبلیغ کے لیے جدید وسائل کے استعمال کی اباحت، انسانی سہولیات کے لیے بنائی گئی جدید چیزوں کی اباحت، وغیرہ۔

تیسیر اور رخصت میں فرق

''تیسیر'' اور رخصت میں فرق ہے، جو کہ درج ذیل ہے:

۱۔تیسیر عام ہے، ہر طرح کی سہولت وآسانی کی فراہمی کو تیسیر کہتے ہیں۔اس میں شریعت کی واقفیت کی آسانی، شریعت کے نفاذ کی آسانی اور شریعت کا خود مکلف کو اپنے حق میں آسانی کرنے کا حکم، سب داخل ہے، جبکہ رخصت خاص ہے۔

۲۔یُسر شریعت کی بنیادی وعمومی صفت ہے جبکہ ''یسر تخفیفی'' جو کہ ''رخصت'' کا مترادف ہے، مخصوص اعذار اور حالات میں حاصل ہوتا ہے۔

رخصت وتیسیر کا تعلق:

رخصت وتیسیر کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے۔ روزہ نہ رکھنے کی رخصت، نماز میں قصر کی رخصت وغیرہ کا تعلق عبادات سے ہے، جبکہ سفر میں مضارب اپنے اوپر مال مضاربت سے خرچ کرسکتا ہے۔قاضی کو مدعی علیہ کے شہر کے قاضی اپنے پاس مدعی کے گواہ کی شہادت کے بارے میں لکھ سکتا ہے۔حد رجم کے علاوہ دیگر حدود قائم کرنے کو ملتوی رکھا جائے گا یہاں تک کہ مریض ٹھیک ہوجائے۔ان سب کا تعلق معاملات سے ہے۔

جلب المصالح ودرء المفاسد کا مطلب

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ مصالح کی تحصیل کی جائے گی اور مفاسد کا ازالہ کیا جائے گا۔

''مصالح''، ''مصلحت'' کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی منفعت اور صلاح کے ہیں۔مصلحت اصل میں تحصیل

منفعت یا ازالۂ مضرت کو کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں مصلحت سے مراد ''المحافظة علی مقصود الشرع'' (غزالی، المستصفی، ص ۱۷۴)۔ (شریعت کے مقصود کے تحفظ کا نام مصلحت ہے)۔

مخلوق کے سلسلہ میں شریعت کا مقصود یہ ہے کہ ان کے دین، نفس، عقل، نسل اور مال کا تحفظ کرے۔ سو ہر وہ چیز جو ان پانچوں اصول کے تحفظ کی ضامن ہو، وہ مصلحت ہے اور ہر وہ چیز جو ان اصول کو ضائع کرے، وہ مفسدہ ہے اور اس کا ازالہ مصلحت ہے۔ (مرجع سابق، ص ۱۷۴)

ان پانچوں اصولوں کا تحفظ ضروریات کے درجہ میں ہے اور یہ مصالح کا قوی ترین مرتبہ ہے۔ اسی وجہ سے شریعت کا فیصلہ ہے کہ گمراہ کرنے والے کافر کو قتل کیا جائے، اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والے بدعتی کو سزا دی جائے گی، کیونکہ یہ دونوں مخلوق کو صحیح دین سے دور رکھتے ہیں۔ موجودہ دور میں جو لوگ ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال کر کے لوگوں کو صحیح دین سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے ذہن کو مسموم بناتے ہیں، اسلامی حکومت ان کو مناسب سزا دے گی۔ نفس کے تحفظ کے لیے قصاص کی مشروعیت ہے۔ عقل کے تحفظ کے لیے حد شراب کو لازم کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں جو لوگ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ لوگوں کے ذہن کو خراب کرتے ہیں یا صحیح سوچ سے اس کو دور رکھتے ہیں، اسلامی حکومت اس کے لیے مناسب سزا کا تعین کرے گی۔ اسی طرح نسل کے تحفظ کے لیے حد زنا لازم کی گئی ہے۔ چوروں اور غاصبوں کو سزا دے کر لوگوں کے مال کا تحفظ کیا گیا ہے۔

قاعہ کا خلاصہ:

لوگوں کے دین، نفس، عقل، نسل اور مال کا جو بھی تحفظ کرے وہ مصلحت ہے۔ اس کی تحصیل ضروری ہے۔ اور جو ان پانچوں مقاصد کو نقصان پہنچائے، ضائع کرے وہ مفسدہ ہے، اس کا ازالہ ضروری ہے۔ ''درء المفاسد أولیٰ من جلب المصالح'' (مفاسد کا ازالہ مصالح کی تحصیل سے اولیٰ ہے) اس کا تعلق بھی پہلے قاعدہ سے ہے۔ اس میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مصلحت اور مفسدہ میں تعارض ہو تو ایسی صورت میں بالعموم ازالۂ مفسدہ کو مقدم رکھا جائے گا۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''ما نهيتكم عنه فاجتنبوه، و ما أمرتكم به فأتوا منه ما استطعتم'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر ۷۲۸۸، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۳۳۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شارع مامورات کے مقابلہ منہیات کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ لہٰذا مصلحت اور مفسدہ دونوں میں تعارض ہو، ایک ہی وقت میں ازالہ مفسدہ اور تحصیل مصلحت دونوں ممکن نہ ہوں، تو پھر ازالہ مفسدہ کیا جائے گا، اور مصلحت کی تحصیل کو ترک کر دیا جائے گا۔ جیسے: سفیہ کو تصرفات سے روک دینا۔ نچلی منزل اور اوپری منزل والا کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے، اگرچہ وہ اپنی خالص ملکیت میں اپنی منفعت کے

مطابق تصرف کر رہا ہو۔ چنانچہ اپنی ضروریات کے سلسلہ میں سفیہ کا تصرف کرنا مصلحت ہے، لیکن نقصِ عقل کی وجہ سے اس کے تصرف میں فساد کا غلبہ ہے، اس لیے تحصیل مصلحت کی بجائے ازالہ مفسدہ کو مقدم رکھا جائے گا۔

اسی طرح نچلی اور اوپری منزل والے کا اپنی خالص ملکیت میں تصرف کرنا، اس کی مصلحت ہے، لیکن جس تصرف سے دوسرے کو کھلا ہوا ضرر لاحق ہو، وہ ایک مفسدہ ہے، لہٰذا ازالہ مفسدہ تحصیل مصلحت پر مقدم رہے گا۔

''رفع حرج''

''حرج'' کے اصلی معنی گنجان درخت کے ہیں، جس سے نکلنا دشوار ہو، پھر اس کا استعمال تنگی اور دشواری کے لیے ہونے لگا۔ گناہ کو بھی حرج کہتے ہیں، اس لیے کہ وہ انسان کے لیے تنگی کا باعث ہے۔ (دیکھئے: ابن منظورؒ، لسان العرب ۲/ ۲۳۳)۔

''رفع'' کے معنی دور کرنے کے ہیں۔ اس لیے ''رفع حرج'' کا مطلب ہے کہ تنگی کو دور کیا جائے گا۔ چنانچہ اسلام نے عبادات، معاملات اور عقوبات وغیرہ ابواب میں ایسے احکام مشروع کیے ہیں جن کا مقصد ہی یہی ہے کہ لوگوں سے حرج دور ہو اور ان کے حق میں آسانی ہو۔ جیسے: مریض اور مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت، تیمم کی رخصت۔ معاملات کے باب میں سلم اور استصناع کی اباحت۔ عقوبات کے باب میں شبہات کی وجہ سے حدود کا اسقاط، قاتل خطا کے حق میں تخفیف کے طور پر دیت عاقلہ پر مقرر کرنا، وغیرہ۔ (دیکھئے: خلاف، علم اصول الفقہ، ص: ۲۰۲)

قاعدہ کا خلاصہ:

اس قاعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی نصوص کے دائرہ میں لوگوں سے حرج و تنگی کو دور کیا جائے گا۔ جس طرح خود شریعت نے مکلف بندوں میں سے مریض اور مسافر کے لئے رمضان میں افطار کی رخصت رکھی ہے، اسی طرح شرعی نصوص اور مقاصد کی روشنی میں لوگوں سے حرج دور کیا جائے گا۔

کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کی خاطر دوسرے مسالک سے استفادہ

کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے دوسرے مسالک سے استفادہ کرنا جائز ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ کوئی مسلک کل شریعت کا درجہ نہیں رکھتا ہے، بلکہ ہر ایک فقہی مسلک شریعت کے ایک حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، اس لیے سارے مسالک شریعت کا ہی حصہ ہیں۔ اب اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کی خاطر

دوسرے مسالک سے استفادہ میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت کا امتیاز ہی یُسر ہے جو اس کے سارے احکام میں ملحوظ ہے، نیز غیر معمولی مشقت کی صورت میں اس کے اندر مزید تخفیف وتیسیر کی گئی ہے، اور رخصت کے احکام دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا جب کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو ایسی صورت میں تیسیر کی خاطر دوسرے مسالک سے استفادہ عین منشائے شریعت ہے۔ تاکہ رفع حرج جو اس کا بنیادی امتیاز ہے، اس کا تحقق ہو۔

۳۔ صحیح یہ ہے کہ ضرورتاً تلفیق جائز ہے، جبکہ خواہش نفس کی بنا پر رخصتوں کا تتبع نہ ہو، تیسیر کے پہلو کو اختیار کرنے میں کسی شرعی اصول کی مخالفت نہ ہو، بلکہ تلفیق شریعت کے قواعد وضوابط سے ہم آہنگ ہو تو جائز ہے۔ تو جب ضرورتاً تلفیق جائز ہے، تو پھر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے دوسرے مسالک سے استفادہ بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ مذہب غیر پر ضرورتاً فتویٰ دیا تو جائز ہے ہی، لیکن رفع حرج وتنگی ودشواری کی خاطر بھی جائز رہے گا۔

ہندوسان میں ''فقہ التیسیر''

ہندوستان میں ''فقہ التیسیر'' کے درج ذیل پہلوؤں کی رعایت ضروری ہے:

۱۔ فقہ کی زبان آسان رکھی جائے۔

۲۔ فقہ کا اسلوب بھی سہل ہو۔

۳۔ ہر حکم کی حکمت بھی اجاگر کر دی جائے۔

۴۔ ''فقہ مقارن'' سے استفادہ کیا جائے۔

۵۔ منتہی درجات کے طلبہ بالخصوص افتاء کے طلبہ کو 'فقہ مقارن' بھی پڑھایا جائے۔

۶۔ لوگوں کے حق میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مسالک کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۷۔ بالخصوص بعض ناگزیر مسائل میں مسالک کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا جائے، مثلاً: قابل اعتماد خواتین کے ساتھ عورت کا فرض حج کی ادائیگی کے لیے محرم کے بغیر سفر کرنا وغیرہ۔

۸۔ کسی چیز میں عموم بلویٰ ہو، اور کسی دیگر مسلک کی رائے کو اختیار کر کے مسلمانوں کی طرف حرام کی نسبت سے بچا جا سکتا ہو، تو ایسا ضرور کرنا چاہئے۔

۹۔ معاملات کے باب میں کسی نئے مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں دیگر مسلک فقہی میں کوئی معتبر قول مل جائے، تو اسے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۰۔''اصول تیسیر'' کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے۔شریعت نے اپنے تمام احکام میں ''اصول تیسیر'' کو ملحوظ رکھا ہے۔البتہ نص کے خلاف ''اصول تیسیر'' کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

خلاصۂ بحث:

(۱۔) (الف) ''تیسیر'' کا ایک عمومی مفہوم ہے جو لغوی مفہوم سے الگ نہیں ہے۔یعنی کسی بھی چیز کو آسان بنانے کو ''تیسیر'' کہتے ہیں۔

(ب) ''تیسیر تخفیفی'' یہ ہے کہ انسانی احوال کی رعایت کرتے ہوئے غیر معمولی مشقت لاحق ہونے کی صورت میں غیر معمولی آسانی (رخصت) فراہم کی جائے۔

(ج) ''تیسیر'' کی حکمت یہ ہے کہ بندوں کے احوال کی رعایت کی جائے اور ان کو غیر معمولی مشقت سے بچایا جائے۔

(د) اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔''تیسیر تخفیفی'' میں شریعت کی تمام رخصتیں اور تخفیفات شامل ہیں۔(ابن قیم)

۲۔''تیسیر تخفیفی'' رخصت کا مترادف ہے۔(سرخسی)

۳۔سبب محرم پائے جانے کے باوجود مکلف کے عذر اور عاجزی کی بنا پر عمل کی اجازت 'تیسیر تخفیفی' یا رخصت ہے۔(غزالی)

(۲۔) (الف) شریعت اسلامی میں ''تیسیر'' کی بنیادیں درج ذیل ہیں:

۱۔انسان کا ضعف و کمزوری۔

۲۔انسان پر طاری ہونے والی حالت کی رعایت۔

۳۔ہر حال میں اللہ کی بندگی۔

(ب) ''تیسیر تخفیفی'' کے اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔سفر، ۲۔مرض، ۳۔اکراہ، ۴۔نسیان، ۵۔جہل، ۶۔عسر وعموم بلوی، ۷۔نقص (جیسے صغر، جنون اور انوثت) ۸۔اسلام (لیکن یہ عمومی تیسیر کا سبب ہے)۔

(ج) ''تیسیر'' کے دائرہ میں عبادات اور معاملات دونوں شامل ہیں۔البتہ تیسیر خلاف نص نہیں ہوگی۔

(۳) تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کار سے درج ذیل رہنمائی ملتی ہے:

(الف) شریعت کی رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے۔

(ب) اپنے اپنے احوال کے پس منظر میں رخصت یا عزیمت کو اختیار کرے، لیکن اپنے طرز عمل کی بنا پر کسی

دوسرے کو موردطعن نہ ٹھہرائے۔

(ج) عزیمت پر عمل افضل ہو، لیکن کسی صورت میں شدید مشقت لاحق ہو تو رخصت پر عمل کرے۔

(دل) دین کے سلسلہ میں غلو اور تکلف کی روش سے اجتناب کرنا چاہئے۔

(۴) ''تیسیر'' سے متعلق بنیادی اصول وقواعد درج ذیل ہیں:

(الف) تیسیر کسی نص کے خلاف نہ ہو۔

(ب) حالاتِ تخفیف کی پابندی ضروری ہے۔

(ج) مشقت وہمی نہ ہو۔

(د) جہاں نص وارد نہ ہو وہاں تیسیر کی آخری حد تک رعایت کی جائے گی۔

(۵) ''تیسیر'' اور رخصت میں درج ذیل فرق ہے:

(الف) تیسیر عام ہے، جبکہ رخصت خاص ہے۔

(ب) تیسیر شریعت کی بنیادی وعمومی صفت ہے، جبکہ ''تیسیر تخفیفی'' اور ''رخصت'' مترادف ہیں، گویا تیسیر کی ایک قسم اور رخصت میں ترادف ہے۔ رخصت وتیسیر کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے۔

(۶) (الف) ''جلب المصالح و درء المفاسد'' ایک اہم مقاصدی قاعدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے مقاصد: دین، نفس، عقل، نسل اور مال کے تحفظ کو جو چیز ضامن ہو وہ مصلحت ہے۔ اس کی تحصیل لازم ہے اور ہر وہ چیز جو شریعت کے ان پانچوں اصولوں کو ضائع کرے وہ مفسدہ ہے، اس کا ازالہ ضروری ہے۔

(ب) ''درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح'': اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلحت اور مفسدہ دونوں میں تعارض ہو، ایک ہی وقت میں ازالۂ مفسدہ اور تحصیل مصلحت دونوں ممکن نہ ہوں، تو پھر ازالۂ مفسدہ کیا جائے گا، اور مصلحت کی تحصیل کو ترک کردیا جائے گا۔

(ج) ''رفع حرج'' ایک اہم مقاصدی قاعدہ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی نصوص کے دائرہ میں لوگوں سے حرج وتنگی کو دور کیا جائے گا۔

(۷) کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے دوسرے مسالک سے استفادہ کرنا جائز ہے۔

(۸) ہندوستان میں ''فقہ التیسیر'' کے درج ذیل پہلوؤں کی رعایت ہونی چاہئے:

(الف) فقہ کی زبان آسان ہو۔

(ب) فقہ کا اسلوب سہل ہو

(ج) حکم کی حکمت اجاگر کر دی جائے۔

(د) ''فقہ مقارن'' سے استفادہ کیا جائے۔

(ہ) منتہی طلبہ بالخصوص افتاء کے طلبہ کو فقہ مقارن بھی پڑھایا جائے۔

(و) فقہی مسالک کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کے حق میں آسانی پیدا کی جائے۔

(ز) بالخصوص بعض ناگزیز مسائل میں فقہی مسالک کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا جائے۔

(ح) کسی چیز میں عموم بلوی ہو، اور کسی دوسرے فقہی مسلک کی رائے لینے میں مسلمانوں کی طرف حرام کی نسبت سے بچا جا سکتا ہو، تو ایسا ضرور کرنا چاہئے۔

(ط) معاملات کے باب میں نئے مسائل حل کرنے کے لیے دوسرے مسلک کے معتبر قول سے استفادہ کیا جائے۔

(ی) اصول تیسیر کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے۔ البتہ نص کے خلاف اصول تیسیر کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مفتی حبیب اللہ قاسمی
صدر مفتی جامعہ اسلامیہ دار العلوم، مہذب پور، اعظم گڈھ

۱۔تیسیر کا مطلب ہے کسی چیز میں آسانی اور سہولت پیدا کرنا، تاکہ لوگوں کو اس کی ادائیگی میں مشقت اور پریشانی نہ ہو، کیونکہ قرآن وحدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے آسانی پسند کرتا ہے تنگی نہیں، اسی بنیاد پر فقہاء کا مشہور ضابطہ ہے:

المشقة تجلب التيسير۔ مشقت سہولت کو کھینچ لیتی ہے (الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی، ص۲۲۶)۔

علماء کا کہنا ہے کہ اسی قاعدہ کی بنیاد پر شریعت کی رخصتوں اور تخفیفات کی تخریج کی جاتی ہے:

قال العلماء يتخرج على هذه القاعدة جميع رخص الشرع و تخفيفاته (الاشباہ والنظائر، ص ۲۲۶)۔

۲۔ضرورت وحاجت جس کی وجہ سے شریعت بہت سے احکام میں رخصت وسہولت دیتی ہے، اسباب رخصت یا اسباب تخفیف مشہور قول کے مطابق سات ہیں۔(۱) سفر (۲) مرض (۳) اکراہ (۴) نسیان (۵) جہل (۶) عُسر اور عموم بلوی (۷) نقص۔

واعلم ان اسباب التخفيف في العبادات وغيرها سبعة: الاول السفر الثاني المرض الثالث الاكراه والرابع النسيان الخامس الجهل السادس العسر و عموم البلوى السبب السابع النقص (الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی بتغیر یسیر، ص: ۲۲۶ تا ۲۴۳)

اس اجمال کی کچھ تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔سفر شرعی کی رخصت، مسافر کے لئے قصر کا حکم، رمضان کے روزہ میں افطار، مسافر تین دن تین رات موزوں پر مسح کرسکتا ہے، مسافر سے قربانی کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے، وغیرہ۔

۲۔سفر غیر شرعی کی تخفیفات، جمعہ وعیدین کا ترک، جماعت کا ترک، سواری پر نفل کا جواز، تیمم کا جواز وغیرہ۔

۳۔مرض کی وجہ سے تخفیفات، سخت سردی ہو اور جنبی کے لئے گرم پانی سے غسل کا انتظام نہ ہو، ٹھنڈے پانی سے جان کی ہلاکت کا خوف ہو تو تیمم کی اجازت، بیماری کی وجہ سے فرض نمازوں میں قیام پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر، اور بیٹھنے

کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر، اور لیٹ کر بھی پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت۔

۳۔ اکراہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کسی شخص کو کلمۂ کفر یا مردار کے کھانے پر مجبور کرے اور جان مارنے یا اعضاء کے تلف کر دینے کی دھمکی دے، ایسی صورت میں کلمۂ کفر کا تلفظ، اور مردار کھانے کی شرعاً اجازت ورخصت ہے۔

(۴) نسیان، یعنی بھول چوک، یہ بھی رخصت کا سبب ہے، جیسے کوئی روزہ دار روزہ کی حالت میں بھول سے کھالے یا پی لے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا یا ذبح کرنے کے وقت تسمیہ بھول جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

(۵) جہل، یعنی ناواقفیت، جیسے کوئی شخص ناواقفیت کی وجہ سے چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھ لے تو ایسا شخص دو پڑھنے پر ثواب کا مستحق ہوگا، البتہ چار رکعت دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

(۶) تنگی اور عموم بلوی، اگر عرف میں کوئی چیز عام ہو جائے تو اس کی وجہ سے نص میں تخصیص کر سکتے ہیں، جیسے کسی نے اتنی نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لی جو معاف ہے تو نماز ہو جائے گی، جیسے نجاست غلیظہ ایک درہم کی مقدار معاف ہے، اور نجاست خفیفہ چوتھائی سے کم معاف ہے، لہٰذا معافی کی مقدار نجاست کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی۔

۷۔ نقص، ساتواں سبب جس کی وجہ سے شریعت احکام میں تخفیف کرتی ہے وہ نقص ہے، یعنی کمی کا پایا جانا چنانچہ جو انسان کسی بھی کمی میں مبتلا ہو شریعت اس پر احکام میں تخفیف کرتی ہے، مثلاً بچہ اور مجنوں کا غیر مکلف ہونا، عورتوں پر جمعہ وعیدین و جہاد کا واجب نہ ہونا وغیرہ، (مستفاد: الاشباہ والنظائر مع الحموی، ص ۲۶۲ تا ۲۷۳)۔

تیسیر کا دائرہ عبادات و معاملات سب میں ہے جیسا کہ اشباہ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

۳۔ تیسیر کے بارے میں قرآن وسنت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقۂ کار سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ شرعی حدود اور شرعی اصول کی روشنی میں حتی الامکان سہولت اور آسانی دی جائے بشرطیکہ دوسری نصوص اور قواعد کے خلاف اور معارض نہ ہو۔

آیات قرآنیہ:

۱- یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں نہ کہ دشواری۔

۲- وما جعل علیکم فی الدین من حرج (سورہ حج، آیت: ۷۸)

اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

۳- لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعہا (سورہ بقرہ، آیت: ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو اس کی طاقت کے بقدر ہی ذمہ داری ڈالتے ہیں۔

(۴) یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا (سورہ نساء، آیت: ۲۸)

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے بوجھ ہلکا کریں اور انسان تو ضعیف ہی پیدا ہوا ہے۔

(۵) وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین (سورہ بقرہ، آیت: ص ۱۸۴ کا جزء)

جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ان کے لئے فدیہ ہے غریبوں کو کھانا کھلانا۔

احادیث نبویہ:

(۱) ان الدین یسر، بیشک دین آسان ہے (بخاری شریف، حدیث نمبر ۳۹)۔

۲- احب الدین إلی اللہ تعالیٰ الحنفیۃ السمحۃ (مسند احمد)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب دین وہ ہے جس میں للّٰہیت اور سہولت ہو (الاشباہ، ص: ۲۲۶)۔

۳- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیھم السقیم والضعیف والکبیر وإذا صلی أحدکم لنفسہ فلیطول ما شاء (مشکوۃ، ج ۱، ص: ۱۰۱، باب ما علی الامام)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی امامت کرے تو ہلکی نماز بڑھائے کیونکہ نمازیوں میں بیمار، کمزور اور بزرگ بھی ہوتے ہیں اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔

آثار صحابہ واقوال صحابہ سے بھی تخفیف وتیسیر کا قولی وعملی ثبوت ملتا ہے:

ولابی حنیفۃ ایضا اثر عمر بن الخطاب قال صلوۃ السفر رکعتان وصلوۃ الضحی رکعتان وصلوۃ الفطر رکعتان وصلوۃ الجمعۃ رکعتان تمام من غیر قصر علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اخرجہ النسائی وابن ماجہ وأثر ابن عباس قال قد فرض اللہ الصلوۃ علی نبیکم فی الحضر أربعا وفی السفر رکعتان وفی الخوف رکعۃ وأثر عائشۃ (متفق علیہ۔ النامی شرح الحسامی، ص: ۱۳۱)۔

۴۔ تیسیر سے متعلق بنیادی اصول:

اصول فقہ کی کتابوں میں رخصت کی چار قسمیں ملتی ہیں دو رخصت حقیقیہ کی (۱) کاملہ (۲) قاصرہ، دو رخصت مجازی کی (۱) کاملہ (۲) قاصرہ۔

رخصت حقیقیہ کاملہ یعنی جس پر رخصت کا اطلاق حقیقۃً ہے اور کاملہ اس طور پر کہ اس میں عزیمت مکمل طور پر موجود ہے، جیسے کلمہ کفر کے بولنے پر مجبور کیا جانا کہ اگر نہیں بولو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے، ایسی صورت میں کلمہ کفر کے تلفظ کی رخصت ہے حالانکہ محرم اور حرمت موجود ہے، لہٰذا اگر کوئی کلمہ کفر کا تلفظ نہیں کیا تو ثواب پائے گا۔ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان (سورہ نحل)۔

دوسری قسم رخصت حقیقیہ قاصرہ جس میں سبب موجود ہو لیکن عذر کی وجہ سے حکم مؤخر ہو جیسے مریض اور مسافر کے لئے رمضان المبارک میں افطار کی رخصت، حالانکہ روزہ کا سبب شہود شہر موجود ہے، لیکن یہاں عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے۔

تیسری قسم رخصت مجازی کاملہ، جیسے امم سابقہ کے مشکل اور نہایت دشوار احکامات جیسے توبہ کی سزا قتل، جس عضو نے غلطی کی اس کو کاٹنا، یہاں عزیمت پر عمل جائز نہیں، لہٰذا وہ احکام ہماری شریعت میں منسوخ ہو گئے اور ان کو نسخ کہنا مجازاً ہے۔

چوتھی قسم رخصت مجازیہ قاصرہ جو بندوں سے ساقط ہو گیا ہو لیکن بعض جگہ وہ حکم باقی ہو جیسے مبیع کا متعین اور موجود ہونا مبیع کے جواز کے لئے شرط ہے لیکن بیع سلم میں شرط نہیں (مستفاد و ملخص از نامی شرح حسامی از ص ۱۲۵ تا ص ۱۲۹)۔

صاحب الاشباہ والنظائر نے فائدہ کے عنوان سے بہت مفید باتیں تحریر کی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشقتوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ مشقتیں جن سے عموماً عبادات خالی نہیں ہوتیں مثلاً جاڑے میں وضو و غسل کی مشقت، گرمی میں روزہ کی مشقت، حدود و قصاص کے اجراء کے وقت تکلیف و مشقت، ایسی مشقت سے عبادات ساقط نہیں ہوں گی۔

۲۔ وہ مشقت جس سے عموماً عبادات خالی ہوتی ہیں اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) مشقت عظیمہ قادحہ جیسے جان یا اعضاء کے ضیاع کا خوف ایسی مشقت باعث تخفیف ہوگی۔

۲۔ مشقت خفیفہ جیسے سر میں معمولی درد یا انگلی میں معمولی تکلیف ایسی مشقت کا اعتبار نہیں ہے اور یہ باعث تخفیف نہیں ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ملخصاً از ص ۲۴۴ تا ۲۴۵)۔

۴و۵۔ تیسیر اور رخصت لغوی معنی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، کیونکہ تیسیر کا معنی ہے آسانی پیدا کرنا، اور رخصت کے معنی ہیں اجازت، چھٹی وغیرہ، لیکن مفہوم اور مآل کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں، نیز رخصت اور تیسیر کا تعلق عبادات و معاملات دونوں سے ہے جیسا کہ ماقبل میں ذکر کردہ الاشباہ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے، **واعلم ان اسباب التخفیف فی العبادات و غیرھا سبعة** (الاشباہ والنظائر مع الحموی، ص ۲۲۶)۔

۶۔ جلب المصالح کا مطلب ہے فوائد اور منافع کا حاصل کرنا، درء المفاسد کا مطلب ہے برائیاں، خرابیاں اور مفاسد کو دور کرنا، جیسے فقہاء کرام کا ضابطہ ہے **درء المفاسد اولی من جلب المنافع**، کہ ایک جگہ بھلائی اور برائی جمع ہو جائیں۔ تو بھلائی اور منافع کے حصول پر برائی کے دور کرنے کو ترجیح ہوگی جیسے مشقت کی وجہ سے ترک واجب جائز ہے اور منہیات پر اقدام کی اجازت نہیں (مستفاد از قواعد الفقہ، ص ۸۱)

فاذا تعارضت مفسدۃ و مصلحۃ قدم دفع مفسدۃ غالبا (حاشیہ، ص ۸۱)۔

رفع حرج کا مطلب ہے تنگی کو دور کرنا، شرعا یہ معتبر ہے جیسے مریض ومسافر کو دفع حرج کی وجہ سے افطار کی اجازت ہے کیونکہ ان دونوں کے لئے روزہ باعث مشقت ہے۔

۷۔ اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے دوسرے مسالک سے استفادہ چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، جیسے زوجہ مفقود کے سلسلہ میں علماء احناف نے مالکیہ کے قول پر فتوی دیا ہے کہ چار سال انتظار کے بعد عدت گزار کر وہ عورت دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے۔ عام حالات میں اجازت نہیں، وہ شرائط تین ہیں جو ذیل میں مذکور ہیں:

(۱) جب کسی مسئلہ میں مذہب غیر کو اختیار کیا جائے تو اس مذہب میں اس مسئلہ سے متعلق جتنی شرائط ولوازمات ہوں ان سب کی پابندی ورعایت کرنا واجب ہے، ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں کہ مسئلہ تو دوسرے امام کا لیا جائے مگر اس کی شرائط کی پابندی نہ کی جائے۔

۲۔ سہولت وآسانی کے لئے نہیں بلکہ ضرورت ومشقت کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے۔

۳۔ جس واقعہ میں مسلک غیر کو اختیار کرنے کی نوبت آئی ہے اس میں اپنے امام کے مسلک کے مطابق کبھی عمل نہ کیا ہو کیونکہ اگر عمل کر چکا ہے تو دوبارہ عمل کرنے میں کوئی مشقت نہیں:

لا بأس بتقلید عند الضرورۃ لکن بشرط ان یلتزم جمیع ما یوجبہ ذلک الامام (شامی، زکریا، ج ۲، ص ۴۶، قواعد الفقہ، دار الکتاب، ص: ۵۷۶)۔

أن لا یکون علی وجہ التتبع علی الرخص فانہ لا یجوز للعامی اجماعاً کما صرح بہ ابن عبد البر من أنہ لا یجوز للعامی تتبع الرخص اجماعاً (شرح تحریر، ج ۳، ص ۳۵۱، بحوالہ جواہر الفقہ، ج ۱، ص ۱۶۶)۔

أن یکون اختیار مذہب الغیر قبل العمل بمذہب امامہ بان لم یکن عملہ بہ فی ہذہ الحادثۃ بمذہب إمامہ (تحریر ابن الہمام بحوالہ جواہر الفقہ، ج ۱، ص ۱۶۶)۔

۸۔ عبادات یا معاملات میں اصول تیسیر کو جگہ دینے کے لئے ضروری ہے کہ ان اصول تیسیر کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے، آیا وہ اصول منشا شریعت اور قرآن وحدیث کے مطابق ہیں یا مخالف، اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ان اصولوں کو جگہ دی جاسکتی ہے یا نہیں، میرے سامنے فی الحال علماء عرب کے فقہ التیسیر کی تفصیلات نہیں ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

یسر وتیسر اور عصر حاضر کے تقاضے

مفتی احمد دیولوی
بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، گجرات

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشتر بنی نوع انسان کے مختلف گروہوں کا مذہبی اعتبار سے رویہ افراط وتفریط پر مبنی تھا، ایک گروہ دنیوی زندگی کو محض ایک حادثہ کا نتیجہ قرار دیتا تھا اور اس کی نظر مادیت کے علاوہ کسی اور شئی کی طرف مرکوز نہ تھی، جب کہ ایک دوسرا گروہ مادیت کو پس پشت ڈال کر رہبانیت کی راہ پر گامزن تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معتدل، آفاقی، جامع اور دائمی اصول سے سے مزین عقلی دین عطا فرمایا، جس میں دین اور دنیا الگ الگ خانوں میں بٹے ہوئے نہیں ہیں، جس میں موافقت ومخالفت، محبت ونفرت، یگانگت اور علاحدگی کے ضوابط موجود ہیں، جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جس کا نصب العین واضح اور مقاصد متعین ہیں، جس میں مشقت اور بوجھ کا خاتمہ، اور وسعت کی راہ ہموار، بلکہ مسلمانوں کے احوال، استطاعت، قدرت اور آسودگی کے پیش نظر دینی امور میں اتنی آسانی وسہولت، کشادگی اور وسعت رکھی گئی ہے کہ یہ آسانی اور سہولت مسلمان کو ہر قسم کے فساد، تکلیف اور دنیوی زندگی میں پیش آمدہ مسائل وحالات سے محفوظ رکھنے کے ساتھ پر امید رکھتی ہے، ان ہی امور کے پیش نظر زیر نظر مقالہ میں اوامر شرعیہ میں تیسیر کے پہلو کو اجاگر کرنے کے ساتھ اس کے اسباب واحکام کو واضح کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔

تیسیر کا مفہوم

لغوی اعتبار سے ''یسر الشیٔ لفلان'' کا معنی آسانی پیدا کرنا، مشکلات کو دور کرنا، توثیق دینا، آرام سہولت مہیا کرنا اور احکامات میں نرمی برتنا ہے۔ تیسیر کی فقہی اور اصطلاحی تعریف لغوی تعریف کے بالکل موافق ہے۔

تیسیر شریعت اسلامیہ کا ایک اہم اصول ہے کہ دین میں آسانی پیدا کی جائے اور عوام کو مشقت اور حرج سے بچایا جائے، اسی لئے شریعت اسلامیہ میں کسی حکم میں کوئی تنگی اور حرج کو نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ ہر حکم میں مصالح ناس اور راحت رسانی پیش نظر ہے۔

قرآن، سنت اور اجماع امت کے واضح دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کا یہ اہم اصول دین کی رحمت اور فطری ہونے کا مظہر ہے، تیسیر کے اصول پر عمل کر کے مسلمانوں کے لئے دین پر عمل پیرا ہونا آسان بنایا گیا ہے۔

جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ سے واضح ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی تیسیر کے اصول کو واضح کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے آسانی پیدا کرنے کی تلقین کی ہے

إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ: بے شک دین آسان ہے اور جو کوئی دین میں سختی کرے گا، دین اس پر غالب آجائے گا۔

یعنی جو شخص بھی دینی آسانی اور سہولیات کو ترک کر کے سختی کی راہ اختیار کرنا چاہے گا تو وہ مجبور ہو جائے گا اور انجام کار دین کے آسان راہ کو ہی اختیار کرنا ہوگا۔

يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا

ترجمہ: آسانی پیدا کرو اور دشواری نہ پیدا کرو، خوشخبری دو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔

تیسیر کے اصول کی بنیاد پر مختلف عملی مظاہر اور احکام شریعت میں موجود ہیں جو مسلمانوں کے لئے آسانی اور سہولت فراہم کرتے ہیں۔ جیسا کہ مریض اور مسافر کے لئے نماز اور روزے میں رخصت، پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ میں لوگوں کو تنگی سے بچانے کے لئے تیسیر اور سہولت کی راہیں بیان فرمائی ہیں۔

فقہاء کرام اور علماء عظام نے مختلف ادوار میں اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ شریعت کے احکام میں آسانی پیدا کی جائے تاکہ لوگ دین پر بآسانی عمل کر سکیں۔ امام شاطبی فرماتے ہیں:

إن الله سبحانه وتعالى جعل هذه الشريعة سمحة، سهلة، رفع فيها الحرج والمشقة"

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کو آسان اور نرم بنایا ہے، اور اس میں حرج اور مشقت کو دور کیا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

من قواعد الشريعة رفع الحرج والمشقة (المجموع)

ترجمہ: شریعت کے اصولوں میں سے ایک اصول حرج اور مشقت کو دور کرنا ہے۔

رخصت اور تیسیر کے مابین فرق

رخصت کی تعریف: علامہ آمدی نے رخصت کی دو تعریفیں تحریر فرمائی ہیں:

(۱) الرخصة: ما أبيح فعله مع كونه حراما۔

حرام ہونے کے باوجود کسی کام کا کرنا مباح ہو۔

(٢) الرخصة ما جاز فعله لعذر مع قيام السبب المحرم

عذر کی وجہ سے کسی کام کا کرنا مباح ہو، باوجودیکہ وہ کام حرام ہو۔

اسی طرح اصول الشاشی میں رخصت کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

أما الرخصة فعبارة عن اليسر والسهولة، وفي الشرع صرف الأمر من عسر الى يسر بواسطة عذر المكلف۔

رخصت کا لغوی معنیٰ آسانی اور سہولت ہے۔ اصطلاح شرع میں رخصت نام ہے کسی کام کی ادائیگی میں مکلف کو پیش آنے والے عذر کے سبب تنگی سے آسانی کی طرف پھیر دینا۔

رخصت کی مذکورہ تعریفات کا تحلیلی جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رخصت کا تعلق دو چیزوں سے ہے، ایک یہ کہ رخصت کسی مخصوص عذر کے سبب بہ حالت مجبوری مخصوص وقت کے ساتھ مقید دی جاتی ہے، دوسرا یہ کہ رخصت میں بسا اوقات حرام کام اور حرام اشیاء کے جواز کا بھی حکم دیا جاتا ہے۔

میزان الاصول فی نتائج العقول میں علامہ علاء الدین بن احمد السمر قندی کی تحریر اس تعلق سے خوب واضح ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ رخصت کسی عارضی شئی یا عذر کی وجہ سے معذور کے متعلق حکم میں وسعت پیدا کرنا، چاہے حکم وصف میں تغیر کیا جائے، چاہے نفس حکم میں تغیر کیا جائے۔ جس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(١) حکم شرعی میں کچھ تغیر کیا جائے البتہ وصف شرعی کو بعینہ باقی رکھا جائے، جیسا کہ حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہنا، اس میں حکم شرعی حرمت کا بعینہ باقی ہے، صرف وصف شرعی یعنی اخروی مواخذہ میں تغیر کیا گیا ہے۔

(٢) حکم شرعی اور وصف شرعی دونوں میں تغیر کیا جائے، جیسا کہ مردار کا کھانا حالت مخمصہ میں مباح ہوجاتا ہے، اس میں حکم کی حرمت کو ہی حلت سے متغیر کردیا گیا ہے۔

و [أما] الرخصة فهي اسم لما تغير عن الأمر الأصلي لعارض، إلى تخفيف وتيسير، ترفيها وتوسعة على أصحاب الأعذار، سواء كان التغيير في وصفه أو في حكمه. وذلك نوعان: حقيقة ومجاز. أما الحقيقة - فقد تكلموا فيها: قال بعض مشايخنا: هي نوعان: أحدهما - ما تغير حكمه مع بقاء الوصف الذي كان عليه من قبل، وهو أن يكون الفعل محرما في نفسه مع سقوط حكمه، وهو المؤاخذة في الدار الآخرة. وذلك نحو إجراء كلمة الكفر على لسانه حالة الإكراه، مع قيام التصديق بالقلب، وإتلاف المال المعصوم لغيره بغير إذنه وسبب الإكراه أو المخمصة، حتى لو امتنع فقتل أو مات جوعا فإنه يثاب على ذلك، لامتناعه، ببذل نفسه لوجه الله تعالى، وتعظيم نهيه، لأن حرمة

الكفر والتكلم به لا تحتمل الإباحة بحال، وكذا إباحة تناول مال الغير بغير إذنه لم يرد الشرع به، لكن لا يؤاخذه في الآخرة، لأن العذاب ليس من الأحكام اللازمة لمباشرة المحظور.

وإنما عرف جزاء له بوعيد الله تعالى، والله تعالى ما أوعد الجزاء بمباشرة المحظور عند العذر.

وكذا إفطار صوم رمضان بالإكراه من هذا القبيل.

والنوع الثاني - أن يسقط الحظر والمؤاخذة جميعا . وذلك نحو حرمة الميتة والخمر عند الإكراه والمخمصة، حتى لو امتنع فمات، فإنه يؤاخذ (أي يأثم) بدمه . وأما الصوم في حق المسافر في رمضان : فعند عامة مشايخنا الا من القسم الأول، فإن العزيمة في حق المسافر، إذا كان لا يخاف الهلاك، هو الصوم، فيكون الصوم واجبا في حقه، لكن المؤاخذة ساقطة مع قيام الوجوب. وعند بعض المشايخ من القسم الثاني، لأن الوجوب ساقط إلا أنه إذا ترك الترخص واشتغل بالعزيمة، يعود حكم العزيمة كما كان. (ميزان الأصول في نتائج العقول)

مذکورہ تفصیل سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ رخصت کا تعلق وقتی اعذار سے ہے، جس میں صاحب عذر کو سہولت فراہم کی جاتی ہے، تا آں کہ وہ عذر رفع ہو جائے، جس میں بسا اوقات حرمت کو حلت سے تبدیل کیا جاتا ہے۔

جب کہ تیسیر کے متعلق فقہاء کرام کی عبارت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسیر کا تعلق عمومی لوگوں کو پیش آمدہ پریشانی اور مشقت یا عموم بلوی کے سبب دی جاتی ہے، جس کا تعلق وقتی نہیں ہوتا ہے اور نہ اس میں صاحب عذر کو مقید کیا جاتا ہے، نیز تیسیر میں حرمت کو حلت سے تبدیل نہیں کیا جاتا، البتہ قول ضعیف یا مذہب غیر سے استفادہ کیا جاتا ہے، طوالت سے احتراز کرتے ہوئے علامہ ابن نجیم کی شہرہ آفاق کتاب "البحر الرائق" سے تیسیر کی چند عبارات اور اس کا تحلیلی جائزہ پیش کر رہا ہوں:

(۱) کتاب الطہارت، اُحکام المیاہ میں حوض کے ماء کثیر یا قلیل پر مشتمل ہونے میں قول فیصل کی تعیین کے لئے دہ دردہ کے قول کو اختیار کرنے کی ''وجہ تیسیر علی المسلمین'' قرار دی گئی ہے، باوجود کہ وہ نہ دلیل قطعی سے ثابت ہے اور نہ دلیل ظنی سے، نیز امام صاحب سے مروی قول بھی نہیں ہے۔(البتہ امام صاحب کے قول مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار کی تشریح کہا جاسکتا ہے۔)

فَإِنْ قُلْت إنَّ فِي الْهِدَايَةِ وَكَثِيرٍ مِنْ الْكُتُبِ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى اعْتِبَارِ الْعَشْرِ فِي الْعَشْرِ وَاخْتَارَهُ أَصْحَابُ الْمُتُونِ فَكَيْفَ سَاغَ لَهُمْ تَرْجِيحُ غَيْرِ الْمَذْهَبِ قُلْت لَمَّا كَانَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ التَّفْوِيضَ إلَى رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ وَكَانَ الرَّأْيُ يَخْتَلِفُ بَلْ مِنْ النَّاسِ مَنْ لَا رَأْيَ لَهُ اعْتَبَرَ الْمَشَايِخُ الْعَشْرَ فِي الْعَشْرِ تَوْسِعَةً وَتَيْسِيرًا عَلَى النَّاسِ. (البحر الرائق:۷۹/۱)

(۲) کتاب الطہارت، احکام المیاہ میں ہے: جو حوض طول مع عمق کو شامل ہو (جیسا کہ کنواں، ٹنکی وغیرہ) لیکن عرضاًنہ ہوتو اس کو دہ دردہ کا حکم دیا جائے یا نہ دیا جائے؟ اصولاً اس کو دہ دردہ اور ماء کثیر میں شامل نہ قرار دیا جانا چاہیے؛ مگر ''تیسیر علی الناس'' کے لئے اس کو عرضانہ ہونے کے باوجود دہ دردہ کا حکم دیا گیا ہے۔

وَإِذَا كَانَ الْمَاءُ لَهُ طُولٌ وَعُمْقٌ وَلَيْسَ لَهُ عَرْضٌ وَلَوْ قُدِّرَ يَصِيرُ عَشْرًا فِي عَشْرٍ فَلَا بَأْسَ بِالْوُضُوءِ فِيهِ تَيْسِيرًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ (البحر الرائق: ۱/۸۱)

وَإِنْ كَانَ الْأَوْجَهُ إِلَّا أَنَّ الْمَشَايِخَ وَسَّعُوا الْأَمْرَ عَلَى النَّاسِ وَقَالُوا بِالضَّمِّ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ فِي التَّجْنِيسِ بِقَوْلِهِ تَيْسِيرًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ. (البحر الرائق: ۱/۸۱)

(۳) کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ السوائم میں ثنی وغیرہ جانوروں کو زکوۃ میں دینے کے عدم شرط کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ اہل ثروت کے لئے سہولت پیدا کرنا مقصود ہے:

واقتصر الفقهاء على هذه الأسنان الأربعة، لأن ما عداها لا مدخل لها في الزكاة كالثني والسديس والبازل تيسيرا على أرباب الأموال بخلاف الأضحية (البحر الرائق: ۲/۲۳۰)

(۴) کتاب البیوع میں ہے کہ اگر کسی شخص نے صبرۂ طعام (غلے کا ڈھیر) ہر صاع ایک درہم کے عوض فروخت کیا اور جمیع صاع کو بیان نہ کیا تو امام صاحب کے نزدیک کل مبیع کے بجائے صرف ایک صاع میں عقد درست ہوگا۔

اسی طرح کسی نے بکریوں کا ریوڑ فروخت کیا، ایک بکری ایک درہم میں اور پورے ریوڑ کی تعداد بیان نہیں فرمائی تو امام صاحب (بکریوں کے مثلی نہ ہونے کے سبب) کل میں مبیع کے فساد کے قائل ہیں۔

مذکورہ دونوں مسائل میں صاحبین جواز کے قائل ہیں، اس لئے کہ مقدار اور تعداد کی جہالت کا مرتفع کرنا عاقدین کے لئے آسان ہے اور اس کو مجلس میں کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ دونوں مسائل میں اصحاب ترجیح نے امام صاحب کی دلیل کے قوی ہونے کے باوجود صاحبین کے قول کو ''تیسیر علی الناس'' کے پیش نظر راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔

[بَاعَ صُبْرَةً كُلَّ صَاعٍ بِدِرْهَمٍ] (قَوْلُهُ: وَقَدْ صَرَّحَ فِي الْخُلَاصَةِ فِي نَظِيرِهِ الخ) قَالَ فِي النَّهْرِ وَفِي عُيُونِ الْمَذَاهِبِ بِهِ يُفْتَى لَا لِضَعْفِ دَلِيلِ الْإِمَامِ بَلْ تَيْسِيرًا عَلَى النَّاسِ وَكَأَنَّهُ فِي الْبَحْرِ لَمْ يَطَّلِعْ عَلَى هَذَا، فَقَالَ رُبِّحَ قَوْلُهُمَا فِي الْخُلَاصَةِ فِي نَظِيرِهِ اهـ. (البحر الرائق: ۵/۳۰۸)

(۵) اسی طرح مذکورہ مسئلہ اور ضابطہ کی تفریع کے طور پر مزید ایک جزئیہ علامہ ابن نجیم نے بیان کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے انگور کے ڈھیر میں سے ایک وقر انگور خریدی تو اگر پورا ڈھیر ایک ہی قسم کی انگور پر مشتمل ہے تو ایک وقر

میں عقد درست ہو جائے گا اور اگر مختلف قسم کی انگور کو شامل ہے تو عقد فاسد ہو گا۔

جب کہ صاحبین کے نزدیک بہر صورت عقد درست ہے، چناں چہ صدر الشریعہ اور فقیہ ابو اللیث نے لوگوں کی سہولت کے پیش نظر صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

وَكَذَا إِذَا كَانَ الْجِنْسُ مُخْتَلِفًا هَكَذَا أَوْرَدَهُ الصَّدْرُ الشَّهِيدُ وَالْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ جَعَلَ الْجَوَابَ بِالْجَوَازِ فِيمَا إِذَا كَانَ الْعِنَبُ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ مُتَّفَقًا عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَجْنَاسٍ مُخْتَلِفٍ فِيهِ قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ وَالْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهِمَا تَيْسِيرًا لِلْأَمْرِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ اهـ. (البحر الرائق: ۳۰۸/۵)

مذکورہ مسائل کی روشنی میں درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

(۱) شریعت میں فقہاء کرام نے عبادات اور معاملات ہر دو طرح کے مسائل میں تیسیر کے پہلو کو مد نظر رکھا ہے، جیسا کہ طہارت میں تیسیر کا لحاظ کیا گیا، اسی طرح بیوع میں بھی تیسیر کی بنیاد پر فتوی دیا گیا ہے۔

(۲) اختلاف دلائل کی صورت میں قوت دلیل کو ترجیح دینے کے بہ جائے دلیل ضعیف یعنی لوگوں کی سہولت اور تیسیر کو مد نظر رکھا گیا ہے، اور اس کو راجح قرار دیا، جیسا کہ مذکورہ مسائل میں نمبر (۴-۵) میں ذکر کردہ عبارت میں واضح مرقوم ہے کہ امام صاحب کی دلیل کے قوی ہونے کے باوجود صاحبین کے قول پر صرف لوگوں کی سہولت کے پیش نظر فتوی دیا گیا ہے۔

(۳) تیسیر کا حکم لوگوں کی ضرورت، حاجت اور عموم بلوی کے سبب دیا جا سکتا ہے۔ کسی عذر کے ساتھ مقید نہ ہو گا۔

(۴) تیسیر میں کسی حرام کی حلت کا حکم نہیں دیا جاتا ہے، بلکہ کبھی اپنے ہی مذہب کی غیر راجح اور ضعیف دلیل کو سہولت کے پیش نظر مقدم کیا جاتا ہے تو کسی وقت مذہب غیر سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

رخصت اور تیسیر میں وجوہ فرق

مذکورہ تفصیل سے رخصت اور تیسیر کے مابین فرق واضح ہے کہ رخصت میں وقتی طور پر کسی معذور کو سہولت فراہم کی جاتی ہے اور کبھی ضرورت کے پیش نظر کسی امر حرام کو حلال قرار دیا جاتا ہے۔

تیسیر میں دی جانے والی سہولت دائمی ہوتی ہے، عذر کے ساتھ مقید نہیں ہوتی ہے۔

تیسیر میں کسی امر حرام کو حلال نہیں کیا جاتا؛ بلکہ تیسیر میں تلفیق سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کرنا لازمی ہے۔ تیسیر کے لئے کسی معتبر امام کا قول اور دلیل ہونا ضروری ہے، نیز تیسیر کے لئے مشقت، حرج اور ضرورت کا اس قدر قوی ہونا ضروری ہے کہ اس کے علاوہ کوئی راہ نہ ہو۔ تیسیر کے لئے قوی دلیل کو ترک کیا جا سکتا ہے۔

نیز علامہ شامی نے ضرورتاً مذہب کے قول ضعیف کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے:

هَلْ يَجُوزُ لِلْإِنْسَانِ الْعَمَلُ بِالضَّعِيفِ مِنْ الرِّوَايَةِ فِي حَقِّ نَفْسِهِ، نَعَمْ إذَا كَانَ لَهُ رَأْيٌ ...... إلى أن قال.. لَوْ أَفْتَى مُفْتٍ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الْأَقْوَالِ فِي مَوَاضِعِ الضَّرُورَةِ طَلَبًا لِلتَّيْسِيرِ كَانَ حَسَنًا . اهـ وَخَصَّهُ بِالضَّرُورَةِ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے مواقع میں تیسیر کے لئے مذہب کے قول ضعیف کو ترجیح دینا درست ہے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں تیسیر کے اسباب

احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے استقراء تیسیر اور رخصت کے درج ذیل اسباب معلوم ہوتے ہیں:

(۱) ضرورت وحاجت، (۲) عموم بلوی، (۳) حرج

احکام میں تیسیر کا بنیادی سبب لوگوں کی ضروریات اور حاجت کا خیال کرنا ہے، اس لئے کہ اگر لوگوں کی ضروریات اور حاجات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا تو دین پر عمل کرنا لوگوں کے لئے دشوار ہو جائے گا اور لوگ راہ فرار تلاش کریں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام الہی کی تعبیر اور تشریح کرتے ہوئے لوگوں کی ضرورت اور حاجت کا خصوصی طور پر خیال رکھا ہے، چناں چہ جہاں کہیں مشکلات اور تکالیف میں مبتلا دیکھا تو اس کے لئے تخفیف اور تیسیر کی راہ اختیار فرمائی، چناں چہ طویل نماز سے ممانعت کی بینادی وجہ لوگوں کی ضروریات اور تکالیف کا خیال کرنا ہے، ایک صحابی نے فجر میں عدم حاضری کا سبب طول صلوۃ کو بیان فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنقید فرمائی:

قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا قَالَ: وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ. (رواه البخاري: ۷۰۲)

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ قسم اللہ کی میں صبح کی نماز میں فلاں کی وجہ سے دیر میں جاتا ہوں، کیوں کہ وہ نماز کو بہت لمبا کر دیتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ کبھی بھی غضب ناک نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ عوام کو عبادت سے یا دین سے نفرت دلا دیں، خبردار تم میں لوگوں کو جو شخص بھی نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے۔ کیونکہ نمازیوں میں کمزور، بوڑھے اور ضرورت والے سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو طول صلاۃ ہی کے سبب تنبیہ فرمائی تھی:

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا مُعَاذُ، أَفَتَانٌ أَنْتَ أَوْ أَفَاتِنٌ ثَلَاثَ مِرَارٍ، فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ

رَبِّكَ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ (رواه البخاري: ۷۰۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا، بعدہ فرمایا: سبح اسم ربك، والشمس وضحاها، والليل إذا يغشى (سورتیں) تم نے کیوں نہ پڑھیں، کیوں کہ تمہارے پیچھے بوڑھے، کمزور اور حاجت مند نماز پڑھتے ہیں۔

اسی طرح سن رسیدہ اور ضرورت مندوں کی رعایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود نصف شب تک عشاء مؤخر کرنے کی خواہش کو ترک کر کے ایک ثلث پر عشاء ادا فرمائی ہے۔

مذکورہ تمام روایات سے یہ مترشح ہے کہ لوگوں کی ضروریات کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیسیر اور سہولت کی راہ اختیار فرماتے تھے۔

عموم بلوی

احکام میں تیسیر کا دوسرا سبب "عموم بلوی" ہے، عموم بلوی کا معنی ہے کسی بلا، مصیبت یا مشقت کا اس قدر عام ہو جانا کہ لوگوں کے لئے اس سے بچنا مشکل ہو جائے تو اس میں لوگوں کی سہولت اور آسانی کے تحت بعض مسائل میں تیسیر یعنی آسانی کے پہلو کو اختیار کیا جاتا ہے، چناں چہ عقد بیع میں معدوم کی بیع کو اصولاً ناجائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ معدوم شئ کی خرید و فروخت کی وجہ سے متعاقدین کے مابین تنازع کا اندیشہ ہے لیکن عموم بلوی یعنی عمومی طور پر لوگوں کے اس میں مبتلاء ہونے اور عدم جواز میں مشقت کے سبب "عقد سلم، کو نبی کریم سلی یا اللہ نے جائز قرار دیا:

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: "مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ، فَفِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ. (رواه البخاری: ۲۲۴۰)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجور میں دو اور تین سال تک کے لیے بیع سلم کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ جسے کسی چیز کی بیع سلم کرنی ہے، اسے مقررہ وزن اور مقررہ مدت کے لیے ٹھہرا کر کرے۔

اسی طرح بلی سے نجاست کی نفی اور اس کے پس خوردہ کے استعمال کا جواز بلی کے بہ کثرت گھروں میں آمد و رفت کے سبب ہی ہے:

إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ

وہ (بلی) ناپاک نہیں ہے، اس لئے کہ وہ بسا اوقات آپ کے پاس آمد و رفت کرنے والی ہے۔

اسی طرح متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموم بلوی کے سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسیر کی راہ اختیار فرمائی

ہے، جیسا کہ راستہ کی گندگی کے باوجود دامن کے پاک ہونے کا حکم ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنھا کو فرمایا، وغیرہ مسائل سے بھی واضح ہوتا ہے کہ عموم بلوی تیسیر کے من جملہ اسباب ایک ہے۔

اسی بناء پر علامہ سیوطی اور علامہ ابن نجیم (الاشباہ والنظائر) میں عموم بلوی کے تحت تیسیر ہونے والے مسائل کو فہرست وار ذکر فرمایا ہے، جس میں سے ۷ امقامات صلوۃ کے حوالہ سے ذکر فرمائے ہیں:

(۱) کپڑے پر اس کے چوتھائی حصے یا اس سے کم نجاست خفیفہ۔ (۲) کپڑے پر درہم کے برابر یا اس سے کم حصے پر نجاست غلیظہ، (۳) پسوؤں اور کھٹملوں کا خون، خواہ کتنا ہی کثیر ہو۔ (۴) راستوں اور سڑکوں کی نجاست آلودہ مٹی، (۵) نجاست کا اثر کپڑے پر رہ جائے اور یہ اثر دور نہ ہو۔ (۲) بلی کا پیشاب ایسے پانی میں مل جائے جو کسی برتن میں نہ پڑا ہو، (۷) کبوتر اور چڑیا وغیرہ کی بیٹ خواہ، کثرت سے ہو، (۸) حرام پرندوں کی بیٹ، گوبر کے ذرات (۱۰) نجس شے کے جلنے سے پیدا شدہ دھواں، (۱) حیوانوں کی گزرگاہ کی گوبر آلود مٹی (۱۳) نجس بھاپ (۳) حمام کی دیواروں سے ٹپکنے والے قطرات (۱۴) پاک مٹی جو ناپاک پانی میں گندھی ہوئی ہو۔ (۱۵) راستے کا کیچڑ اور آلودہ پانی، (۱۶) زخموں اور پھوڑوں کا خون و پیپ (۱۷) چھوٹی مچھلیوں کے پیٹ کی آلائش۔

نماز کے علاوہ دیگر صورتوں کا ذکر بھی اس انداز سے شریعت میں ذکر کیا گیا ہے۔ دودھ دوہتے وقت بکری وغیرہ کی مینگنی دودھ میں گر پڑے جبکہ وہ نہ تو پھٹے اور نہ دودھ کی رنگت تبدیل کرے تو ایسا دودھ پاک ہے۔

علاوہ ازیں متعدد مسائل میں فقہاء کرام نے عموم بلوی کے سبب تیسیر کی راہ اختیار فرمائی ہے۔

مشقت اور حرج

تیسیر کے اسباب میں ایک اہم سبب حرج ہے، جس کا معنی کسی ایسی مجبوری یا مشقت جو اصل حکم شرعی پر عمل پیرا ہونے سے مانع ہو، ایسی صورت میں تیسیر کی راہ اختیار کی جائے گی۔ چناں چہ عام احوال میں مردوں کے لئے سونا کے استعمال کی ممانعت وارد ہوئی ہے لیکن مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت نبی کریم ﷺ نے صحابی رسول کو عنایت فرمائی تھی:

عَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ أَسْعَدَ ، قَالَ : "أُصِيبَ أَنْفِي يَوْمَ الْكُلَابِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاتَّخَذْتُ أَنْفًا مِنْ وَرِقٍ فَأَنْتَنَ عَلَيَّ، فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ (رواہ الترمذی: ۱۷۷۰)

عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں کلاب (ایک لڑائی) کے دن میری ناک کٹ گئی، میں نے چاندی کی ایک ناک لگائی تو اس سے بد بو آنے لگی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے کی ایک ناک لگانے کا حکم دیا۔

ان ہی احادیث کے پیش نظر فقہاء کرام نے مشقت کے سبب تیسیر اختیار کرنے کے متعلق قواعد بیان فرمائے

ہیں،جس کا ذکر آخر میں آرہا ہے۔

رخصت کے اسباب

قرآن وحدیث میں غور کرنے سے رخصت کے درج ذیل اسباب معلوم ہوتے ہیں۔

(1)اکراہ (۲)اضطراری حالت (۳)نسیان (۴)مرض (۵)سفر

معاملات میں تیسیر

ماقبل میں رخصت اور تیسیر کے فرق کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ذکر کر دیا گیا کہ فقہاء کرام نے معاملات میں بھی تیسیر کی رعایت فرمائی ہے۔

البلاغ مفتی اعظم نمبر:ص ۴۱۹ پر ہے:

چاروں مذاہب بلاشبہ برحق ہے اور ہر ایک کے پاس دلائل موجود ہیں، اس لئے اگر مسلمانوں کو کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو تو اس موقع پر کسی دوسرے مجتہد کے مسلک پر فتوی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت والد صاحب (مفتی اعظم مفتی شفیع صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہی نے حضرت تھانوی کو یہ وصیت کی تھی اور حضرت تھانوی نے ہم سے فرمایا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ سے دین دار مسلمان تنگی کا شکار ہیں، اس لئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں بلوی عام ہو، وہاں ائمہ اربعہ سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو، اس کو فتاوی کے لئے اختیار کر لیا جائے۔

لیکن والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کسی دوسرے امام کا قول اختیار کرنے کے لئے چند باتوں کا اطمینان کر لینا ضروری ہے: (۱) سب سے پہلے تو یہ کہ واقعتاً مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت متحقق ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ محض تن آسانی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر لیا جائے، اس اطمینان کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی ایک مفتی خود رائے کے ساتھ یہ فیصلہ نہ کرے، بلکہ دوسرے اہل فتویٰ حضرات سے مشورہ کر لے، اگر وہ بھی متفق ہو تو اتفاق رائے کے ساتھ ایسا فتوی دیا جائے۔

(۲) جس امام کا قول لیا جائے، اس کی پوری تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل فتویٰ علماء سے معلوم ہو جائیں محض کتابوں میں دیکھنے پر اتفاق نہ کیا جائے کہ بسا اوقات اس قول کی بعض ضروری تفصیلات عام کتابوں میں مذکور نہیں ہوتی اور ان کے نظر انداز کر دینے سے تلفیق کا اندیشہ ہے۔

(۳) ائمہ اربعہ سے خروج نہ کیا جائے، کیوں کہ ان حضرات کے علاوہ کسی بھی مجتہد کا مذہب مدون شکل میں ہم تک نہیں پہنچا اور نہ ان کے متبعین اتنے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی قول استفاضہ یا تواتر کی حد تک پہنچ جائے۔(البلاغ،

کذافی اصول الافتاء وآدابہ)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی شفیع صاحب کی مذکورہ نصائح آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، جو مشعل راہ ہونے کے ساتھ متعدد کتب فقہ کا عصیر اور ماحصل ہے اور مرسلہ سوالات کے حل کے لئے بھی مفید ہیں۔ جس سے حاصل شدہ نتائج درج ذیل ہیں:

(۱) عبادت کے مقابلہ میں بیوع اور معاملات میں تیسیر کے پہلو کا زیادہ لحاظ رکھا جانا چاہیے۔ البتہ عبادت میں بھی تیسیر اختیار کی جاسکتی ہے۔

(۲) تیسیر کے لئے واقعی اجتماعی شدید ضرورت، حرج اور مشقت کا ہونا لازمی ہے۔

(۴) تیسیر کے لئے ائمہ اربعہ میں سے کسی مذہب پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

(۵) مذہب غیر پر فتوی دینے کی صورت میں تخلیق سے بچنے کی ممکنہ تمام کوشش کرنا لازم ہے۔

اسی طرح علامہ شامی نے مسافرین کے لئے جمع بین الصلاتین کی اجازت دی ہے، علامہ ابن ہمام مختلف مذاہب کی رخصتوں کی پیروی کے جائز ہونے کے طرف میلان رکھتے تھے، (ملاحظہ فرمائیں: تیسیر التحریر: ۴/ ۲۵۴)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تیسیر کے لئے مذہب غیر کو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن اس میں احتیاط سے کام لینا از حد ضروری ہے؛ تا کہ خواہشات نفسانی کا شکار نہ ہوجائیں اور مدون مرتب مذاہب کا بالکلیہ ترک لازم نہ آئے۔ علامہ شامی کی ماقبل میں ذکر کردہ عبارت سے یہ بھی واضح ہے کہ مذہب کی ضعیف روایت کو اختیار کیا جاسکتا ہے، لہذا مذہب کی ضعیف روایت کے ہوتے ہوئے مذہب غیر کو اختیار کرنا مناسب نہ ہوگا۔

فقہاء کرام کے ذکر کردہ تیسیر کے متعلق قواعد

تیسیر کے متعلق کتب فقہ اور قواعد فقہ میں متعدد قواعد مذکور ہیں: اَلْمَشَقَّة تجلب التَّیْسِیر -- إذا ضَاقَ الْأَمْرِ اتَّسَعَ -- الحرج مدفوع أو مرفوع وغيرها.

تیسیر کے متعلق مذکور قواعد الفاظ کے اعتبار سے گرچہ مختلف ہیں لیکن معانی کے اعتبار سے مربوط ہیں، لہذا معنوی اعتبار سے ان قواعد کا مرجع ایک ہے، اس کے پیش نظر جمیع قواعد کی مختصراً یکجا توضیح پیش کی جاتی ہے:

علامہ شاطبی نے الموافقات میں دو مقامات میں مشقت کی وضاحت فرمائی ہے (۱) جب کوئی کام کسی شخص کی قدرت میں ہو لیکن وہ اسے انجام دینے میں کافی مشکل محسوس کرے تو اسے مشقت کہیں گے، مزید وضاحت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: عموماً ایسی تکلیف جو روزمرہ کے معمولات میں لاحق ہوتی ہے، مشقت نہیں کہلاتی بلکہ اس سے بڑھ کر جو زائد تکلیف اٹھانا پڑے، اسے مشقت کہتے ہیں۔

اسی طرح جن امور کو انجام دینا انسان کی طاقت سے باہر ہو تو ان اعمال کا اسے مکلف بنانا بھی مشقت کہلائے گا۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ کوئی عمل اس قدر دشوار ہو جائے کہ اس کی ادائیگی تکلیف دہ ہو، پریشانی، جانی یا مالی نقصان کا باعث ہو، اس میں اجتماعیت اور عمومیت ہو تو شرعاً اس کو مشقت سے تعبیر کیا جائے گا اور وہ مشقت باعث تیسیر ہوگی۔

قاعدہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ احکام شرعیہ کی تعمیل جہاں ایسی تنگی اور سختی کا باعث بنے جو مکلف کے بس، طاقت اور قدرت ممکنہ سے باہر ہو تو ایسے حرج اور تنگی کو دفع کیا جائے گا اور تیسیر کے ذریعہ انسانی طاقت کے بہ قدر مکلف کیا جائے گا۔ اس صورت میں زمان و مکان کا لحاظ بھی ضروری ہے، اسی لئے کہ ایک امر ایک مکان میں لوگوں میں مشقت سمجھا جاتا ہے، جب کہ دیگر مقام میں اس کو لوگ بہ خوشی انجام دیتے ہیں، اسی طرح ایک زمانہ میں کوئی عمل لوگ بہ رضا و تسلیم کرتے تھے لیکن مرور زمانہ کے سبب لوگوں کے لئے اس کی ادائیگی میں دشواری ہونے لگی تو ایسی صورت میں تیسیر کے پہلو کو اپنایا جائے گا۔

علامہ ابن نجیم نے إذا ضَاقَی الأمر اتسع ” کا مطلب تقریباً یہی بیان فرمایا ہے، یعنی جب کسی کام میں سخت تنگی پیدا ہو جائے تو اس میں وسعت دی جاتی ہے۔

مصطفی احمد زرقاء (المدخل الفقہی العام: ۲ / ۲۹۴) فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص یا اشخاص یا ملک و ملت کو کوئی اشد ضرورت پیش آ جائے یا ایسی خاص اور استثنائی حالات پیش آ جائیں، جن میں شریعت کے عمومی اور معمولی احکام کو بعینہ نافذ کرنا حرج، مشقت اور دشواری کا باعث ہو تو اس حکم کے نفاذ میں تیسیر اور تخفیف سے کام لیا جائے۔

ملحوظہ: مشقت اور تنگی کے ساتھ سخت، بڑی مشقت، اشد ضرورت وغیرہ کی قید احترازی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ موہوم اور معمولی مشقت کو بہانہ بنا کر اہل ہوی سہولت کی راہیں تلاش نہ کرنے لگے اور دین ایک بازیچہ کی حیثیت اختیار نہ کر لے۔

تیسیر کے قواعد کا خلاصہ یہ کہ اشد ضرورت کے مواقع میں مذہب کی ضعیف روایت یا غیر مذہب کی طرف عدول کرتے ہوئے تیسیر کی راہ اختیار کی جاسکتی ہے۔

اس اعتبار میں مکان و زمان کا خصوصی طور پر لحاظ رکھا جانا چاہیے، لہذا ملک کے حالات اور وقت کی ضرورت کے پیش نظر فقہ التیسیر کی جانب علماء اہل ہند کو توجہ دینی چاہیے، جدید فارغین اور متدربین فی الافتاء کو اس فن میں اختصاص کرانا چاہیے؛ تاکہ مزید راہیں ہموار ہوں۔

تیسیر کا معنی، اور اس کی حکمت

مولانا خورشید احمد اعظمی
رگھوناتھ پورہ مئوناتھ بھنجن

تیسیر کا لغوی معنی:

تیسیر، یُسر بمعنی نرمی وسہولت سے ماخوذ ہے "اليُسْرُ: اللِّينُ وَالِانْقِيَادُ" (لسان العرب) جو تفعیل کے وزن پر متعدی استعمال ہوتا ہے آسان کرنے کے معنی میں "يسر الشئ: سهله" (القاموس الفقهی) اور یہ عسر بمعنی مشکل اور تنگی کی ضد ہے، حدیث میں مذکور ہے:

"أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم بعث معاذا وأبا موسى إلى اليمن قال: يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا، وتطاوعا ولا تختلفا" (صحیح بخاری: ح 3038)

تیسیر کا اصطلاحی معنی:

اللہ عز وجل نے اپنی مخلوقات سے خاص طور پر انسان وجنات کو بالکلیہ ہر طرح کی آزادی اور چھوٹ نہیں دے رکھی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں منمانی کریں، اور طاقتور کمزور کو اپنا غلام بنائے رکھے، بلکہ عقیدہ وعبادت اور معاملات میں کچھ خاص احکام کا مکلف و پابند بنایا ہے، جس کے وہ مسئول اور جوابدہ ہو، اسی کو دین وشریعت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ کسی کے احکام کی تعمیل اور دستور وقانون کی پابندی فی نفسہ مشقت وکلفت کے مرادف ہے، مگر ارحم الراحمین نے ان احکام وشریعت میں یہ رعایت رکھی ہے کہ اس کی تعمیل میں اتنی ہی مشقت وکلفت ہو جس کا بندے تحمل کر سکیں، شریعت میں اس رعایت کو اللہ عز وجل نے اپنی کتاب میں بیان بھی کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے، "إن الدين يسر"، "لا يكلف الله نفسا إلا وسعها"، "وما جعل عليكم في الدين من حرج" وامثالها، اور اسی لحاظ سے مکمل دین کو یسر اور آسان کہا گیا ہے، کہ ان احکام کی بجا آوری علی العموم انسان کے بس میں ہے، ان کے لئے شاق نہیں ہے، اس کے باوجود چونکہ ان مکلفین پر مختلف احوال آتے ہیں، ان عارضی احوال کی رعایت کرتے ہوئے دین میں مزید کچھ سہولت و آسانی رکھی گئی ہے کہ ان عوارض کے ساتھ بھی بندے اپنی عبودیت و بندگی کو انجام دے سکیں، اس تیسیر کو رخصت ،تخفیف اور رفع حرج سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اس مختصر تحریر میں اسی تیسیر سے متعلق کچھ وضاحتیں مقصود ہیں۔

شرعی اصطلاح میں اس تیسیر کا مفہوم یہ ہے کہ احکام کی تعمیل میں کسی عارض کے سبب پیش آنے والی مشقت کو آسان کرنا:

”وَأما الرُّخْصَة فعبارة عَن الْيُسْر والسهولة وَفِي الشَّرْع صرف الْأَمر من عسر الى يسر بِوَاسِطَة عذر فِي الْمُكَلف“ (اصول الشاشی)

رخصت ایک تعبیر ہے یسر اور سہولت کی، اور شریعت میں: حکم کو مکلف میں کسی عذر کے سبب تنگی سے آسانی کی طرف پھیرنا ہے۔

”وَأَمَّا الرُّخْصَةُ: فَالْمَشْرُوعُ لِعُذْرٍ مَعَ قِيَامِ الْمُحَرِّمِ لَوْلَا الْعُذْرُ. كَأَكْلِ الْمَيْتَةِ لِلْمُضْطَرِّ، وَالْقَصْرِ وَالْفِطْرِ فِي السَّفَرِ وَاجِبًا وَمَنْدُوبًا وَمُبَاحًا.“ (المختصر لابن الحاجب: 408/1)

اور رخصت، عذر کے سبب دیا گیا حکم ہے، حرام کرانے والے حکم کے قائم رہتے ہوئے اگر عذر نہ ہو، جیسے مضطر کے لئے مردار کھانا، اور سفر میں قصر وافطار کرنا، وجوب، مندوب اور مباح کے طور پر۔

تیسیر کی حکمتیں:

1- تیسیر کی اساسی حکمت حتی الوسع احکام شریعت کے امتثال کا تحقق اور عبودیت وبندگی کے اظہار کی تکمیل ہے:

”وما خلقت الجن والإنس الا ليعبدون“

2- عمل پر دوام کا حصول، ”أحب الأعمال إلى الله أدومه“

3- تیسیر، دین اسلام اور اسلامی شریعت کے تاقیامت ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے موافق اور ہر مکلف کے لئے قابل عمل ہونے یعنی دین وشریعت کے عالمی اور دائمی ہونے کی دلیل ہے۔

4- تیسیر دین اسلام کی قبولیت اور دینداری کی طرف رجحان کا ایک اہم ذریعہ ہے کہ عوارض کے لحاظ سے دینداری کے تقاضوں کو پورا کرنے کی سہولیت حاصل ہے۔

تیسیر کی مشروعیت کا قول ہر مسلک ومذہب اور تمام فقہاء کے یہاں ملتا ہے، امام شاطبیؒ نے لکھا ہے:

”كُلُّ أَمْرٍ شَاقٍّ جَعَلَ الشَّارِعُ فِيهِ لِلْمُكَلَّفِ مَخْرَجًا؛ فَقَصْدُ الشَّارِعِ بِذَلِكَ الْمَخْرَجِ أَنْ يَتَحَرَّاهُ الْمُكَلَّفُ إِنْ شَاءَ، كَمَا جَاءَ فِي الرُّخَصِ شَرْعِيَّةُ الْمَخْرَجِ مِنَ الْمَشَاقِّ، فَإِذَا تَوَخَّى الْمُكَلَّفُ الْخُرُوجَ مِنْ ذَلِكَ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي شُرِعَ لَهُ، كَانَ مُمْتَثِلًا لِأَمْرِ الشَّارِعِ، آخِذًا بِالْحَزْمِ فِي أَمْرِهِ“ (الموافقات: 531/1)

ہر بامشقت امر میں شارع نے مکلف کے لئے سہولت کا راستہ بنایا ہے، اس تسہیل سے شارع کا مقصد یہ ہے کہ اگر بندہ چاہے تو اس کا قصد کرے اس طور پر جیسا کہ رخصتوں میں مشقتوں سے نکلنا مشروع ہے، تو جب مکلف اس

مشقت سے اس طور پر نکلنے کا ارادہ کرتا جو جو اس کے لئے مشروع ہے تو وہ شارع کے حکم کا امتثال کرنے والا ہوگا۔

(۲)۔تیسیر کی بنیادیں،اسباب،اور دائرۂ کار:

تیسیر کی بنیادیں درج ذیل ہیں:

1۔تیسیر کی بنیاد بندوں کا مکلف ہونا ہے،اوراس کا تقاضا اظہار عبودیت اور امتثال اوامر واجتناب نواہی کی حتی الوسع تکمیل ہے،اس کی تفصیل یہ ہے کہ بندے اللہ کی عبادت کے مکلف ہیں،ارشاد باری ہے:"**وما خلقت الجن و الإنس إلا ليعبدون**"اور یہ تکلیف عقائد وعبادات اور معاملات تینوں امور میں ہے۔

2۔دوسری بنیاد بشری قدرت واستطاعت کی رعایت ہے،مکلفین کی قدرت واستطاعت میں فرق وتفاوت ہے،خلقی طور پر خالق نے لوگوں میں صحت ومرض،سلامتیٔ اعضاء اور نقص وعیب،وغیرہ کے لحاظ سے تفاوت رکھا ہے:

"ليس على الأعمى حرج ولا على الأعرج حرج"

3۔تیسیر کی بنیاد طبعی ضعف انسانی ہے،عارضی اعذار سے قطع نظر طبعی طور پر انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے،اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:"**وخلق الإنسان ضعيفا**"جس کا تقاضا ہے کہ اسے ایسے ہی احکام کا مکلف بنایا جائے جسے وہ انجام دے سکے،تشریع کا مقصد تعمیل ہے نہ کہ تعجیز۔

تیسیر کے اسباب:

تغیر احوال ولاحقۂ عوارض ایک امر واقعہ ہے،صحت مند لوگ بھی ہمیشہ یکساں نہیں رہتے،بیماری کا لاحقہ،سفر کا عارضہ،اور احوال میں تغیر طبع انسانی ہے،ان سارے امور کی رعایت تیسیر کا سبب قرار دی جاسکتی ہے،یا بالفاظ دیگر بشری قوت واستطاعت کی رعایت کرنا تیسیر کا سبب ہے،اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:"**لا يكلف الله نفسا إلا وسعها**"،"**فاتقوا الله ما استطعتم**" تاکہ بندے اپنے فریضۂ بندگی کو بسہولت انجام دے سکیں،اور احکام شریعت تعجیز کے مرادف نہ ہو،تیسیر کا بنیادی سبب بندہ کا عجز اور عوارض کا لاحق ہونا ہے،"**وأنواعها مُختَلفَة لاختِلَاف أَسبَابهَا وَهِي أعذار الْعباد**"(اصول الشاشی:)

اور رخصت وتیسیر کی انواع اختلاف اسباب کی وجہ سے کئی ایک ہیں،جس کی تفصیل اصحاب اصول نے سات اسباب میں کی ہے:

1۔سفر:سفر سے مراد مطلق اپنے شہر سے خروج بھی ہے اور تین دن کی مسافت کا سفر بھی،اور تیسیر کا سبب دونوں ہیں:

"الْأَوَّلُ السَّفَرُ، وَهُوَ نَوْعَانِ: مِنْهُ مَا يَخْتَصُّ بِالطَّوِيلِ، وَهُوَ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا، وَهُوَ الْقَصْرُ، وَالْفِطْرُ،

وَالْمَسْحُ أَكْثَرَ مِنْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَسُقُوطُ الْأُضْحِيَّةُ عَلَى مَا فِي غَايَةِ الْبَيَانِ.وَالثَّانِي مَا لَا يَخْتَصُّ بِهِ، وَالْمُرَادُ بِهِ، مُطْلَقُ الْخُرُوجِ عَنْ الْمِصْرِ، وَهُوَ تَرْكُ الْجُمُعَةِ.الخ“ (الاشباہ والنظائر)

وہ احکام جو سفر طویل کے ساتھ خاص ہیں: وہ فرض نماز میں قصر کرنا، رمضان میں روزہ نہ رہنا، اور ایک دن ایک رات سے زیادہ مدت تک موزوں پر مسح کرنا اور اضحیہ کا ساقط ہونا ہے، اس کے تحت غمز عیون البصائر میں مذکور ہے:

”قَالَ بَعْضُ الْفُضَلَاءِ: وَلَكِنْ قَدْ حَمَلَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا قَوْلَهُ - عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ عَلَى الْفَقِيرِ وَالْمُسَافِرِ أُضْحِيَّةٌ عَلَى الْخُرُوجِ مِنْ بَلْدَةٍ، أَوْ قَرْيَةٍ حَتَّى تَسْقُطَ الْأُضْحِيَّةُ بِذَلِكَ الْقَدْرِ“

بعض فضلاء نے کہا کہ ہمارے بعض اصحاب نے مسافر پر اضحیہ نہ ہونے کو شہر یا بستی سے خروج پر محمول کیا ہے، تو سفر کی اتنی ہی مقدار سے قربانی ساقط ہوجائے گی (1 / 246)

2 -مرض: ” حَالَةٌ لِلْبَدَنِ يَزُولُ بِهَا اعْتِدَالُ الطَّبِيعَةِ، وَأَنَّهُ لَا يُنَافِي أَهْلِيَّةَ الْحُكْمِ، أَيْ أَهْلِيَّةَ وُجُوبِ الْحُكْمِ، سَوَاءٌ كَانَ مِنْ حُقُوقِ اللَّهِ تَعَالَى، أَوْ مِنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ؛ لِأَنَّ الْمَرَضَ لَا يُخِلُّ بِالْعَقْلِ وَلَا يَمْنَعُهُ عَنْ اسْتِعْمَالِهِ؛“ (غمز عیون البصائر: 246/1)

بدن کی ایک حالت ہے جس سے طبیعت کا اعتدال زائل ہوجاتا ہے، اور یہ اہلیت حکم کے منافی نہیں ہے، یعنی اس کے وجوب کے منافی نہیں ہے، عام اس سے کہ حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، اس لئے کہ مرض عقل میں خلل انداز نہیں ہوتا اور اس کے استعمال سے مانع نہیں ہوتا۔

3 -اکراہ: ”وَهُوَ حَمْلُ الْغَيْرِ عَلَى أَنْ يَفْعَلَ مَا لَا يَرْضَاهُ، وَلَا يَخْتَارُ مُبَاشَرَتَهُ لَوْ خُلِّيَ وَنَفْسَهُ“ (شرح التلویح:390/2)

اکراہ غیر پر دباؤ بنانا ہے کہ وہ اس کام کو کرے جس کے کرنے پر وہ راضی نہیں ہے، اور اس آزاد چھوڑ دیا جائے تو اسکے انجام دینے کو اختیار نہ کرے:

”اعْلَمْ أَنَّ الْإِكْرَاهَ عَلَى نَوْعَيْنِ إِمَّا أَنْ يَكُونَ بِوَعِيدِ قَيْدٍ أَوْ حَبْسٍ أَوْ بِوَعِيدِ قَتْلٍ أَوْ إِتْلَافِ عُضْوٍ فَالْأَوَّلُ يَظْهَرُ فِي الْأَقْوَالِ نَحْوَ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ وَالْإِقْرَارِ وَنَحْوِهَا فَلَا تَصِحُّ مِنْهُ هَذِهِ التَّصَرُّفَاتُ وَلَا يَظْهَرُ فِي الْأَفْعَالِ حَتَّى لَوْ أُكْرِهَ بِوَعِيدِ قَيْدٍ أَوْ حَبْسٍ عَلَى أَنْ يَطْرَحَ مَالَهُ فِي النَّارِ أَوْ فِي الْمَاءِ، أَوْ عَلَى أَنْ يَدْفَعَ مَالَهُ إِلَى فُلَانٍ، فَفَعَلَ الْمَأْمُورُ ذَلِكَ لَا يَكُونُ مُكْرَهًا، وَالْإِكْرَاهُ بِوَعِيدِ الْقَتْلِ وَإِتْلَافِ الْعُضْوِ يَظْهَرُ فِي الْأَقْوَالِ وَالْأَفْعَالِ جَمِيعًا نَحْوَ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ. كَذَا فِي الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ.“ (غمز: 203/3)

اکراہ کی دو نوعیت ہے، یا تو قید وحبس کی دھمکی ہوگی تو اس کا ظہور اقوال مثلاً بیع، اجارہ اور اقرار وغیرہ میں ہوگا، ایسے مکرہ سے اس قبیل کے تصرفات صحیح نہیں ہوں گے، اور اس کا اثر افعال پر نہیں پڑتا، مثلاً کسی پر قید کی

دھمکی کے ساتھ دباؤ بنایا جائے کہ وہ اپنا مال آگ یا پانی میں پھینک دے یا فلاں کو دیدے اور اس نے ایسا کر لیا تو وہ مکرہ نہیں مانا جائے گا، اور دوسری نوعیت قتل یا اتلاف عضو کی دھمکی کے ساتھ دباؤ بنانا ہے، تو یہ اقوال وافعال، نکاح وطلاق سبھی میں مؤثر ہوگا، اور وہ مکرہ مانا جائے گا۔

4-نسیان:

" وَهُوَ عَدَمُ اسْتِحْضَارِ الشَّيْءِ وَقْتَ الْحَاجَةِ، فَيَشْمَلُ السَّهْوَ عِنْدَ الْحُكَمَاءِ، فَإِنَّ اللُّغَةَ لَا تُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا، وَهُوَ لَا يُنَافِي الْوُجُوبَ لِكَمَالِ الْعَقْلِ وَلَيْسَ عُذْرًا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ لَوْ أَتْلَفَ مَالَ إِنْسَانٍ يَجِبُ عَلَيْهِ الضَّمَانُ وَفِي حُقُوقِهِ تَعَالَى عُذْرٌ فِي سُقُوطِ الْإِثْمِ "(غمز عیون البصائر)

نسیان ضرورت کے وقت شئے کا مستحضر نہ ہونا ہے، یہ سہو کو بھی شامل ہے، اس لئے کہ لغۃً ان دونوں میں فرق نہیں ہے، اور یہ حقوق العباد میں وجوب کے منافی اور عذر نہیں ہے، ایسی حالت میں کسی کا مال ضائع کر دیا تو اس پر ضمان واجب ہوگا، اور حقوق اللہ میں سقوط گناہ میں عذر ہے۔

5-جہل:

"وَالثَّالِثُ الْجَهْلُ فِي دَارِ الْحَرْبِ مِنْ مُسْلِمٍ لَمْ يُهَاجِرْ. أَيِ الْجَهْلُ بِالشَّرَائِعِ مِنْ مُسْلِمٍ أَسْلَمَ فِيهَا. قَوْلُهُ: وَإِنَّهُ يَكُونُ عُذْرًا. حَتَّى لَوْ مَكَثَ فِيهَا وَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَغَيْرَهُمَا وَلَمْ يُؤَدِّهَا لَا يَلْزَمُ عَلَيْهِ قَضَاؤُهَا خِلَافًا لِزُفَرَ "(غمز 300/3)

دار الحرب میں اسلام قبول کرنے والے اور ہجرت پر قادر نہ ہونے والے مسلم کا امور شریعت سے ناواقف ہونا، یہ عذر ہے، یہاں تک کہ اگر وہیں رہ گیا، اور اسے علم نہیں ہوسکا کہ اس پر نماز اور زکاۃ فرض ہے اور ادا نہیں کیا تو اس پر اس کی قضا نہیں ہے۔

6-نقص:

" فَإِنَّهُ نَوْعٌ مِنَ الْمَشَقَّةِ إِذِ النُّفُوسُ مَجْبُولَةٌ عَلَى حُبِّ الْكَمَالِ فَنَاسَبَ التَّخْفِيفَ فِي التَّكْلِيفَاتِ " (غمزہ)

نقص اور عیب بھی تیسیر کا سبب ہے، یہ بھی مشقت کی ایک نوعیت ہے، اس لئے کہ حب کمال انسانی فطرت ہے، تو اس کی وجہ سے تکلیفات میں تخفیف مناسب ہے۔

7-عموم بلوی: یعنی ابتلاء عام، یہ بھی تخفیف وتیسیر کا سبب ہے۔

(۳)-تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابۂ کرام کے طریقۂ کار سے رہنمائی:

کتاب اللہ میں تیسیر کے بارے میں متعدد نصوص وارد ہیں، جن میں سے بعض تو علی الاطلاق دین کے آسان ہونے سے متعلق ہیں مثلاً "لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا" یہ عام ہے مکمل دین کے یسر پر دلالت کرتی ہے کہ شریعت آسان ہے، مکلفین کی وسعت وطاقت سے باہر نہیں ہے، نیز اس سے اس تیسیر پر بھی دلالت ملتی ہے جو کسی عارض کی وجہ سے تخفیف کی سہولت کو بھی بیان کرتی ہے، نیز آیت کریمہ "ما جعل علیکم فی الدین من حرج"(الحج: 78)، "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"(البقرۃ: 185)۔

اس کے علاوہ مقررہ شریعت میں کسی عذر کے سبب رخصت سے متعلق بھی متعدد احکام میں تیسیر کا بیان موجود ہے، طہارت کے باب میں تیمم کی رخصت، نماز میں حالت خوف میں تیسیر "فإن خفتم فرجالاً أو رکباناً"، صوم رمضان میں بیمار اور مسافر کے لئے افطار اور غیر رمضان میں اس کی قضا کی سہولت، جہاد کے باب میں معذورین کے لئے رخصت وغیرہ ایسے ہی احادیث نبویہ میں بھی رخصت وتیسیر کا ذکر ملتا ہے، امور مباحہ میں آپ ﷺ نے خود بھی اہون الامرین کو اختیار فرمایا، دوسروں کو بھی رخصتوں پر عمل کی ترغیب دی، اور صحابۂ کرام کو کسی عارض کے پیش آنے پر تیسیر کی صورت تجویز فرمائی، علی سبیل المثال کچھ احادیث کا ہی ذکر کافی ہے، مثلاً:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: »مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا"(صحیح مسلم)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا منقول ہے:

"إن اللہ یحب أن تؤتی رخصہ، کما یکرہ أن تؤتی معصیتہ"(مسند احمد: حدیث 5473)

اللہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی دی ہوئی رخصتوں کو بھی استعمال کیا جائے ایسے ہی جیسے اس کو ناپسند ہے کہ اس کی معصیت کا ارتکاب کیا جائے۔

"لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، وَلَأَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ" (سنن ترمذی: باب ما جاء فی السواک، حدیث 23)

عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ: میں بیمار تھا، رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا، آپ نے فرمایا:

"صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلی جنب"(صحیح بخاری: حدیث 1117)

کھڑے ہو کر ادا کیجئے، استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر، اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر ادا کر لیجئے۔

"عن کعب بن عجرۃ عن رسول اللہ ﷺ أنہ قال: لعلک آذاک ھوامک، قال: نعم یا رسول اللہ، فقال رسول اللہ ﷺ: احلق رأسک، وصم ثلاثۃ أیام، أو أطعم ستۃ مساکین، أو انسک بشاۃ" (صحیح

بخاری:حدیث1814)

شاید آپ کی جوئیں اذیت دے رہی ہیں، اپنا سر مونڈ لیجئے، اور تین دن روزہ رکھ لیجئے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیجئے یا ایک بکری کا دم دے دیجئے۔

"فجاء أبو برزة الأسلمي على فرس، فصلى وخلى فرسه، فانطلقت الفرس، فترك صلاته وتبعها حتى أدركها، فأخذها ثم جاء فقضى صلاته، وفينا رجل له رأي، فأقبل يقول: انظروا إلى هذا الشيخ، ترك صلاته من أجل فرس، فأقبل فقال: ما عنفني أحد منذ فارقت رسول الله ﷺ، وقال: إن منزلي متراخ، فلو صليت وتركته، لم آت أهلي إلى الليل، وذكر أنه قد صحب النبي ﷺ فرأى من تيسيره" (صحیح بخاری: حدیث 6127)

ابو برزہ اسلمی گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، اتر کر نماز پڑھی اور اسے کھلا چھوڑ دیا، وہ وہاں سے چلا گیا، تو انھوں نے اپنی نماز چھوڑ کر اسے پکڑا، اور اپنی نماز کی قضا کی، ہم میں ایک آدمی صاحب رائے تھے، وہ کہنے لگے: ان بڈھے کو دیکھئے؛ ایک گھوڑے کے لئے اپنی نماز توڑ دی، تو ابو برزہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کے رخصت ہونے کے بعد سے اب تک کسی نے ایسی سخت بات نہیں کہی، اور کہا: میرا مکان دور ہے، اگر میں نماز میں ہی مشغول رہتا اور گھوڑے کو چھوڑ دیتا تو رات تک اپنے گھر نہ پہونچ پاتا، انھوں نے کہا کہ ہم اللہ کے رسول کے ساتھ رہے ہیں اور ہم نے آپ کی تیسیر کو دیکھا ہے۔

(۴)۔تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد:

١ - "الْمَشَقَّةُ تَجْلُبُ التَّيْسِيرَ: وَالْأَصْلُ فِيهَا قَوْله تَعَالَى: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وقَوْله تَعَالَى: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ وَفِي حَدِيثِ أَحَبُّ الدِّينِ إلَى اللَّهِ تَعَالَى الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ) قَالَ الْعُلَمَاءُ: يَتَخَرَّجُ عَلَى هَذِهِ الْقَاعِدَةِ جَمِيعُ رُخَصِ الشَّرْعِ وَتَخْفِيفَاتِهِ"

اس قاعدہ کے تحت شریعت کی تمام رخصتوں اور تخفیفات تخریج ہوتی ہے۔

2-"الضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ"(الاشباہ والنظائر لابن نجیم)

3-الاصل فی الأشياء الإباحة

(۵)۔تیسیر اور رخصت، نیز عبادات ومعاملات سے ان کا تعلق:

تیسیر اور رخصت یکساں ہیں، دونوں ایک ہی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں:

"وَأَمَّا الرُّخْصَةُ فِي اللُّغَةِ - بِتَسْكِينِ الْخَاءِ - فَعِبَارَةٌ عَنِ التَّيْسِيرِ وَالتَّسْهِيلِ، (الاِحکام للآمدی:

(131/1)

"والرخصة فِي اللُّغَة عبارَة عَن الْيُسْر والسهولة يُقَال رخص السّعر إِذا تيسرت الْإِصَابَة لِكَثْرَة وجود الأشكال وَقلة الرغائب فِيهَا وَفِي عرف اللِّسَان تستعمل الرُّخْصَة فِي الْإِبَاحَة على طَرِيق التَّيْسِير يَقُول الرجل لغيره رخصت لَك فِي كَذَا أَي أبحته لَك تيسيرا عَلَيْك" (اصول سرخسی: 117/1)

رخصت لغت میں یسر اور سہولت کی ایک تعبیر ہے، کہا جاتا ہے بھاؤ کم ہو گیا جب کہ مبیع کا حصول آسان ہو جائے، اور شریعت کی زبان میں رخصت کا استعمال تیسیر کے طور پر اباحت کے معنی میں ہوتا ہے، آدمی اپنے غیر سے کہتا ہے: میں نے تم کو اس میں رخصت دے دی، یعنی تمھارے لئے آسانی کرتے ہوئے تمھارے لئے مباح کر دیا۔

تیسیر کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے، عبادات میں تو واضح ہے اس کی مثالیں گزر چکیں، معاملات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"من أنظر معسرا، أو وضع له، أظله الله يوم القيامة تحت ظل عرشه يوم لا ظل إلا ظله" (سنن ترمذی: حدیث نمبر: 1306)

جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اس سے ساقط کر دے تو اللہ عز وجل قیامت کے دن اس کو اپنے عرش کے سائے میں رکھیں گے جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

بطور مثال: ابن ابو حدرد کے ذمہ کعب کا کچھ قرض تھا، تقاضے میں کچھ دونوں میں کچھ کہا سنی ہوگئی، اللہ کے رسول ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے کعب سے کہا:

"يا كعب قال: لبيك يا رسول الله، قال: ضع من دينك هذا" (صحیح بخاری: ح 457)

اپنے قرض سے کچھ وضع کر دو، اور آپ نے دست مبارک سے نصف کا اشارہ کیا۔

(۶) ۔ تیسیر سے متعلق مقاصدی قواعد:

1 - "قاعدة جلب المصالح ودرء المفاسد"

امام شاطبیؒ نے لکھا ہے:

"أَنَّ الْمَعْلُومَ من الشريعة أنها شُرِعَتْ لِمَصَالِحِ الْعِبَادِ؛ فَالتَّكْلِيفُ كُلُّهُ إِمَّا لِدَرْءِ مَفْسَدَةٍ، وَإِمَّا لِجَلْبِ مَصْلَحَةٍ، أَوْ لَهُمَا مَعًا؛ فَالدَّاخِلُ تَحْتَهُ مُقْتَضٍ لِمَا وُضِعَتْ لَهُ، فَلَا مُخَالَفَةَ فِي ذَلِكَ لِقَصْدِ الشَّارِعِ" (الموافقات: 318/1)

شریعت کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ بندوں کی مصلحت کے لئے مشروع کی گئی ہیں، چنانچہ ہر حکم یا توکسی فساد کو دور کرنے کے لئے ہے یا کسی مصلحت کے حصول کے لئے، یا ان دونوں کے لئے، تو جو امر اس کے تحت آتا ہے وہ ماوضع لہ کا متقاضی ہے، لہذا اس پر عمل میں قصد شارع کی مخالفت نہیں ہوگی۔

2۔رفع الحرج، اس کی اصل اللہ عزوجل کا فرمان "ما جعل علیکم فی الدین من حرج" ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حرج کی تفسیر "ضیق" سے کی ہے، ابوبکر جصاص اس کے تحت لکھتے ہیں:

"وَيُحتَجُّ بِهِ فِي كُلِّ مَا اُختُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَوَادِثِ أَنَّ مَا أَدَّى إِلَى الضِّيقِ فَهُوَ مَنْفِيٌّ وَمَا أَوْجَبَ التَّوْسِعَةَ فَهُوَ أَوْلَى"(احکام القرآن للجصاص:سورۃ الحج)

اور اس سے استدلال کیا جائے گا ہر اس نئے پیش آمدہ مسئلہ میں جس میں اختلاف درپیش ہو، کہ جو حکم تنگی کا باعث ہوگا اس کی نفی کی جائے گی، اور جس میں توسع ہوگا وہ عمل کا زیادہ مستحق ہوگا۔

(٦)۔تیسیر کے پیش نظر دوسرے مسالک سے استفادہ:

اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل مشقت کا باعث ہو تو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے تیسیر کے حکم کے پیش نظر دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعاۃ کو روانہ فرماتے تھے تیسیر اور عدم تعسیر کی نصیحت فرماتے تھے:

"وكان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إذا بعث أحدا من أصحابه في بعض أمره قال: "بشروا ولا تنفروا، ويسروا ولا تعسروا"(مسند احمد:ح19572)۔

(٨)۔فقہ التیسیر اور فقہ الاقلیات:

مکلفین کی قدرت واستطاعت کو سامنے رکھتے ہوئے شارع کے مقصود ومنشاء کے موافق احکام شرعیہ اور حوادث ونوازل کے ساتھ اس کی تطبیق کے قواعد کی معرفت کو فقہ التیسیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، تیسیر وتخفیف کی کچھ مثالیں کتاب اللہ اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی ہیں، تیمم، صلاۃ خوف، حالت سفر ومرض میں رمضان میں روزہ نہ رکھنے، موزوں پر مسح کی رخصت، حالت اضطرار میں زبان سے کلمۂ کفر اور اکل میتہ کی اجازت، بیع سلم وبیع استصناع کی اجازت یہ سب تیسیر کی ہی صورتیں ہیں، لہذا بعد میں بھی حالات کے مدنظر اس کی اجازت شریعت کا ہی ایک حصہ اور جیسے عزیمت پر عمل عبادت قرار پاتا ہے ویسے ہی اپنی بساط اور طاقت کی رعایت کرتے ہوئے رخصت اور تیسیر پر عمل کرنا بھی عبادت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دو امور میں اہون کو ہی اختیار فرماتے تھے، ہاں اس امر کا لحاظ لازم ہے کہ تیسیر کے نام پر اباحیت پسندی کی ترویج نہ ہونے لگے، اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کیا جانے لگے۔

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا ڈاکٹر کلیم اللہ عمری مدنی

سوال ا۔شریعت اسلامی میں تیسیر کس کو کہتے ہیں، اوراس کی حکمت کیا ہے؟ اس بارے میں اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب ۔تیسیر یسر سے ماخوذ ہے جو کہ عسر کی ضد ہے، **ان الدین یسر** ہے،یعنی **سهل سمح قليل التشديد۔** (المعجم الوسیط: ۲/۱۰۷۸)

اصطلاحا:

تطبيق الاحكام الشرعية بصورة معتدلة كما جاءت فى كتاب الله وسنة رسوله، من غير تشدد يحرم الحلال ولا تميع يحلل الحرام۔

المقصود بالتيسير التخفيف عن المكلف ورفع الحرج عنه فالتيسير ورفع الحرج مؤداهما واحد أو هما شيء واحد۔(مقاصد الشريعة الاسلامية وعلاقتها بالأدلة الشرعية، د/محمد سعد بن احمد بن مسعود اليوبي ۴۰۱)

تیسیر کا مقصود مکلف سے احکام شریعت کی تخفیف اور رفع حرج (مشقت کو دور کرنا) ہے،تیسیر اور رفع حرج دونوں کا مقصود آسانی پیدا کرنا اور مکلف کے لئے سہولتیں پیدا کرنا ہے۔لہذا تیسیر اور رفع حرج درحقیقت دونوں ایک ہی ہیں۔

التيسير ورفع الحرج من المقاصد المقطوع بها فى الشريعة وهو من مقاصدها العامة فى جميع نواحى الشريعة من عبادات ومعاملات وجنايات وغيرها۔(المصدر السابق: ص ۴۴۰)

تیسیر اور رفع حرج شریعت کے ان اہم مقاصد میں سے ہیں جو شرعا مطلوب ہیں،خواہ عبادات کے مسائل ہوں یا معاملات وجرائم کے قبیل سے ہوں۔

البتہ تیسیر کی حکمت رفع حرج اور آسانی پیدا کرنا ہے،مکلف کے لئے شریعت پر عمل کرنا آسان بنانا ہے۔

اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی بنیاد یسر (آسانی) پر قائم ہے،مشقتوں کو دور کرنا اور احکام شریعت پر حتی المقدور عمل کرانا،اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان اللہ عزوجل یحب أن تؤتی رخصه کما یحب أن تؤتی عزائمه (السنن الکبری للبیہقی: ۵۶۲۱، صحیح لغیرہ)

اللہ تعالی چاہتا ہے کہ رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسے وہ چاہتا ہے کہ عزیمت کے کاموں پر عمل کیا جائے۔

سوال ۲۔شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں کیا ہیں؟ نیز تیسیر کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس کا دائرہ کیا ہے؟

جواب۔ا۔شریعت اسلامی کی بنیاد آسانی اور سہولتیں پیدا کرنا ہے، اسی وجہ سے اللہ نے اس امت پر سے وہ بوجھ اتار دیا اور ہلکا کر دیا جس بوجھ کی وجہ سے اگلی امتیں حرج میں مبتلا تھیں، ارشاد باری ہے:

ویضع عنہم اصرہم والاغلال التی کانت علیہم، (الاعراف:۱۵۷)

۲۔شروع سے ہی اللہ نے بندوں کو ایسے اعمال کا مکلف نہیں قرار دیا جو ان کے بس سے باہر ہو، ارشاد باری تعالی ہے:

لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا (البقرۃ:۲۸۶)

۳۔ناگزیر (ضروری حالات میں) حالات میں رخصتوں کا قانون اس لئے وارد ہے کہ امت اسلامیہ مشقتوں میں مبتلا نہ ہو، جیسے سفر میں قصر اور جمع بین الصلوتین کا حکم وغیرہ۔

۴۔شریعت کی طرف سے احکام پر عمل کرنے میں مختلف حالات اور اوقات کے لحاظ سے سہولیات (تخفیفات) سات طریقوں سے ثابت ہیں۔

ا۔تخفیفِ ابدال: جیسے حدث اصغر اور حدث اکبر کی صورت میں وضوء اور غسل کے بدلہ میں تیمم کا حکم۔

۲۔تخفیفِ تنقیص: یعنی رباعی نمازوں میں قصر کا حکم۔

۳۔تخفیف اسقاط: مسافر اور مریض سے نماز جمعہ کا حکم ساقط ہونا۔

۴۔تخفیفِ تقدیم: جمع بین الصلوتین، زکوۃ پیشگی ادا کرنا۔

۵۔تخفیفِ تاخیر: رمضان کے روزے مسافر اور حیض والی عورت کا بعد رمضان قضاء کرنا۔

۶۔تخفیفِ ترخیص: صلاۃ المستجمر مع بقیة النجو یعنی پیشاب یا قضاء حاجت کے بعد پانی نہ ملنے کی صورت میں ڈھیلا استعمال کرنے کے باوجود کچھ گندگی رہ جائے تو شریعت کا اسے نظر انداز/ معاف کر دینا۔

۷۔تخفیفِ تغییر: صلاۃ الخوف کی صورتیں۔

تیسیر کا دائرہ بہت وسیع ہے، عبادات اور معاملات ومعاشرت بلکہ سیاست کے باب میں بھی یسر کے احکامات پر عمل ترغیب موجود ہے۔

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں (مقاصد الشریعة الاسلامیة وعلاقتها بالأدلة الشرعیة، د/محمد

سعد بن احمد بن مسعود الیوبی: ۴۰۴-۴۰۵)

ضوابط التیسیر: تیسیر کی بنیادیں

۱) تیسیر کتاب وسنت سے ثابت ہو، تیسیر کسی خواہش نفس کی بنیاد پر نہ ہو۔ ہر وہ تیسیر جو کتاب وسنت سے ثابت نہ ہو وہ کالعدم ہوگا۔

۲) تیسیر کی صورت میں نص سے تجاوز نہ ہو، تیسیر حدود شریعت کے دائرہ میں ہو، مثلاً یہ نہ کہیں کہ جنگ کے حالات میں نماز رفع حرج کے لئے معاف ہے۔

۳) تیسیر کتاب وسنت کے نصوص سے معارض نہ ہو، **لا اجتهاد مع النص** جب تعارض واقع ہو تو نص کی طرف رجوع واجب ہوگا۔

۴) تیسیر مقاصد شریعت کے ساتھ مقید ہو، یعنی مقاصد شریعت کا پاسبان ومحافظ ہو، چونکہ شریعت میں مخلوق کی مصلحتوں کی رعایتیں مقصود ہوتی ہیں، لہذا ان مصالح کی رعایتیں ضروری ہیں۔

(تفصیلات کے لئے دیکھئے: **الیسر و السماحة فی الاسلام، فالح بن محمد الصغیر، مفهوم الیسر فی الدین و ضوابطه۔ شبكة السنة النبوية و علومها**)

سوال ۳۔ تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کار سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

جواب۔ تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کی بنیاد یسر اور رفع حرج پر موقوف ہے، جیسا کہ سوال کے مقدمہ میں آیات کریمہ اور احادیث شریفہ سے استدلال موجود ہے، تکرار کی وجہ سے اعادہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں، البتہ صحابہ کی زندگی میں یسر اور تیسیر کی تعلیمات پر عمل کی مثالیں کتب احادیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں، جیسے سفر میں جمع تقدیم وجمع تاخیر، قصر واتمام، تیمم کے احکام پر عمل وغیرہ۔

سوال ۴۔ تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد کیا ہیں؟ اس کی مختصر وضاحت فرمائیں۔

جواب۔ ۱۔ عزیمت پر عمل کی کوشش اولی ہے، البتہ رخصتوں پر عمل بھی ضروری ہے اور بعض حالات کے میں شرعا مطلوب ہے۔

۲۔ رخصتوں پر عمل خاص حالات کے لئے مؤقت ہے، الضرورات تبیح المحظورات۔ ورنہ شریعت پر عمل کلی طور پر مومن سے مطلوب ہے۔

۳۔ رخصتوں پر عمل میں تجاوز شرعا صحیح نہیں ہے۔ الضرورات تقدر بقدرها۔

۴۔ اصحاب الاعذار شریعت پر عمل کے مکلف ہیں، شرعی تکالیف ہر شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق تادم حیات

ہر حال میں مطلوب ہے۔

۵۔رفع حرج عبادات اور معاملات دونوں باب میں یکساں ہیں، اذا ضاق الأمر اتسع

۶۔الاصل فی العبادات المنع و الحظر، الاصل فی المعاملات الاباحة، المشقة تجلب التیسیر، الاصل فی المنافع الحل،

۷۔قال شیخ الاسلام ابن تیمیة: والعادات الاصل فیہا العفو فلا یحظر منہا الا ما حرمہ الشارع والا دخلنا فی معنی قوله: قل أرأیتم ما انزل الله لکم من رزق فجعلتم منه حراما و حلالا (یونس: ۵۹)(راجع القواعد النورانیة ص ۱۳۴)

۸۔الأجر بقدر المشقة، اس اصول کے تحت مکلف کی ہر تکلیف پر اس کی مشقت کے مطابق اجر وثواب متحقق ہے۔

سوال ۵۔تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟ کیا رخصت و تیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟

جواب۔تیسیر اور رخصت دونوں تقریبا یکساں ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، تیسیر و رخصت عبادات اور معاملات دونوں بابوں سے متعلق ہیں۔مثلا عبادات میں مقتدیوں کی رعایت کی جائے ،لمبی نمازیں نہ پڑھائی جائے۔ارشاد نبوی ﷺ:

من صلی بالناس فلیخفف بہم الصلاۃ فان فیہم الصغیر والکبیر والضعیف وذا الحاجة۔(المعجم الکبیر: ۵۵۹)

معاملات کے باب میں خیار العیب، عیب کی صورت میں مشتری کو سامان تجارت رد کرنے کا اختیار اور حق کا حاصل ہونا۔تاکہ مشتری کسی قسم کے نقصان میں مبتلا نہ ہو۔ارشاد نبوی ﷺ: الغلة بالضمان۔(ابوداؤد، ترمذی) اسی طرح فرمان نبوی ﷺ الخراج بالضمان۔نیز اقالة کی اجازت۔

سوال ۶۔بعض مقاصدی قواعد بھی ہیں جن کا تعلق تیسیر سے ہے، جلب المصالح و درء المفاسد اور رفع حرج ان کی بھی قدرے وضاحت مطلوب ہے۔

جواب۔قاعدة فقهية: درء المفاسد اولی من جلب المصالح۔(اصول الفقہ علی منہج اہل الحدیث: ۱ / ۱۳۵)

ارشاد نبوی ﷺ:

لولا أن قومک حدیثو عہد بشرک لہدمت الکعبة فألزقتہا بالأرض وجعلت لہا بابین بابا شرقیا و بابا غربیا۔(صحیح مسلم: ۳۲۴۴)

یعنی نبی کریم ﷺ کا محض فتنہ سے بچنے کے لئے یہ فرمانا کہ: اگر تمہاری قوم شرک کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی

تو میں ضرور کعبہ کو گراتا، اس کو زمین کے ساتھ لگا دیتا اور میں اس کے دو دروازے شرقی دروازہ اور دوسرا غربی دروازہ بناتا اور حجر (حطیم) چھ ہاتھ کا حصہ اس میں شامل کر دیتا۔ بلاشبہ قریش نے جب کعبہ تعمیر کیا تھا تو اسے چھوٹا کر دیا۔

مذکورہ مصلحت کی وجہ سے آپ نے کعبہ کو اسی حالت پر چھوڑ دیا تھا تاکہ قریش بلاضرورت آپ کو بدنام نہ کر دیں اور کوئی فتنہ لاحق نہ ہو۔

قاعدۃ فقهية: رفع الحرج بسبب المشقة۔

یعنی جب مریض قیام کی طاقت نہ رکھ سکے تو اسے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی اجازت، جیسا کہ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ انہیں بواسیر کی بیماری تھی، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، تو ارشاد فرمایا:

صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب۔ (بخاری)

سوال ۷۔ اگر کسی مسلک کے جزئیہ پر عمل کرنا دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کیا دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب۔ کسی مسلک کے جزئیہ پر عمل کرنا دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، مسالک قابل ترجیح ہیں اور یہ مسالک کے اصول وضوابط انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں، مسلک کو دین کا درجہ دئے بغیر تیسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے تلفیق / دوسرے مسالک کے اجتہادات سے استفادہ کی گنجائش ہے، جیسے حج میں بعض فقہاء کرام کے پاس عورت کے لئے محرم کی شرط ہے۔ لیکن امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے پاس عورت مامون جماعت (رفقہ مامونہ، نیک صالح لوگ، جن میں کچھ عورتیں بھی ہوں) کے ساتھ حج کر سکتی ہے اور محرم کا ہونا شروط حج میں سے نہیں ہے۔ (بداية المجتهد ونهاية المقتصد لابن رشد ۲/۸۲)

نیز حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کے فیصلوں کے مطابق مفقود الخبر کی بیوی 4 سال انتظار کرے گی۔ مسالک کے درمیان اختلافات اگر علمی بنیادوں پر ہوں تو مفتی حضرات دیگر مسالک کے فتوی پر عمل رفع حرج کی خاطر کر سکتے ہیں۔

سوال ۸۔ کیا ہندوستانی مسلمان جو کہ اقلیت میں ہیں، ان کے لئے معاملات کے علاوہ بعض احکام عبادت میں اصول تیسیر کو جگہ دی جا سکتی ہے؟

جواب۔ **فقه التيسير:**

هو تطبيق الأحكام الشرعية بصورة معتدلة من غير تشدد يحرم الحلال ولا تميع يحلل الحرام، مع مراعاة احوال المكلفين وتقديم الاحكام الشرعية التى حددها الشارع۔

ہندوستانی مسلمان جو کہ اقلیت میں ہیں، ان کے لئے معاملات کے علاوہ بعض احکام عبادت میں اصول تیسیر کو جگہ دی جا سکتی ہے، احکام شریعت سارے مسلمان کے لئے یکساں ہیں، رفع حرج، رخصتوں پر عمل، تیسیر کی صورتیں

اپنانا دین پر عمل کرنا ہی ہے، مسلمان خواہ وہ اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں، شرعی قوانین اور اس کی سہولتیں قبول کرنا ہر مسلمان کا دینی حق ہے۔

دینی مسائل میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے معتدل/ اعتدال کی راہ کو اپنانے میں سارے مسلمانوں کی بھلائی ہے، غلو فی الدین یا تشدد کی راہ اپنانے سے ہمیں منع کیا گیا ہے، فرمان نبوت ﷺ **یسرا و لاتعسرا، بشرا و لاتنفرا** کا اصول ہمیشہ مدنظر رہے۔

ہذا ما تبین لی و اللہ أعلم بالصواب و ہو الہادی الی سواء السبیل۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم والحمد للہ رب العالمین

اسلام میں یسر وتیسیر کا مفہوم اور اس کی حیثیت

مولانا محمد حسن ندوی
استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات

دین اسلام سب سے پسندیدہ دین ہے، اس کی سرشت میں آسانی وسہولت کا عنصر مضمر ہے، اسی لیے اسلام تشریعی احکام کی تکلیف میں مکلفین کی استطاعت اور حالت کا نہ صرف خیال رکھتا ہے بلکہ جب اور جہاں ضیق اور تنگی اور مشقت وحرج محسوس کرتا ہے، تو وہاں سہولت وتیسیر کے مواقع بھی فراہم کرتا ہے، چاہے اس کا تعلق عقائد وعبادات سے ہو یا معاملات وتجارت سے، تاکہ مسلمان اسلامی تعلیمات کو بجالانے میں ضیق وتنگی محسوس نہ کریں، اور تاحیات اپنے آپ کو اس کے پابند کریں، بہر حال اسلامی تعلیمات کے اس مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے تیسیر سے متعلق سوالات کا جواب یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

سوال نمبر ا کا جواب:

لفظ تیسیر، یسر کا مصدر ہے، اور اس کا معنی سہولت وآسانی ہے، اہل عرب بولتے ہیں:

یسر الامر اذا سہلہ ولم یعسرہ ولم یشق علی غیرہ او نفسہ فیہ۔ (الموسوعۃ الفقہیہ: ج: ۲٤ ص: ۲۱۱)

(کام کو آسان کرلیا، جب کہ اس نے اس کو سہل کیا، اور اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مشکل نہیں بنایا)

لغت میں تیسیر کا معنی تیاری کرانا بھی ہے، قرآن کریم کی سورہ لیل میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، (فسنیسرہ للیسری (اللیل/ ۷) (تو ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادینگے)

صاحب موسوعہ نے کچھ اس طرح اس کا معنی لکھا ہے، ’’أي نهيئه للعود إلي العمل الصالح‘‘ اور ہم نے عمل صالح کی طرف لوٹنے کے لیے تیار کیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ تیسیر کو آسانی اور سہولت کے معنی میں استعمال کیا ہے:

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا (بخاری شریف)

(تم آسانی پیدا کرو، سختی مت پیدا کرو، خوشخبری سناؤ، نفرت مت دلاؤ)

الغرض اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی، کہ لفظ تیسیر کا معنی آسانی اور سہولت ہے۔

تیسیر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ جو امر اس کے لغوی معنی کے مطابق ہو اس کو تیسیر کہتے ہیں، جیسا کہ صاحب موسوعہ نے لکھا ہے:

ومعني التيسير في الإصطلاح الفقه موافق لمعناه اللغوي (الموسوعة الفقهيه ج۲۵ ص:۲۱۲)

چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی نے لفظ تیسیر کے معنی کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ لفظ تیسیر عربی میں کسی چیز کو کیل کانٹے سے درست کرنے، پیش نظر مقصد کے لیے اس کو اچھی طرح موزوں بنانے اور جملہ لوازم سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے معنوں میں آتا ہے، مثلاً بولتے ہیں **یسر الفرس للرکوب** گھوڑے کو زین لگام سے آراستہ کر کے بالکل ٹھیک کر دیا۔ (تدبر قرآن)

تیسیر کی حکمت:

یہ بات مسلم ہے کہ شریعت مطہرہ کا ہر حکم کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ حکمت ہر ایک کو محسوس نہیں ہوتی، نہ اس کی تلاش ہر ایک پر ضروری ہے، اسی لیے عوام کے سامنے احکام کی حکمت بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے، ہاں البتہ جو حکم الٰہی ہے، اس کو امر تعبدی سمجھ کر بجالانا ضروری ہے، مثلاً امام مالک رحمہ اللہ سور کلب پر ناپاکی کا حکم امر تعبدی کی بنا پر لگایا ہے، اور برتن سے اس سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن اس کی ناپاکی کی کوئی وجہ اور حکمت تحریر نہیں کی ہے، اسی طرح بہت سے امور میں اللہ کے حکم کو بجالانا امر تعبدی کی بنا پر ہے، نا کہ حکمت پر، جیسے سبیلین سے نجاست کے خروج پر اعضاء اربعہ پر وضو کا عمل، خف کے نچلے حصے پر مسح کے بجائے اوپری حصہ پر مسح کا حکم وغیرہ، بہر حال یہاں بحث اس پہلو سے ہے کہ شریعت میں تیسیر اور اس کی حکمت کیا ہے؟ اس سلسلے میں قرآن کریم کی چند آیات جو حکمت پر دال ہیں پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرۃ:۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا ہے۔

یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا (نساء:۲۸)

اللہ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اسی طرح کئی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تیسیر کی حکمت کو واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنفية السمحة

میں سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

دوسرے حدیث میں تھوڑے فرق کے ساتھ اس مفہوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف کیا ہے:

وإنما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين (بخاري شريف)

تم آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، تنگی پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے ہو۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معنی پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا، کہ تیسیر ورخصت اور تخفیف کی حکمت دین کے امور میں آسانی اور سہولت کی راہ کو ہموار کرنا ہے، اور ضیق وحرج کو دور کرنا ہے، چنانچہ مقاتل بن حیان نے بھی اسی پہلو کو اپنی اس عبارت میں عیاں کیا ہے:

لم يضيق الدين عليكم ولكن جعله واسعا لمن دخله وذالك أنه ليس مما فرض عليهم فيه إلا و قد ساق عليهم عند الاضطرار رخصة فى الدنيا فيها وسع عليهم رحمة عليه إذا فرض عليهم الصلاة في المقام أربع ركعات وجعلها في السفر ركعتين وعند الخوف من العدو ركعة (الدر المنثور: ج۱ص۳۷۲)

اللہ تعالیٰ نے دین کو تمہارے لیے تنگ نہیں بنایا ہے، اس میں وسعت رکھی ہے، چنانچہ حالت سفر میں چار رکعت کے بجائے دو رکعت اور خوف کی صورت میں صرف ایک رکعت فرض کیا ہے۔

الغرض مذکورہ بالا آیات واحادیث اور فقہاء کی توجیہات کی روشنی میں تیسیر کی حکمت خلاصۃ درج ذیل ہے۔

(۱) تحقيق مقتضى الدين

(دین کے تقاضے کو ثابت کرنا)

(۲) تحقيق الدوام والاستمرار

(دین پر عمل کرنے میں دوام وبقا کا پایا جانا)

(۳) الترغيب فى الدخول في الاسلام لغير المسلمين

(اسلام قبول کرنے کے غیر مسلمین کے لیے راستہ ہموار کرنا)

(۴) إبراز معالم رحمة الله لعباده

(اللہ کی رحمت کے آثار ونقوش کو اس کے بندوں پر افشاں کرنا)

تیسیر کے بارے میں اصولین کا کلام: اس کے سلسلے میں اصولین نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، طوالت سے بچتے ہوئے یہاں صرف چند ممتاز اصولین کے کلام کو پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں، علامہ آمدی نے اس کی مختلف تعریف کی ہیں:

پہلا قول: رخصت ہر وہ عمل ہے جس کے حرام ہونے کے باوجود اس کا کرنا مباح قرار دیا گیا ہے۔

دوسرا قول: رخصت ہر وہ عمل ہے جس کے حرام ہونے کے باوجود اس میں رخصت دی گئی ہو۔

تیسرا قول: رخصت ہر وہ فعل حرام ہے، کہ حرمت کا سبب موجود ہونے کے باوجود کسی عذر کی وجہ سے اس کا کرنا جائز قرار دیا گیا ہے، (الاحکام: ١٢٤)

اسی طرح امام شاطبی لکھتے ہیں:

رخصت ہر وہ حکم ہے جس کو کسی سخت عذر کی بنیاد پر کسی ایسے حکم کلی سے مستثنیٰ کر کے جائز قرار دیا گیا ہو، لیکن اس کے جواز کو مواقع حاجت تک محدود رکھا گیا ہو (الموافقات: ج۱ ص ۳۳)

امام فخر الدین رازی رقم طراز ہیں:

رخصت ہر وہ فعل ہے کہ ممانعت کی علت پائے جانے کے باجود اس کا کرنا جائز ہے (مباحث فقہیہ)

امام شاشی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

رخصت وہ حکم ہے جو مکلف کے عذر کی وجہ سے حکم کو سختی سے آسانی کی طرف پھیرتا ہے (بحوالہ مباحث فقہیہ: ۱۵۳، اصول الشاشي: ص:۰ ۳۵)

سوال نمبر: ۲ کا جواب:

تیسیر کی بنیاد قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ ہیں، کچھ آیات میں صراحتاً ذکر ہے، تو کچھ میں اجمالاً، اس سے پہلے بعض آیات تیسیر کی حکمت کے ضمن میں ذکر کی جاچکی ہے، تاہم اس کے علاوہ کچھ آیات یہاں پیش کی جارہی ہیں، ارشاد ربانی ہے:

هُوَاجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. (سورہ حج ۸۷)

اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی پیدا نہیں کی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (اعراف:٤٢)

اور جو لوگ ایمان لائے، اور نیک اعمال کیے، ہم اس کو اس کی استطاعت کے مطابق مکلف بناتے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی کئی احادیث ہیں، جو تیسیر کی بنیاد پر دال ہیں، یہاں طوالت سے بچتے ہوئے صرف دو احادیث ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

(١) عن أَبِي هريرة أن النَّبيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، ولنْ يشادَّ الدِّينُ احد إلاَّ غَلَبه فسدِّدُوا وقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا، واسْتعِينُوا بِالْغدْوةِ والرَّوْحةِ وشَيْءٍ مِن الدُّلْجةِ (رواه البخاري)

بیشک یہ دین آسان ہے، جو شخص بھی دین میں شدت اختیار کرے گا وہ مغلوب ہو جائے گا۔

(۲) دوسری جگہ پر ارشاد نبوی ہے:

ثُمَّ قالَ: إنَّ خيرَ دِينِكم أَيْسَرُه، إنَّ خيرَ دِينِكم أَيْسَرُه - ثَلاثًا

بیشک تمہارے دین میں وہ پہلو زیادہ بہتر ہے، جس میں یسر اور سہولت زیادہ ہو۔

اسی طرح حضرت ابرہیم نخعی کا قول ہے:

إذا تخالجك أمران، فظن أن أحبهما إلي الله أيسرهما ۔ (الموسوعة الفقهيه ج:۲۵ ص ۲۱۵)

جب دو امر کے بارے میں تردد ہو تو یہ خیال کرو، کہ ان میں اللہ کو وہ امر زیادہ محبوب ہے، جس میں یسر و سہولت کا عنصر زیادہ ہو۔

الغرض مذکورہ آیات، احادیث نبویہ، اور تابعین کے اقوال تیسیر و رخصت کی بنیاد ہیں، جیسا کہ صاحب موسوعہ نے اپنے اس جملے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

والتيسر مقصد أساسي من مقاصد الشريعة الاسلامية ويدل على هذا الأصل آيات كثيرة في كتاب الله وأحاديث نبوية صحيحة واجمعت الأمة عليه (الموسوعة الفقهية: ج:١٤ ص: ٢١٣)

تیسیر شریعت اسلامیہ کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے، اس کی اصل بنیاد قرآن کریم کی بے شمار آیات اور احادیث صحیحہ ہیں، اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔

تیسیر کے اسباب:

رخصت وسہولت کے اسباب کی تعیین دشوار ہے، اسی وجہ سے اس کے سلسلے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ اس کے اسباب کل سات ہیں، چنانچہ علامہ ابن نجیم اسی کے قائل ہیں:

واعلم أن أسباب التخفيف في العبادات وغيرها سبعة الأول السفر، والثاني المرض الثالث الإكراه الرابع والنيسان، والسادس العسر وعموم البلوي، والسابع النقص (الأشباه والنظائر: ٢٧٦-٢٩٣)

البتہ صاحب موسوعہ نے دس چیزوں کو اسباب تیسیر میں شامل کیا ہے، مثلاً: مرض، سفر، اکراہ، نسیان، جہل، خطا، عسر وعموم بلوی، نقص، اور نو مسلم کا ہونا (الموسوعۃ الفقھیۃ ج: ١٤ ص: ٢٢٧ - ٢٣٣)

تیسیر کا دائرہ:

تیسیر کے اسباب میں جن چیزوں کی نشان دہی کی گئی ہے، ان کی وجہ سے اس باب میں مکلفین کو رخصت ملتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کا دائرہ بڑا وسیع ہے، یہاں اسی پہلو سے مختصراً روشنی ڈالی جارہی ہے:

(۱) سفر:

اسبابِ تخفیف وتیسیر میں سفر وہ سبب ہے، جس کی وجہ سے مسافر کو سہولت اور بڑی آسانی حاصل ہوتی ہے، چاہے سفر شرعی ہو یا لغوی ہو، دونوں صورتوں میں مسافر کو رخصت اور سہولت ملتی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص سفر شرعی کے ارادے سے سفر شروع کرتا ہے، تو حالت سفر میں نماز میں قصر، موزوں پر تین دن تین رات تک مسح کی اجازت ملتی ہے، اور وجوب قربانی ذمہ سے ساقط ہوتا ہے۔

اسی طرح سفر لغوی کی صورت میں جمعہ عیدین کی نماز کا ترک مباح ہوجاتا ہے، جماعت کا وجوب ساقط ہوتا ہے، سواری پر نفل نماز ادا کرنا اور تیمم کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ (الاشباہ والنظائر: ص ۲۷۷)

(۲) مرض:

تیسیر ورخصت کے مواقع کے فراہم کرنے میں مرض کا بھی بڑا دخل ہے، اس کا بھی تعلق بدنی اور مالی دونوں عبادتوں سے ہے، چنانچہ جس طرح دشمن کے خوف سے تیمم کی اجازت ہوتی ہے۔ اسی طرح پانی سے وضو کرنے میں مرض کے اضافہ یا شفایابی میں تاخیر کے اندیشے سے مریض کو تیمم کی اجازت ملتی ہے، اسی طرح جماعت کا ترک کرنا، رمضان المبارک میں شیخ فانی کے لیے فدیہ کے وجوب کے ساتھ افطار کی اجازت ہونا، رمی جمار کے لیے نائب بنانے کی اجازت ملنا، یہ سب مرض کی وجہ سے تیسیر کا حصہ ہے:

”ومن كان منكم مريضا أو علي سفر فعدة من آيام أخر“

(۲) اکراہ:

چونکہ اکراہ اختیار کی ضد ہے، اس حالت میں اختیار نہیں پایا جاتا، امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے یہاں اسی وجہ سے مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، گرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ان کی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اکراہ کا اثر عبادات کے ساتھ ساتھ عقائد کے باب میں بھی ہوتا ہے، چنانچہ اگر کسی مسلمان کو کلمہ کفر زبان سے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے، تو شریعت جان بچانے کی خاطر دل سے اسے ناپسند کرتے ہوئے زبان سے ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید ہے:

”إلا من أكره و قلبه مطمئن بالإيمان“ (نحل: ۱۰۶)

اکراہ میں مکرہ کو ایسے کام کو انجام دینا پڑتا ہے جو شرعاً اور عقلاً درست نہیں ہوتا مگر مجبوراً اس کو کرنا پڑتا ہے، اس لیے شریعت مطہرہ میں اس کو بھی اعذار مخففہ میں شامل کیا ہے۔

(۴) نسیان:

سہو ونسیان انسان کی فطری صفات میں سے ایک ہے، بعض وقت یہ محمود اور مستحسن عمل ہے، مثلاً کسی شخص کا

بڑے سے بڑے حادثہ سے دوچار ہونا، پھر کچھ دنوں کے بعد اسے بھول جانا، وغیرہ اسی طرح بعض عبادات میں سہواً کسی عمل کو بجالانا اور کسی عمل کو سہوا ترک کرنا، موجب فساد نہیں ہوتا ہے، جیسے روزہ کی حالت میں روزہ دار کا سہوا کھا پی لینا، مفسد صوم نہیں ہے، حالت احرام میں شکار کی طرف اشارہ کرنا مفسد احرام نہیں ہے، البتہ فدیہ واجب ہوتا ہے، الغرض نسیان کی وجہ سے تقریباً ہر باب میں سہولت وآسانی حاصل ہوتی ہے، خاص طور پر اس کا اعتبار حقوق اللہ میں زیادہ ہوتا ہے۔

”فاللہ سبحانہ رفع عنا إثم الغفلة والنسيان في أحكام الآخرة“

اسی طرح دوسری حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”إن اللہ تجاوز عن أمتي الخطأ والنسيان وما استکرھوا علیہ“ (ابن ماجہ: ج١ص: ٢٦٩)

خلاصہ کلام یہ ہے نسیان کا اثر حقوق اللہ میں زیادہ ہوتا ہے، اور ناسی کو بہت زیادہ سہولت حاصل ہوتی ہے، (الموسوعة الفقھیة: ج١٤ص: ٢٣٠)

(٥) جہل:

کسی چیز کا علم نہ ہونا جہل ہے، شریعت میں اس کا بڑا اعتبار کیا گیا ہے، خاص طور پر غلام اور باندی کے حق میں یہ بہت بڑا عذر ہے، مثلاً غلام و باندی کو خیار عتق کا حق حاصل ہوتا ہے، اگر اس کے مولی نے اس کا نکاح کرادیا، پھر اس کو آزاد کردیا، تو آزادی کے بعد خیار عتق کی وجہ سے سابقہ نکاح کو فسخ کرانے کا حق حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر آزادی کے بعد اسے اس کا علم نہیں ہوا، بعد میں اس کے لیے درخواست دی کہ مجھے اس کا علم نہیں تھا، تو جہل غلام و باندی کے حق میں عذر مانا گیا ہے، اور اس بنیاد پر وہ غلام و باندی خیار عتق کو اختیار کرسکتی ہے، حدیث کی کتابوں میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے خیار عتق کی وجہ سے اپنے شوہر سے علاحدگی کا فیصلہ کیا۔ (ترمذی شریف: ج١ص: ٢١٩) لیکن جہل آزاد کے حق میں عذر نہیں ہے۔

(٦) خطا:

اس کا اثر حقوق اللہ میں زیادہ ہوتا ہے، بالخصوص جنایات کی سزا میں خطا کی وجہ سے تخفیف ہوجاتی ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان تیر کا نشانہ شکار کی طرف کیا اور خطاً کسی انسان کو لگ گیا یہاں تک کہ وہ جاں بحق ہوگیا، تو خطا کی وجہ سے قاتل پر قصاص واجب نہیں ہوگا، البتہ اس پر دیت واجب ہوگی، اسی طرح قبلہ کی تعیین میں شریعت نے اس کا اعتبار کیا ہے، یعنی کسی مسافر نے تحری کرکے ایک جہت پر نماز ادا کرلی بعد میں کسی نے بتایا کہ قبلہ دوسری جہت پر ہے تو اس کی نماز ادا ہوجائے گی، اعادہ واجب نہیں ہوگا، الغرض خطا کا اثر حقوق اللہ میں زیادہ ہوتا ہے، لیکن حقوق العباد ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ولیس علیکم جناح فیما أخطاتم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم (احزاب:۵)

اور حدیث شریف میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطا اور نسیان کی صورت میں صادر ہونے والے اعمال کو معاف عنہ کے قبیل سے تسلیم کیا ہے:

"تجاوز اللہ عن أمتي الخطأ والنسیان"

(۷) عسر اور عموم بلوی:

عسر اور عموم بلوی کی وجہ سے بھی بہت سے احکام میں تخفیف ہوتی ہے، جیسے گھروں میں بلی کا بار بار آنا، اس لیے اس کا جھوٹا مکروہ ہے، اس میں وہ اعذار شامل ہیں جو اکثر پیش آتے ہیں کیونکہ جو نادر الوجود ہیں وہ یسر وسہولت کے سبب نہیں ہے اور وہ معدوم کے درجے میں ہوتے ہیں۔ اور معدوم کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے ہاں جو ہمیشہ پیش آتے ہیں جن سے احتراز دشوار ہو وہ مؤثر اور عذر تیسیر وسہولت ہیں، مثلاً عورت کا ہر مہینے حیض سے دو چار ہونا مسقط صلوۃ کے لیے عذر ہے، اس لیے ایسی عورت سے نماز ساقط کر دی جاتی ہے، نہ اس پر قضا واجب ہوتی ہے نہ کفارہ، ہر مہینے بار بار آنے کی وجہ سے، اس کی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے:

لیس علیکم ولا علیھم جناح بعدھن طوافون علیکم بعضکم علي بعض (نور:۵۷)

(۸) نقص:

یہ وہ عارض ہے جس کی وجہ سے تشریعی احکام کی تکلیف میں تخفیف ہوتی ہے، اس سے مراد بچہ، مجنون، اور سونے والا ہے، اسی وجہ سے یہ لوگ تشریعی احکام کے مکلف نہیں ہوتے، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج فرض نہیں ہوتا، اسی طرح غلام اور باندی پر شرعی احکام کی ادائیگی میں تیسیر ہوتی ہے، چنانچہ ان پر جمعہ کا وجوب ساقط ہوتا ہے، حدود وسزا میں تخفیف ہوتی ہے، عورتوں میں بھی عقل کے اعتبار سے نقص ہوتا ہے، اسی بنا پر عورتوں کے لئے تیسیر اور سہولت دی گئی ہے، نماز کی جماعت اور جمعہ کا سقوط اسی وجہ سے ہے اور ریشم اور سونے کی اجازت عورتوں کے لئے تخفیف وسہولت کا پیش خیمہ ہے:

"ممن ذلك عدم تکلیف الصبي وعدم تکلیف الارقاء" (موسوعہ: ج۱۴ص:۲۳۲)

الغرض تخفیف تیسیر کے اسباب اور اس کے دائرہ کار سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اس کی غیر معمولی اہمیت ہے۔

سوال نمبر (۳) کا جواب:

یقیناً تیسیر وتخفیف کے سلسلے میں کئی آیات ہیں، کچھ آیات اس سے پہلے سوال نمبر دو کے ذیل میں ذکر کی جا چکی ہے، تاہم یہاں اس کے علاوہ دو آیات ذکر کی جارہی ہے، اور اس کی روشنی میں تیسیر کے بابت رہنمائی کے گوشوں کو

نمایاں کیا جائیگا:

(۱) لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعها (بقرہ:٢٨٦)

(اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف بناتے ہیں)

(۲) یرید اللہ أن یخفف عنکم وخلق الناس ضعیفا (نساء:٢٨)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تخفیف کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاۃ کو مقرر کرنے اور گورنروں کو دوسرے ملک بھیجنے کے وقت جو ہدایات دی ہیں، ان سے تیسیر کے سلسلے میں بڑی رہنمائی ملتی ہے، مثلاً بخاری شریف میں ایک روایت ہے:

"یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا" (بخاري/مسلم)

اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے امت مسلمہ کو عبادت کے ہر باب میں تیسیر وتخفیف کی دعوت دی ہے، چنانچہ نماز سے پہلے مسواک کرنے اور عشاء کی نماز آخری رات میں ادا کرنے کے سلسلے میں جو آپ نے امید اور تمنا ظاہر کی ہے وہ بھی یسر وسہولت کا شاہکار ہے:

لولا أن اشق علی أمتي لأخرت العشاء (بخاری)

(اگر میری امت پر شاق نہیں گذرتی تو میں عشا کی نماز آخری رات میں ادا کرنے کا حکم دیتا)

لو أن أشق علی أمتي لأمرتهم بالسواك عند کل صلاۃ (ترمذی شریف)

(اگر میری امت پر گراں نہیں ہوتی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔)

اسی طرح صحابہ کرام میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "لوگوں کے ساتھ آسانی سے پیش آؤ اور ان کے لیے دین میں یسر وسہولت کے پہلو کو تلاش کرو"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں میں سے ایک امر کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ آسان پہلو کو اختیار کرتے: (بخاری ومسلم)

الغرض آیات قرآنیہ احادیث نبویہ اور آثار صحابہ سے تیسیر کے سلسلے میں عملی طور پر تین باتوں کی رہنمائی ہوتی ہے:

(۱) غیر منصوص مسائل میں فقہاء اور مفتیان کرام فتویٰ دینے میں یسر اور تیسیر کے پہلو کو پیش نظر رکھیں اور اس بنیاد پر ترجیح دیں۔

(۲) قضاۃ اور فقہاء مسائل اور قضایا کو حل کرنے میں توسط کے طریقے کو ترجیح دیں، بشرطیکہ حدود شرعی سے تجاوز کرنا لازم نہ آئے۔

(۳) فقہاء اور قضاۃ امت کے مسائل کو حل کرنے میں وہ طریقہ اختیار کریں جس کی وجہ سے امت مسلمہ زندگی کے ہر شعبے میں دین پر چلنے میں سہولت محسوس کرے، اور تا حیات دینی مزاج کا عادی ہو جائے۔

سوال نمبر (۴) کا جواب:

تیسیر ورخصت سے متعلق کئی قواعد ہیں، لیکن یہاں درج ذیل قواعد کی تشریح پیش کی جارہی ہے:

(۱) المشقة تجلب التيسير:

(مشقت آسانی کو لاتی ہے)

تشریح: یعنی مشکلات سہولت وآسانی کا سبب ہوجاتی ہے، چنانچہ شریعت مطہرہ انسانوں کے لئے آسانی اور سہولت کی راہ ہموار کرتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں تشریعی احکام میں یسر وسہولت کے مزاج کو بیان کیا ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں آسانی اور سہولت کی ترغیب دی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے کئی روایات پیش کی جا چکی ہیں، اسی بنا پر، بے شمار احکام شرعیہ کی بنیاد انسانوں کی سہولت پر رکھی ہے، مثلاً قرض، اجارہ، اعارہ، وکالت، ودیعت، شرکت، مضاربت، کی اجازت کا مقصد یہی ہے کہ عاجز اشخاص دوسرے افراد سے معاونت لیکر اپنی ضرورت پوری کرے۔

(۲) الأمر إذا ضاق إتسع وإذا إتسع ضاق

(جب کسی کام میں شدید تنگی ہوگی تو وسعت ہوگی، اور جب وسعت زیادہ دی جائے گی تو پھر تنگی ہوگی)

تشریح: اس قاعدے کی تشریح یہ ہے کہ شریعت کے احکام میں سہولت ہے، پھر یہ سہولت وتخفیف کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جو محض آسانی کے لیے شریعت نے مقرر کی ہے، دوسری قسم وہ جو عوارضات کے پیش آنے پر جائز کی گئی ہے، اور مذکورہ قاعدے میں خاص طور پر دوسری قسم کی وضاحت کی گئی ہے، کہ کب کسی عذر کی وجہ سے کسی کام میں تنگی پیش آجائے تو عذر کے بقا تک وسعت ہوگی، اور عذر کے ختم ہونے پر جب وسعت ہوجائے تو پھر وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آئے گا، مثلاً اضطرار کی حالت میں مردار کھانے کی اجازت ہے، لیکن اضطرار ختم ہونے پر پھر تنگی یعنی مردار کی حرمت عود کر جائے گی، اسی طرح سفر کی تنگی کی وجہ سے قصر صلوۃ اور افطار کی اجازت ہوتی ہے، اور سفر کے ختم ہونے پر اتمام، روزہ رکھنا، حسب عادت ضروری ہوتا ہے، (شرح الحموی علی الاشباہ ج:۱ ص:۲۷۷)

(۳) المشقة والحرج إنما يعتبر في موضع لا نص فيه

تشریح: مشقت وحرج کا اعتبار ان مسائل میں ہوتا ہے جہاں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہو، لیکن اگر اس میں نص وارد ہو تو پھر مشقت کی وجہ سے کسی چیز کا استعمال نہیں درست ہوتا ہے، مثلاً حالت احرام میں محرم کا شکار کرنا یا شکار کی

طرف رہنمائی کرنا نص سے ممنوع ہے، جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے: ''**صید البر لکم حلال و أنتم حرم مالم تصیدوہ**'' (ترمذی شریف: ج:۱ص:۱۷٤) لہذا ضرورت ومشقت کی وجہ سے محرم کا شکار کرنا جائز نہیں ہوگا، اسی طرح بول آدمی ناپاک ہے، لہذا عموم بلوی کی وجہ سے اس کی ناپاکی کے حکم کوئی فرق نہیں آسکتا، یہی حکم روث کی ناپاکی کے سلسلے میں بھی ہے، کیونکہ اس کے بارے میں نص وارد ہے، اس لیے روث کی ناپاکی کا حکم حرج کی وجہ سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔

سوال نمبر(۵) کا جواب:

لغت میں رخصت کے معنی نرمی اور خفت کے ہیں، ابن منظور لکھتے ہیں، رخص کے معنی نرم ونازک چیز کے ہیں، اور اصطلاح میں رخصت کا معنی بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے تخفیف کرنا ہے۔(**لسان العرب ابن منظور: ج٦ص١٦١**)

اسی طرح امام سرخسی نے بھی رخصت کی تعریف کی ہے:

''ما استبیح للعذر مع بقاء الدلیل المحرم''

یعنی ممانعت کی دلیل کی موجودگی میں عذر اور عجز کی بنا پر جس چیز کی اجازت دی جائے وہ رخصت ہے، (اصول السرخسی: ج:۱ص:۱۱۷)

جہاں تک تیسیر کا تعلق ہے سوال نمبر ایک کے تحت اس کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کے مفہوم کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاچکا ہے، بہرحال رخصت اور تیسیر کے معنی پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ دونوں میں صرف لفظاً فرق ہے، معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں کا مقصد تشریعی احکام میں آسانی اور سہولت کی راہ کو ہموار کرنا ہے، اور رخصت وتیسیر کا تعلق اسلام کے تمام شعبے جات سے ہے۔

سوال نمبر(٦) کا جواب:

درء المفاسد اولي من جلب المصالح:

یہ وہ اہم قاعدہ ہے، جسے اکثر فقہاء نے اپنی قواعد کی کتاب میں ذکر کیا ہے، علامہ ابن نجیم نے ''**الضرر یزال**'' کے ضمن میں اس کو ذکر کیا ہے:

ونظیر القاعدة قاعدة خامسة: وهي درأ المفاسدة اولى من جلب المصالح، فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً، لأن إعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتناء بالماموارت ولذا قال عليه السلام: إذا أمرتكم بشئ فاتوا منه ما استطعتم وإذا نهيتكم عن شئ فأجتنبوه (بخاری شریف) (الأشباہ ج:۱ص:۳۲۲)

مولانا علی احمد ندوی نے اپنی کتاب ''القواعد الفقهيه'' میں اسی قاعدہ کو ذکر کر کے توجیہ کی ہے (القواعد الفقهيه ج:۱ص:۲۷) اسی طرح مفتی سید عمیم صاحب نے قواعد الفقہ میں ذکر کیا ہے، بہر حال یہاں مختصراً اس قاعدہ کی تشریح پیش کی جارہی ہے۔

قاعدہ کی تشریح: مفاسد کا دفع کرنا منفعت کے حصول سے اولی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب مفسدہ اور مصلحت کا کسی محل میں اجتماع ہوتا ہے تو اکثر مواقع پر مفسد کا ازالہ اور دفع کرنا اولی ہے، کیوں کہ شریعت نے ممنوعات کو مامورات کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

إذا امرتكم بشيءفأتوا منه ما استطعتم وإذا نهيتكم عن شيءفأجتنبوه (بخاري شريف)

(جب میں تم کو کسی شی کا حکم دوں تو اس کو اپنی استطاعت کے مطابق بجالاؤ، لیکن جب کسی امر سے تم کو منع کروتو اس سے بالکل اجتناب کرو)

قاعدہ کی مثال یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی ملکیت میں فرض کے مطابق ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے، لیکن جب اس کے ساتھ غیر کا حق بھی متعلق ہو، تو پھر مالک کو مستقلاً تصرف سے روکا جاسکے گا، جب کسی عورت پر غسل فرض ہو اور اس کے لیے مردوں سے پردہ کر کے غسل کرنے کی صورت ممکن نہ ہو تو وہ نماز کو مؤخر کردے اور مفسدہ سے بچے۔ (شرح الحموی علی الاشباہ ج:۱ص:۲۵۶)

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ کسی کی زمین میں آم کا درخت ہے، اس پر آم تیار ہے، اس کو توڑنے میں دوسرے کے آگن میں بدنگاہی ہوتی ہے تو اس صورت میں اپنے فائدے کے لیے دوسرے پڑوسی کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے، اسی لیے ضرر کو ضرر کے ذریعے ازالہ درست نہیں ہے۔ (الضرر لايزال بمثله) (الاشباہ)

چنانچہ مضطر کے لیے مال غیر کا استعمال اسی صورت میں مباح ہوتا ہے کہ بعد میں قدرت کے بعد اس کا ضمان ادا کرے۔

سوال نمبر: ۷ کا جواب:

جیسا کہ اوپر کی تفصیل اور بحث سے یہ بات عیاں ہوئی کہ دین میں تیسیر اور یسر کا اثر فطری ہے، یہی اس دین کا امتیاز ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب کسی مسلک کے کسی جزیہ پر عمل باعث ضیق اور تنگی ہو تو دوسرے مسالک سے استفادہ اور تلفیق کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء نے تفصیل سے گفتگو کی ہے اور کچھ شرطوں کے ساتھ گنجائش دی ہے، بہر حال یہاں تلفیق کا معنی اور اس کی شرطیں پہلے یہاں پیش کی جارہی ہے:

تلفیق کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

تلفیق: لفقت الثوب ، الفقه لفقا، سے ماخوذ ہے، یعنی کپڑے کے ایک کنارہ کو دوسرے کنارہ کے ساتھ ملا کر سی دینا (لسان العرب ابن منظور ۵/ ۴۰۵۶) اور تلفیق لفق کا مصدر ہے یعنی ایک حصہ کو دوسرے حصہ کو ملانا (معجم لغت الفقہاء ۱۴۴)

اصطلاحی تعریف: ایک عمل میں دو مسئلوں میں دو مختلف فقہاء کی رائے کو اس طرح قبول کرنا ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ عمل ان میں سے کسی کے نزدیک بھی درست قرار نہ پائے (معجم لغۃ الفقہاء: ۱۴۴)

دوسرے مسالک سے استفادہ کی شرطیں:

فقہاء اور علماء نے اس کی کئی شرطیں متعین کی ہیں، ان میں سے کچھ خاص شرطیں ذکر کی جارہی ہیں، امام زرکشی کہتے ہیں اگر کوئی شخص معین مذہب کو اختیار کرلے مثلاً امام مالک، یا امام شافعی کے مذہب کو اجمالی طور پر اس کے راجح ہونے کا اعتقاد رکھے تو کیا اس کے لیے جائز ہوگا کہ بعض مسائل میں اپنے امام کی خلاف ورزی کرے، اور کسی دوسرے مجتہدین کے قول کو اختیار کرے اس سلسلہ میں چند اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ ایسا کرنا ممنوع ہے، کیوں کہ ہر امام کا ہر قول ایک ایک واقعہ میں مستقل ہے لہذا دوسرے قول کی طرف منتقل ہونے کی بجز تشہی کے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے، کیوں کہ صحابہ کرام نے عوام کے لئے کسی معین مجتہد کی تقلید کو لازم قرار نہیں دیا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اگر اس شخص کو غالب گمان ہو، کہ بعض مسائل میں اس کے امام کے قول سے دوسرے امام کا قول زیادہ قوی ہے تو اس کے لئے ان مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جائز ہے، اس کے قائل امام قدوری حنفی ہیں (مباحث فقہیہ،: 187 تا 188)

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

(۱) یہ عمل ایسی تلفیق کو لازم نہ ہو جس کے باطل ہونے پر دونوں اماموں کا اجماع ہو۔

(۲) مذہب غیر کا اختیار کرنا اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے سے پہلے ہو، اس طرح کہ اس حادثہ میں اپنے امام کے مذہب پر عمل ہی نہ کیا ہو۔

(۳) رخصت تلاش کرنے کے لیے نہ ہو کیونکہ کسی کے لیے بالاجماع اس طرح کرنا جائز نہیں ہے (جواہر الفقہ ۱: / ۱۶۶) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نے بھی کچھ شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے وہ شرطیں ہیں:

(۱) تقلید کے طور پر جو عمل ہو چکا ہے اس سے رجوع لازم نہ آئے۔

(۲) اس سے اجماعی مسئلہ سے رجوع لازم نہ آتا ہو۔

(۳) یہ کہ علماء کے نادر اور شاذ اقوال کو اختیار نہ کرے، کیوں کہ ان کو علماء مسترد کر دیا ہے، اس لئے انہیں اختیار کرنا درست نہیں ہے، امام اوزاعی فرماتے ہیں: جو شخص علماء کے نادر اقوال کو اختیار کرے گا وہ اسلام سے نکل جائے گا ،اخیر میں قاضی صاحب رقم طراز ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ہم تلفیق اور تتبع رخصت کو مطلقاً مباح قرار دیں تو یہ امت کے لئے فتنہ اور آزمائش ہوگی ،اور شریعت کی ہتک حرمت ہوگی ،کیوں کہ یہ دونوں اباحت پسندی ،آزادی، لہو ولعب اور خواہش کی پیروی کا سبب بنیں گے ،ہاں اگر قابلِ اعتماد فقہاء ئے کرام دور جدید کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے اور امت سے حرج اور تنگی کو دور کرنے کے لئے ضروری شرائط کے ساتھ رخصت اور تلفیق کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں، تو میری رائے میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بالخصوص یہ کام علماء راسخین کے اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں انجام پائے (مباحث فقھیہ۔197 تا200)

بہر حال تلفیق کے سلسلہ میں بحث بالا اور فقہاء کی توجیہ کی روشنی میں اس نتیجے پر میں پہنچا ہوں کہ دوسرے مسالک سے استفادہ مطلقا درست نہیں، ہاں البتہ کچھ شرطوں کے ساتھ جائز ہے وہ شرطیں یہ ہیں:

(۱) اس سے خواہش نفس کی اتباع نہ ہو، اور نہ اس پر عمل ہو چکا ہو۔

(۲) اس سے اجماعی عقیدہ مسئلہ کے خلاف لازم نہ آئے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ نادر اور شاذ قول نہ ہو اور اس سے اباحت پسندی، آزادی، اور خواہش کی پیروی کا سبب نہ بنیں۔

(۴) تلفیق اور دوسرے مسالک سے استفادہ کا مقصد امت کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنا اور اس سے حرج وتنگی کو دور کرنا ہے تو علماء راسخین کے اجتماعی اجتہاد کے نتیجہ میں اس کی گنجائش ہوگی جیسے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفقود الخبر زوج کے مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کے مسلک پر عمل کی اجازت دی اور خود الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزہ میں لکھتے ہیں: ہاں بوقت ضرورت شدیدہ کہ خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا جائے ،اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں (الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ:86، ناشر امارت شرعیہ ہند، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی)

شریعت میں یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا عبید اللہ ندوی

استاذ حدیث وادب دار العلوم ماٹلی والا، گجرات

تیسیر کی تعریف:

لغوی تعریف: تیسیر کا لفظ لغت میں یسّرَ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں، آسان کرنا، توفیق دینا، چنانچہ کہا جاتا ہے:

یسر الأمر، إذا سهّله ولم یعسره ولم یشق علی غیره أو نفسه فیه۔

اس نے فلاں چیز آسان کردی، تنگی نہیں کی، اور مشقت میں نہیں ڈالا نہ خود کو، نہ دوسروں کو، نیز قرآن میں ہے:

ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر (قمر:۱۷)

یعنی ہم نے قرآن کو آسان کر دیا اور عبرت پذیری کے لئے سہل بنا دیا۔

یسر کے معنی نرمی اور فرمانبرداری کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: یاسر فلان فلانا (فلاں نے فلاں کے ساتھ نرمی کی) تیسرت البلاد إذا أخصبت (ملک سہولت والا ہوگیا جبکہ سرسبز وشاداب ہو جائے) نیز ''یسر'' اور ''میسرة'' کے معنی غنیٰ کے بھی آتے ہیں،، اسی طرح ''یسار'' کے بھی معنی تونگری کے آتے ہیں، قرآن پاک میں ہے: وإن کان ذو عسرة فنظرة إلی میسرة (بقرة:۲۸۰) ترجمہ: اگر وہ تنگ دست ہو تو خوشحال ہونے تک اسے مہلت دو (مقاییس اللغۃ ۶ / ۱۵۵، لسان العرب ۵ / ۲۹۵، الصحاح للجوھری ۲ / ۸۵۷)

اور حدیث میں ہے:

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا (بخاری رقم: ۶۹، مسلم رقم: ۱۷۳۴)

ترجمہ: آسانی پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو، اور خوشخبری سناؤ، لوگوں کو متنفر نہ کرو۔

تیسیر کے معنی لغت میں تیار ہونے اور تیاری کرنے کے بھی آتے ہیں، اسی سے قرآن میں ہے: فسنیسره للیسری (اللیل:۷) یعنی ہم اس کے لئے عمل صالح کی طرف لوٹنا آسان کر دیں گے اور مسلم شریف میں ہے: تیسروا للقتال (مسلم رقم:۱۰۱) یعنی جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس کی تیاری کرلو۔

اصطلاحی تعریف:

بناء الأحکام الشرعیة وفق القدرة البشریة العادیة، ومراعاة الأحوال الطارئة والاستثنائیة بأحکام

خاصة مخففة (فقه التيسیر فی الشریعة الاسلامیة، تاصیلا و تطبیقا، ص: ۱۵)

ترجمہ: شرعی احکام کی بنا عام انسانی قدرت کے مطابق رکھنا، اور پیش آنے والے نیز استثنائی حالات کی مخصوص اور خفیف (ہلکے) احکام کے ذریعہ رعایت کرنا۔

یہ تعریف ''تیسیر'' کی تمام اقسام، خواہ عام ہوں یا خاص، کو شامل ہے، تیسیر کے درج ذیل اصطلاحی معانی آتے ہیں:

۱- جو اجتماعی احکام اور اصولی ضابطے دئے گئے ہیں وہ اس اعتبار سے آسان ہیں کہ ممکن ہی نہیں کہ ایسا کوئی متبادل اصولی و اجتماعی حکم ہو جو اتنا آسان ہو اور اتنے بہتر نتائج پیدا کرسکتا ہو۔

۲- شریعت میں جو انفرادی رعایتیں دی گئی ہیں وہ اتنی سہل ہیں کہ کسی پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتیں۔

تیسیر کی حکمتیں:

شریعت اسلامیہ میں تیسیر کی حکمتیں درج ذیل ہیں:

۱- تدین کے تقاضہ کو پورا کرنا: چونکہ اسلام کے معنی حق عبودیت کو ادا کرنے کے لئے اللہ اور اس کی شریعت کے سامنے جھکنا اور انقیاد ظاہر کرنا ہے، جو مقاصد شریعت - مثلا جلب مصالح اور درء مفاسد - کو پورا کرنے کا ضامن ہے، اور اس حکم کی بجا آوری اور تقاضائے تدین کو پورا کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ تشریع اتنی آسان اور سہل نہ ہو کہ اس کی تطبیق ممکن ہو اور بغیر کسی حرج و مشقت کے اس کو نافذ کیا جا سکے۔

۲- دوام اور استمرار کے مقصد کو پورا کرنا: ہم سب جانتے ہیں کہ عمل نفس پر جتنا ہلکا ہوگا اور انجام دہی جتنی آسان ہوگی، وہ عمل اتنا ہی پائیدار ہوگا اور اس پر پابندی میں بھی دوام و استمرار ہوگا، اس کے برعکس اگر عمل نفس پر شاق ہوگا تو انقطاع کا اندیشہ زیادہ ہوگا، اور دوام کے ساتھ اس پر قائم رہنا مشکل ہوگا۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

> إعلم أن الحرج مرفوع عن المكلف لوجهين: أحدهما: الخوف من الانقطاع من الطريق، وبغض العبادة، وكراهة التكليف، وينتظم تحت هذا المعنى الخوف من إدخال الفساد عليه في جسمه أو عقله أو ماله أوحاله، والثاني: خوف التقصير عند مزاحمة الوظائف المتعلقة بالعبد المختلفة الأنواع، مثل قيامه لأهله وولده، إلى تكاليف أخرى تأتي في الطريق، فربما كان التوغل في بعض الأعمال شاغلا عنها، وقاطعا بالمكلف دونها، وربما أراد الحمل للطرفين على المبالغة في الاستقصاء، فانقطع عنهما (الموافقات ۲/۲۳۳)

ترجمہ: جان لو کہ مکلف سے حرج کو دو وجہوں سے دور کیا جائے گا، ایک: اس اندیشہ سے کہ راستہ میں ہی

(عمل کا) انقطاع نہ ہوجائے، نیز عبادت سے نفرت اور تکلیف (شرعی) سے کراہیت نہ پیدا ہوجائے، اور اس معنی کے تحت خود اپنے اوپر، یعنی اپنے جسم، عقل یا مال یا حالت میں فساد پیدا ہونے کا خوف بھی شامل ہے، دوسرے: بندے سے متعلق مختلف انواع کی ذمہ داریاں جمع ہوجانے کی صورت میں کوتاہی کا اندیشہ، مثلاً اپنے اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی، نیز دوسری تکالیف شرعیہ جو راستہ میں اسے پیش آسکتی ہیں، تو ہوسکتا ہے کہ بعض اعمال کی انجام دہی میں یہ رکاوٹ بنے، اور مکلف کو اس کی نجام دہی سے روک دیں، نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ زبردستی دونوں طرف کا بوجھ اٹھانے کی کوشش کرے اور دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

۳۔غیر مسلموں کو اسلام اور غیر متدین کو تدین میں داخل ہونے کی ترغیب: غیر مسلم جب اسلام کی نرمی و یسر اور سہولت وتیسیر نیز ہر طرح کے حالات میں مکلف کے احوال کی رعایت دیکھے گا، اور یہ دیکھے گا کہ اس کی استطاعت کا صحیح اندازہ لگایا گیا ہے، تو اسلام کو گلے لگائے گا اور اس کے اندر قبول اسلام کا جذبہ پیدا ہوگا، اور رپھر وہ پورے یقین کے ساتھ اسے قبول کرے گا کیونکہ اس پر رحمت کے آثار سایہ فگن ہوں گے اور وہ مشقت وحرج میں نہ پڑنے کا خواہش مند ہوگا۔

۴۔بندوں کے ساتھ اللہ کی رحمت کے آثار ونقوش: بایں معنی کہ اللہ نے کسی ایسی چیز یا حکم کا اس کو مکلف نہیں بنایا جس کو ادا کرنے سے وہ قاصر وعاجز ہو، یا اس کی ادائیگی میں اسے دشواری ہو، بلکہ اللہ نے تکالیف شرعیہ کو عام انسانی قدرت کے ماتحت رکھا ہے، اور اللہ تعالی نے تشریعات کے تعلق سے اپنا ارادہ واضح فرمادیا ہے کہ وہ لوگوں کو مشقت اور تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتے ہیں، چنانچہ آیت صوم کے آخر میں فرمایا:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں اور تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتے۔

اسی طرح سورہ مائدہ میں جہاں طہارت کا ذکر ہے وہاں طہارت کی مختلف انواع، وضو، غسل اور تیمم کے ذکر کے بعد فرمایا:

ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ،ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون (مائدة:٦)

ترجمہ: اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتے، اور لیکن وہ تمہیں پاک کرنا چاہتے ہیں، اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کرنا چاہتے ہیں، تا کہ تم شکر ادا کرو۔

۵۔تیسیر شریعت اسلامیہ کی بقاء ودوام کو مؤکد کرتی ہے: تیسیر اسلامی قوانین کے لافانی ہونے کو پختہ کرتی ہے

،اور یہ یقینی بناتی ہے کہ یہ آخری شریعت ہر زمان ومکان کے ساتھ چلنے کے لائق ہے، نیز اس میں انسان کے تمام حالات -خواہ اختیاری ہوں یا اضطراری- کی رعایت موجود ہے اور وہ ہر حال میں انسانوں کے مصالح ومنافع کو پورا کرتی ہے۔

شریعت اسلامیہ میں تیسیر کی بنیادیں، اسباب اور دائرہ کار کیا ہیں؟

شریعت اسلامی میں تیسیر کی کئی بنیادیں ہیں مثلا:

۱- انسانی طاقت کی رعایت: انسان کی طاقت وقدرت محدود ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قدرت علمیہ جو ذاتی ادراک کے وسائل اور اس سے اکتساب معرفت کے وسائل کی نمائندگی کرتی ہے جو انسان کو ہر ملک، ہر ماحول میں عطا کئے گئے ہیں، دوسرے وہ قدرت علمیہ جو اعضاء وجوارح کے ذریعہ اس چیز کے امتثال کو ثابت کرتی ہے جو اس کو قدرت علمیہ عقلیہ سے حاصل ہوئے ہیں، قدرت علمیہ میں تیسیر جیسے:

الف: مراد الٰہی تک پہونچنے میں ظن اور غلبۂ ظن کا اعتبار۔

ب: مقاربت کا اعتبار، لیکن اس میں مطابقت شرط نہیں ہے۔

ج: اجتہاد میں خطا معاف ہے، بلکہ مجتہد کو خطا پر بھی ایک اجر ملتا ہے، کیونکہ اس نے عقل اور دیگر آلات ادراک کو کام میں لگایا۔

۲- واقعیت: اللہ تعالی نے انسان کو ان احکام کی بجا آوری پر قدرت عطا فرمائی ہے جس کا اسے اس دنیوی زندگی میں مکلف بنایا ہے، اور احکام کو عام وضع میں اس قدرت سے ہم آہنگ بنایا ہے، اور چونکہ انسان زندگی کے بہت سے موڑ پر بہت سے پہلوؤں پر قابو رکھتا ہے، نیز یہ کہ انسان ایسے عوارض، چیلینجز اور مشکلات کا سامنا کرتا رہتا ہے جہاں وہ امتثال حکم کی قدرت کھو دیتا ہے یا اس کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالی نے اس شریعت میں مکلف کے مختلف احوال کے اعتبار سے لچک رکھی ہے، چنانچہ شریعت قوت وضعف کے اعتبار سے مکلف کی قدرت کے ساتھ چلتی ہے۔

نیز اسی کے ساتھ شریعت اسلامی کے احکامات اور تعلیمات میں کمال ہے، جو چاہتی ہے کہ سماج اور معاشرہ کو کمال کے اعلی درجات تک لے جائے، لیکن اسی وقت تطبیق کی حقیقت بھی درپیش ہوتی ہے لہذا وہ مکلف کے حالات اور ماحول کی رعایت کرتی ہے اور اس کو صرف اتنے کا مکلف بناتی ہے جتنا اس کے بس میں ہوتا ہے۔

۳- عام ضعف انسانی کی رعایت: اللہ تعالی فرماتے ہیں:

یرید اللہ أن یخفف عنکم وخلق الإنسان ضعیفا (نساء:۲۸)

اللہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ تخفیف برتے، اور انسان تو کمزور ہی پیدا کیا گیا ہے۔

باب نکاح سے متعلق تعلیمات وتشریعات بیان کرنے کے بعد اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ یہ توجیہات ان مصالح

اور منافع اور رہنمائیوں کا بیان ہیں جو میں لوگوں کے لئے پسند کیا ہے، اور یہ سب ''تیسیر'' پر مبنی ہیں کیونکہ اسی میں انسانی ضعف کی رعایت ہے، اسی لئے آیت کریمہ اپنے جلو میں ''**خلق الإنسان ضعیفا**'' لیکر آئی ہے، جس میں اس چیز کا بیان ہے کہ اللہ انسان کے لئے جو منہج واحکام مشروع کرتے ہیں اس میں انسان کے ضعف پر رحم کرتے ہیں اور جن امور میں اس کا ضعف معلوم ہوتا ہے اس میں تخفیف فرماتے ہیں، یسر کی رعایت رکھتے ہیں، اور حرج، مشقت اور ضرر کو دور فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ اس امت کے ساتھ نرمی، سہولت وآسانی کی رعایت کرتے ہیں، نیز اسمیں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ یہ دین حفظ مصالح اور درء مفاسد کو انتہائی آسان کیفیت اور سہل طریقے سے بیان کرتا ہے، بلکہ بسا اوقات تو شریعت نے بعض مفاسد کو لغو قرار دے دیا محض اس وجہ سے کہ اس کے ترک میں مشقت ہے یا تعطیل مصلحت ہے مثال کے طور پر باندیوں سے نکاح کے مفاسد کو لغو قرار دے دیا چونکہ اس میں نکاح کی قدرت نہ رکھنے والوں کے لئے مشقت تھی۔

ابن عاشورؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کے فرمان: **و خلق الإنسان ضعیفا** (نساء:۲۸) کے ذیل میں تخفیف کا حکم، اور اس دین کی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار ہے، نیز یہ کہ تمام ادیان میں یہی دین ہر زمان ومکان میں لوگوں کے لئے زیادہ لائق اور بہتر ہے، سابقہ ادیان میں صرف مخصوص حالات کی رعایت کی گئی تھی، اور اسی معنی میں یہ آیت بھی ہے: **الآن خفف اللہ عنکم و علم أن فیکم ضعفا** (انفال:٦٦) ترجمہ: اب اللہ نے تم پر حکم میں تخفیف کردی اور جان لیا کہ تم میں ضعف ہے (دیکھئے: التحریر والتنویر ۵ / ۲۲)

ڈاکٹر امیر عبد العزیز لکھتے ہیں:

> قیام الشریعة علی الیسر ونبذها للعسروفي ذلک مراعاة کاملة لطبیعة الإنسان المبنیة علی الضعف،ضعف البنیة،وضعف الاحتمال،وضعف الإرادةوالاصطبار،وأساس ذلک کله محدودیة الطاقةوالاقتدار،ویستدل علی اعتماد التیسر ونبذ التعسیر (اصول الفقه الاسلامی ۱۶۲/۱، ط: دار السلام)
>
> ترجمہ: شریعت کا قیام یسر اور ترک عسر پر ہے، اور اس میں انسانی طبیعت کی مکمل رعایت کی گئی ہے، کیونکہ اس کی بناء ضعف پر ہے، بدن (کی بناوٹ) میں ضعف، بوجھ اٹھانے میں ضعف، ارادہ وعمل اور صبر میں ضعف، اور ان سب کی بنیاد قوت واقتدار کی محدودیت ہے، اور اس سے تیسیر پر اعتماد اور تعسیر (تنگی) کو نظر انداز کرنے پر استدلال کیا جاتا ہے۔

تیسیر کے اسباب:

ذیل میں وہ اسباب ذکر کئے جاتے ہیں، جن کیوجہ سے احکام میں تخفیف اور سہولت کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں،

اور نئے حالات ومسائل کا حل تلاش کرنے میں بھی ان سے مدد ملتی ہے:

۱۔تیسیر کے اسباب میں بڑا اور واضح سبب نبی اکرم ﷺ کا نبیٔ خاتم ہونا اور آپ ﷺ کی امت کا امت وسط ہونا ہے، چونکہ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنے والا ہے، اور یہی دین قیامت باقی رہے گا لہذا اس میں ایسی لچک رکھی گئی ہے جو قیامت تک چل سکے۔

۲۔سفر کی وجہ سے شرعی سہولتیں اور رخصتیں ملتی ہیں، مثلا چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے، روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، تین دن اور تین رات تک موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور قربانی اس سے ساقط ہوجاتی ہے، اسی طرح جمعہ، عیدین اور جماعت کے ترک کی اجازت، پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا جواز، جانور کی سواری پر نوافل غیرہ پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے، (دیکھئے: فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، مولانا محمد تقی امینی۔ص:۳۱۸، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی)

۳۔مرض: مرض کے حالات کی رخصتیں فقہی احکام میں بہت ہیں، بطور مثال چند یہ ہیں:

وضو اور غسل کرنے سے اگر مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہوتو تیمم کی اجازت ہے، نیز مرض کی حالت میں بیٹھ کر، لیٹ کر، اشارہ سے، جس طرح بھی سہولت ہو نماز پڑھنا جائز ہے، رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت، مرض کیوجہ سے اعتکاف سے باہر آجانے، اور حج میں اپنا قائم مقام بنا کر کسی کو بھیج دینے کی اجازت ہے۔(حوالہ سابق، ص:۳۱۹)

۴۔اکراہ: اس سے مراد ایسی چیز کی دھمکی ہے جو انسان کے لئے مضرت رساں اور تکلیف دہ ہو، اس کی جامع تعریف علامہ نسفیؒ نے یہ کی ہے: جو شخص اکراہ پر قادر ہو وہ کسی ایسی فوری سزا کی دھمکی دے جس کی وجہ سے ایک باسمجھ انسان وہ کام کرنے پر آمادہ ہوجائے جس کے کرنے پر اسے مجبور کیا جارہا ہے، اور گمان غالب یہ ہو کہ اگر وہ یہ کام نہیں کرے گا تو دھمکی دینے والا اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دے گا،، (طلبۃ الطلبۃ فی الاصطلاحات الفقہیۃ، ص: ۱۲۱، ط: مکتبۃ مثنی بغداد، مطبعۃ عامریہ)

شریعت اسلامیہ نے اکراہ کی حالت میں تخفیف کو مدنظر رکھا ہے، دین اسلام میں شرک اور کفر سے بڑا کوئی جرم نہیں لیکن اس جرم میں بھی اکراہ کی صورت میں صرف نظر کیا جاتا ہے، ارشاد باری ہے:

إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله ولهم عذاب أليم (نحل:۱۰۶)

ترجمہ: جو اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کرے سوائے اس کہ کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن وہ جو دل سے اور دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے

دردناک عذاب ہے۔

شریعت نے اکراہ کی صورت میں درج ذیل رخصتیں فراہم کی ہیں:

الف: اکراہ تام کی صورت میں شراب نوشی کرنے والے پر حد نہیں گی۔

ب: اکراہ تام کے تحت کسی کا مال تلف کیا تو مجبور کرنے والے پر ضمان ہوگا کیونکہ مکرَہ شخص اس کا آلہ کار ہے، البتہ اکراہ ناقص کی صورت میں اس پر ضمان ہوگا۔

ج: اکراہ کے تحت کلمۂ کفر کہنے والے کو کافر نہیں مانیں گے، البتہ اس کے برعکس صورت میں اگر ایمان لانے پر مجبور کیا جائے تو اس کا ایمان تسلیم کیا جائے گا۔

د: اکراہ تام کے نتیجہ میں اگر قتل ہوا تو احناف میں سے طرفین کے نزدیک قصاص نہیں ہوگا، البتہ مکرِہ پر تعزیری سزا ہوگی، شوافع کے نزدیک دونوں پر قصاص ہوگا، اکراہ ناقص کی صورت میں بالاتفاق مجبور شخص پر قصاص ہوگا۔

ھ: اکراہ نکاح میں مؤثر نہیں ہوگا۔

و: بیع، ہبہ اکراہ سے فاسد ہوجاتے ہیں، خواہ اکراہ تام ہو یا ناقص۔

ز: اکراہ کے تحت کسی پر بہتان لگانے سے حد قذف جاری نہیں ہوگی۔

۶۔نسیان: ضرورت کے وقت کسی چیز کا یاد نہ آنا نسیان کہلاتا ہے (دیکھئے: الاشباہ والنظائر، لابن نجیم، ص:۷۱۴)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نسیان کی بناء پر کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کرنے سے مرتکب سے گناہ مطلقا ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

رفع عن أمتي الخطأ والنسیان وما استکرهوا علیه (بخاری، قواعد الاحکام ۲/۲، لعز الدین بن عبدالسلام)

ترجمہ: میری امت سے خطا اور نسیان اور وہ چیز جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہے، اٹھالیا گیا ہے۔

یادرہے کہ نسیان کیوجہ سے اگر ارتکاب فعل یا ترک فعل ہوا ہو تو اخروی گناہ ساقط ہوگا، لیکن دنیوی نتیجہ ساقط نہیں ہوگا۔

۷۔جہل: جہل علم کی ضد ہے، اصطلاح فقہ میں جہل کہتے ہیں احکام شریعت سے ناواقفیت کو، خواہ جزوی طور پر ہو، یا کلی طور پر، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"ھو عدم العلم ممن شأنه أن یکون عالما" (الاشباہ والنظائر ص: ۴۷۴)

جہل ایسی شئ کے عدم علم کو کہتے ہیں جس کا علم ہونا چاہئے۔

جہل اسباب تیسیر میں سے ایک سبب ضرور ہے لیکن یاد رہے کہ شریعت کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ احکام شریعت کی مکمل واقفیت حاصل کی جائے اور اس مقصد کے لئے حصول علم کی ہر ممکن کوشش کی جائے ،جس نے اللہ کا کوئی حکم نہ مانا اور اس کے لئے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی ،لہذا ہر آدمی پر فرض ہے کہ اللہ کا حکم مانے ۔ (الفروق للقرافی ۲/ ۱۴۸)

۷۔جنون: مجنون وہ ہے جس کی عقل جاتی رہی ہو اور وہ بات کو نہ سمجھتا ہو اور کسی وقت بھی اس کو افاقہ نہ ہوتا ہو،تو ایسے آدمی کے لئے شریعت کے احکام وہی ہیں جو صغیر السن بچے کے ہوتے ہیں۔(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/ ۳۶۸)

۸۔نقص طبعی: نقص طبعی سے مراد جسمانی معذوری ہے مثلاً اندھا یا لنگڑا یا اپاہج وغیرہ ہونا،قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لیس علی الأعمی حرج ولا علی الأعرج حرج ولا علی المریض حرج (نور: ۶۱)

ترجمہ: نہ اندھے پر اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر تنگی ہے۔

نقص طبعی اسباب تخفیف میں سے ہے، جب کوئی شخص طبعی نقص (اندھے پن، بہرے پن، گونگے پن وغیرہ) کا شکار ہو تو روزمرہ کے کام کاج میں اسے غیر معمولی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، بلکہ بعض دفعہ تو غیر معمولی مشقت برداشت کرنے کے باوجود کام کرنا ناممکن ہوتا ہے،لہذا طبعی نقص حالتِ ضرورت کی ایک شکل ہے جس میں تخفیف اور رخصت مہیا کی گئی ہے۔

۹۔نیند: نائم سے مراد وہ شخص ہے جو سویا ہو اور نیند کی حالت میں اسے یہ خبر نہ ہو کہ اس کے منہ سے کیا بات نکل رہی ہے اور اس کے اعضاء سے کن افعال کا صدور ہو رہا ہے،حدیث میں ہے:

رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی یستیقظ، وعن المجنون حتی یفیق،وعن الصبي حتی یعقل (ابوداود ،رقم: ۴۳۹۹ کتاب الحدود)

ترجمہ: تین لوگوں سے قلم (تکالیف شرعیہ) اٹھالیا گیا ہے،سوئے ہوئے سے، یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، مجنون سے یہاں تک کہ افاقہ ہو جائے، بچے سے، یہاں تک کہ وہ بالغ عاقل ہو جائے۔

۱۰۔صغر سنی:

نابالغ کے بعض خصوصی احکام یہ ہیں:

الف: اس پر حدود و قصاص اور تعزیر نہیں، البتہ اس کی تادیب کی جاسکتی ہے۔

ب: اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ج: اسے میدان جنگ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

د: اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی۔(دیکھئے: الاشباہ والنظائرص:۴۷۹ تا ۴۸۴)

۱۱۔فقر وافلاس: دنیا میں سب سے زیادہ ضعیف اور مستحق رعایت وسہولت وہ طبقہ ہے جسے ہم فقراء ومساکین کے نام سے جانتے ہیں، قرآن وحدیث میں اس طبقے کے لئے بہت سی سہولتیں اور رعایتیں رکھی گئی ہیں، مثلاً نہ ان پر زکوۃ فرض ہے نہ حج، بلکہ جہاں تک زکوۃ کی بات ہے تو دینے کے بجائے لینے کا مستحق مانا گیا ہے، روزہ کے معاملہ میں بھی یہ حال ہے کہ اگر توڑے ہوئے روزہ کا کفارہ نہ ادا کرسکے تو اس کے لئے بعض ایسی رعایتی ملحوظ رکھی گئی ہیں جو اہل ثروت کے لئے نہیں ہیں۔

۱۲۔موسمی حالات: غیر معمولی موسمی حالات انسان کے معمول کے کاموں میں مشکلات پیدا کرتے ہیں اور بعض دفعہ تو انسان عادی اور معمول کے کام سرے انجام دے نہیں پاتا، ایسے حالات میں شریعت نے طہارت اور عبادت میں تخفیف وسہولت کی گنجائش رکھی ہے، مثلا:

الف: اگر ہواؤں کے جھونکے سے پانی میں گرد وغبار اور بھونسے اور پتے وغیرہ گرجائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، بلکہ وضو اور غسل کے قابل رہے گا۔(کتاب الفقہ ۱/ ۳۴)

ب: سخت ٹھنڈے یا گرم پانی کے ساتھ وضو اور غسل سے چونکہ ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے اس لئے اگر کوئی اور پانی نہ ہو تو غسل جنابت اور وضو کے بجائے تیمم کرنے کی اجازت ہے،(حوالہ سابق، ص:۳۹)

ج: شدید سردی کے موسم میں وضو کرتے ہوئے مسح کیا جاسکتا ہے،(عالمگیری ۱/ ۳۲، کتاب الطہارت)

د: بارش کا پانی یا کیچڑ، جس میں نجاست کی آمیزش ہو، بارش کے دوران یا بارش کے بعد کسی راستہ میں موجود ہوں اور کسی کے کپڑوں میں لگ جائیں تو معفو عنہ ہے(کتاب الفقہ ۱/ ۱۷)

ھ: تیز بارش، ژالہ باری، سخت آندھی، سخت اندھیرا اور شدید کیچڑ وغیرہ کی صورت میں جمعہ وجماعت ترک کرنے کی گنجائش ہے۔(الاشباہ والنظائر:۴۳۹)

و: شرعی سزاؤں کے نفاذ میں بھی موسمی حالات کو سامنے رکھا جائے گا، مثلا سخت سردی یا سخت گرمی میں قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ ایسی صورت میں معمول سے زیادہ تکلیف ہوسکتی ہے۔(دیکھئے: ہدایہ ۲/ ۵۳۴، کتاب الحدود)

۱۳۔حاجت: حاجت سے مراد ایسی صورتحال ہے جس میں تنگی، مشقت اور تکلیف اس حد تک بڑھ جائے کہ ظن غالب ہو کہ ضرر واقع ہوگا، حاجت کی اسی اہمیت کے پیش نظر شریعت کے بیشتر مسائل میں اسے بنیاد بنایا گیا ہے، چنانچہ حاجت کے تقاضہ پر عمل ضروری ہوگا خواہ قیاس کے خلف عمل کرنا پڑے، مثلا اجارہ خلاف قیاس ہے لیکن لوگوں کو اس کی شدید حاجت رہتی ہے اس لئے اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔(الاشباہ والنظائرص:۱۱۵)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة(الاشباہ والنظائر ص: ۱۱۵)

ترجمہ: حاجت کو ضرورت کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے، خواہ حاجت عام ہو یا خاص۔

۱۴۔بھوک اور پیاس: بھوک اور پیاس بشری کمزوری ہے،شدید بھوک اور پیاس سے انسان کی جان بھی جاسکتی ہے،اسی لئے قرآن کریم میں شدید بھوک کی حالت میں حرام شئ کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی ہے،فرمایا گیا:

فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لإثم (مائدہ:۳)

ترجمہ:ہاں جوکوئی بھوک کی شدت سے بے قرار ہوجائے۔

۱۵۔عموم بلوی:اس کے معنی ہیں بلوی (مصیبت) کا عام ہونا،شریعت میں عموم بلوی سے مراد کسی بلا، یا مصیبت، یا شدید مشقت کا اس قدر عام ہوجانا کہ لوگوں کے لئے اس بچنا مشکل ہوجائے ،تو یہ ضرورت کا درجہ اختیار کرلیتی ہے، لہذا شریعت ایسی صورت میں تخفیف اور سہولت فراہم کرتی ہے۔(دیکھئے: اسلامی نظریہ ضرورت ص:۵۷،ڈاکٹر عبد الما لک)

۱۶۔خوف: شریعت اسلامیہ میں خوف کی مختلف حالتوں کو خطرے کی شدت کے لحاظ سے بہت اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ دشمن کے خوف سے نماز میں تخفیف کی جاسکتی ہے،قرآن کریم میں ہے:

ليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا (نساء:۱۰۱)

ترجمہ:تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر (کم) کرکے پڑھو،اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں مبتلا کردیں گے۔

نیز فرمایا:

فإن خفتم فرجالا أو ركبانا (بقرۃ:۲۳۹)

ترجمہ:اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھ لو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رعایت سفر تک بڑھا دی ، کیونکہ سفر میں بھی اسی عدم سکون اور اضطراب کی کیفیت کا سامنا رہتا ہے۔(دیکھئے: بخاری ۱/ ۴۳۲، ۴۳۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل بیان کیا گیا ہے:

كان يصلي في السفر على الراحلة أينما توجهت به ،يؤمي إيماء وذكر عبد الله أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم كان يفعله (بخاری، کتاب الصلاۃ ۱/۴۳۵)

ترجمہ: وہ سفر میں سواری پر نماز پڑھتے تھے جس طرف بھی سواری کا رخ ہوتا ،اشارہ سے نماز پڑھتے تھے، اور وہ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔

۱۷۔ضرر: ضرر کے معنی ہیں: تکلیف یا نقصان کے،خواہ اس کا تعلق انسانی جسم سے ہو یا حقوق سے،ضرر کا مفہوم بہت وسیع ہے، معمولی ذہنی صدمہ اور معمولی جسمانی تکلیف سے لیکر ہلاکت ،شدید جسمانی عارضہ، مالی نقصان اور حیثیت عرفی میں کمی تک، ہر قسم کے نقصان والم کو ضرر کہہ سکتے ہیں۔(اسلامی نظریہ ضرورت ،ص:۴۹)

حدیث شریف میں ہے:

لاضرر ولاضرار (ابن ماجہ، ابواب الاحکام ۲/۶۹)

ترجمہ: (اسلام میں) نہ ضرر اٹھانا ہے اور نہ ضرر پہونچانا ہے۔

اسی کلیہ کو بنیاد بنا کر فقہاء نے بہت سے مسائل کی بنیاد رکھی ہے۔ (دیکھئے: الاشباہ والنظائر للسیوطی ص: ۸۴، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص: ۱۱۲)

تیسیر کا دائرہ:

اب ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیسیر کا دائرہ کیا ہے؟ ابن جریر طبری نے حدیث ''یسروا ولا تعسروا'' کے ضمن میں لکھا ہے: کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نفلی کاموں میں آسانی پیدا کرو، اور تنگی نہ کرو، یعنی وہ کام ہرگز مراد نہیں ہیں کہ جو اللہ تعالی کی جانب سے فرض ولازم ہیں، نیز اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ان فرض کاموں میں بھی آسانی پیدا کرو جن کے بجالانے میں اللہ تعالی نے تخفیف کا حکم دیا ہے مثلا کھڑے ہونے سے عاجز ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھ لینا، یا حالت مرض میں روزہ نہ رکھنا، اس جیسی دیگر رخصتوں پر مشتمل فرائض وواجبات کہ جن میں اللہ نے اپنے بندوں کو رخصت اور آسانی مہیا کی ہے، اسی طرح اس کی مراد میں یہ بھی شامل ہے کہ نفلی کاموں میں آسانی اور انھیں اس طریقے سے بجالانے کا حکم دیا جائے جو مشقت اور دل اچاٹ کرنے والا نہ ہو، تاکہ انسان بخوشی اسے کرتا رہے۔ (دیکھئے: شرح صحیح البخاری لابن بطال ۹/ ۳۰۲، ط: مکتبۃ الرشید، ریاض)

تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابۂ کرام کے طریقہ کار سے رہنمائی:

یسر وتیسیر مقاصد شریعت میں سے ایک عظیم مقصد ہے، اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے، شرائع، احکام، معاملات، بیوع، دعوت وتعلیم ہر شعبہ میں اسلام نے یسر وتیسیر کے پہلو کا عموما خیال رکھا ہے، قرآن کریم کی تقریبا پچاس آیات اس سے متعلق ہیں، سینکڑوں احادیث ہیں، جن میں سے کچھ یہاں نقل کرتا ہوں:

حدیث میں ہے: هلك المتنطعون، قالها ثلاثا (مسلم رقم: ۷۰۳۹) ترجمہ: (بے جا) تکلف اور تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے، تین بار آپ ﷺ نے یہی جملہ فرمایا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے:

إياكم والغلو في الدين، فإنما هلك من كان قبلكم بالغلو في الدين (جامع صغیر رقم: ۲۶۸۰)

ترجمہ: دین میں غلو سے بچو، اس لئے کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ دین میں غلو کی وجہ سے ہی تباہ ہوئے۔

آپ ﷺ نے اس شخص پر نکیر فرمائی جو یہود ونصاری کے راہبوں کی تقلید میں، عبادت میں غلو کی طرف مائل ہوا، جیسے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے اور کئی صحابہؓ نے قسم کھائی تھی کہ میں رات بھر نوافل پڑھوں گا، سوؤں گا

نہیں، کسی نے یہ طے کیا کہ میں پوری زندگی شادی نہیں کروں گا، عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا، کسی نے یہ کہا تھا کہ میں پوری زندگی روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا، (دیکھئے: بخاری رقم: ۵۰۶۳)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب تبتل کا ارداہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت نکیر فرمائی، (بخاری رقم: ۵۰۶۳)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عشاء کی نماز لمبی پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ کر نکیر فرمائی: أفتان أنت یا معاذ؟ ثلاثا (بخاری رقم: ۷۰۱) نیز حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں جب معلوم ہوا کہ انھوں نے لوگوں کو لمبی نماز پڑھائی تو سخت غصہ ہوئے فرمایا: إن منکم منفرین، من أم منکم فلیتجوز (بخاری رقم: ۷۰۴) تم میں بعض لوگ نفرت پیدا کرتے ہیں، لہذا تم میں سے جو نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض ان صحابہ پر نکیر فرمائی جنھوں نے ایک شخص کو۔ جنہیں جنابت لاحق ہوگئی تھی ۔ یہ فتوی دیا کہ غسل ہی کرنا پڑے گا، تمہارے لئے تیمم کی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے غسل کیا اوران کی موت ہوگئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو فرمایا:

قتلوہ ،قتلهم الله ،هلا سألوا إذا لم يعلموا ،إنما شفاء العي السوال ، إنما كان يكفيه أن يتيمم
(ابوداود، رقم: ۳۳۶)

ترجمہ: انھوں نے اسے مارڈالا، اللہ انہیں قتل کرے، اگر انہیں مسئلہ معلوم نہیں تھا تو پوچھا کیوں نہیں، گونگے پن کا علاج سوال کرنا ہے، اس کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے لئے چنا تھا وہ حضرات بھی تیسر پر عمل پیرا تھے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

إياكم والتنطع،إياكم والتعمق،وعليكم بالعتيق يعني:ما كان عليه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وأصحابه۔
(جامع العلوم والحکم ص: ۱۷۱، ۲۷۰)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم تنطع (بے موقع ومحل اور بے جا تشدد اختیار کرنے) اور تعمق (کلام میں غلو کرنے) سے بچو، تم پر پرانے کو اختیار کرنا لازم ہے، یعنی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ تھے۔

ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں: کہ ہم حدیث سے بیان کی ابو اسامہ بن مسعر رضی اللہ عنہ نے، وہ فرماتے ہیں: کہ معن بن عبد الرحمان نے میرے پاس ایک خط بھیجا اور اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ یہ میرے والد کی تحریر ہے، تو میں نے دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا:

قال عبد الله -يعني ابن مسعود - والله الذي لا إله غيره ما رأيت أحدا أشد على المتنطعين من رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ولا رأيت بعده أحدا أشد خوفا عليهم من أبي بكر،وإني لا أظن عمر رضي الله عنه كان أشد أهل

الأرض خوفا علیھم (اغاثۃ اللھفان ۱/۱۵۸)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ۔ابن مسعودؓ ۔فرماتے ہیں: قسم اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے متنطعین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ سخت کسی کو نہیں دیکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان پر ابوبکر سے زیادہ خوف کھانے والا کسی کو نہیں دیکھا، اور میرا گمان ہے کہ روئے زمین والوں سے عمرؓ ان پر سب سے زیادہ خوف کھانے والے تھے۔

موطا امام مالکؒ اور مشکوۃ شریف میں یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک قافلہ میں نکلے، اس میں حضرت عمرو بن العاص بھی تھے، یہاں تک کہ چلتے چلتے ایک حوض کے پاس پہونچے تو حضرت عمرو بن العاصؓ پوچھا:

یاصاحب الحوض ھل ترد حوضک السباع؟ فقال عمر رضی اللہ عنہ :لا تخبرنا ،فإنا نرد علی السباع وترد علینا (موطا مالک ۱/۶۶، مشکوۃ ۱/)

ترجمہ: اے حوض کے مالک! کیا تمہارے حوض پر درندے آتے ہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: مت بتانا۔ کیونکہ ہم درندوں کے پاس جاتے ہیں وہ ہمارے پاس آتے ہیں۔

مقصد یہ تھا کہ بلا وجہ تحقیق کر کے شدت اور تکلیف میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے، تیسیر پر عمل کرو اور وضو کر کے نماز پڑھ لو۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک اور واقعہ پیش آیا کہ وہ ایک مرتبہ کسی ساتھی کے ساتھ جا رہے تھے، کہ ان پر پرنالے میں سے کچھ پانی گرا، تو ان کے ساتھی نے کہا اے پرنالہ کے مالک! تمہارے پرنالے کا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ حضرت عمرؓ نے کہا: مت بتانا، اور چلے گئے (اغاثۃ اللھفان ۱/ ۱۵۴)

یہ ہیں حضرات صحابہ کرامؓ اور یہ ہے ان کا منہج اور طریقہ کار، دلوں میں صلاح وتقوی، علم میں رسوخ، تکلف وتصنع سے دوری اور تنطع اور تشدد کے خلاف، وہ درست راہ اور صراط مستقیم پر تھے۔

تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وضوابط کی وضاحت:

تیسیر سے متعلق تین اہم قواعد ۔جن کا تعلق مقاصدی قواعد سے بھی ہے۔ جو سوال نمبر چھ کے تحت آ رہے ہیں، دیگر بنیادی قواعد یہ ہیں:

۱-ذا ضاق الأمر اتسع وإذا اتسع ضاق: (شرح مجلۃ الاحکام، م:۱۸، الاشباہ والنظائر للسیوطی: ۸۳، ابن نجیم: ۸۴)

ترجمہ: معاملہ جب تنگ ہو جاتا ہے تو اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور جب وسعت ہو جاتی ہے تو تنگ بھی ہو جاتا ہے۔

یعنی اگر کسی کام یا حکم میں مشقت اور تنگی ہو تو اس کو ختم کرنے کے لئے رخصت پیدا کی جائے گی اور محظورات کا استعمال بھی جائز ہوگا، مثلاً اگر کوئی شخص تنگی میں مبتلا ہو گیا تو حسب منشاء شریعت یسر و تیسیر اختیار کرنا اس کے لئے جائز ہوگا، پھر جب وہ تنگی اور دشواری ختم ہو جائے تو حکم اصل کی طرف لوٹ آئے گا، یعنی جیسا اللہ نے واجب کیا تھا اسی طرح ادائیگی ضروری ہوگی۔

۲-المشقة تجلب التيسير:

(مشقت آسانی لاتی ہے)

یہ قاعدہ ''امہات القواعد'' میں سے، فقہ کے بہت سارے مسائل اس پر متفرع ہوتے ہیں، اور اس میں شریعت کی خاص حکمت اور مقصد بھی پنہاں ہے، وہ یہ کہ شریعت میں حرج اور مشقت مطلوب نہیں ہے بلکہ لوگوں کی سہولت اور آسانی مطلوب ہے، خواہ اس آسانی کا تعلق معاملات سے ہو یا عبادات سے، یا کسی اور شعبہ حیات سے، لہذا جہاں بھی کسی حکم کو نافذ کرنے میں لوگوں کو تنگی لاحق ہو، یا ناقابل برداشت تکلیف ومشقت کا سامنا کرنا پڑے، چاہے اس مشقت کا تعلق جان سے ہو یا مال سے، وہاں حکم میں تخفیف اور آسانی پیدا کی جائے گی، اور لوگوں کو رخصت دیکر اس پریشانی اور مشقت سے چھٹکارا دلایا جائے گا، کیونکہ شریعت کے مقاصد میں سے ایک ''تحفظ جان ومال'' بھی ہے جو اس قاعدہ کے لاگو کرنے سے حاصل ہوگا، بشرطیکہ وہ رخصت وتخفیف کسی نص یا شریعت کے کسی اصول کے خلاف نہ ہو، اس قاعدہ میں یہی بات مذکور ہے کہ ''مشقت آسانی لانے کا ایک سبب ہے'' لیکن یاد رہے کہ نہ مشقت سے ہر قسم کی مشقت مراد ہے اور نہ ہی تیسیر سے ہر قسم کی تیسیر وآسانی مراد ہے بلکہ ہر ایک کی کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں۔

مشقت کی تعریف: اس کے لغوی معنی ہیں، مصیبت، دشواری اور کلفت و پریشانی کے، اور اصطلاح میں ناقابل برداشت تکلیف اور دشواری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اقسام: علماء نے اس کی اصلا دو قسمیں کی ہیں:

الف: مشقت معتادہ: اس سے مراد وہ طبعی مشقت ہے جس سے کوئی بھی عبادت وطاعت کسی بھی حال میں خالی نہیں ہوتی ہے، اور انسان بغیر کسی ضرر وتکلیف کے اس کا تحمل کرسکتا ہے، اس قسم کی مشقت شریعت نے لوگوں سے نہیں اٹھایا ہے، کیونکہ شرعی احکام میں اتنی مشقت تو پائی ہی جاتی ہے، مثلاً سردی میں وضو اور غسل کی مشقت، فجر کی نماز کے لئے اٹھنے کی مشقت، بڑے دنوں میں روزہ رکھنے کی مشقت، روزے میں معمولی سر درد کی مشقت، زکوۃ ادا کرنے میں مال کی محبت وغیرہ، یہ مشقت معتاد ہے اس کی وجہ سے کوئی سہولت یا تخفیف نہیں ہوگی۔

ب: مشقت غیر معتاد: اس کی کئی اقسام ہیں:

الف: مشقت عظیمہ: بڑی اور ناقابل تحمل تکلیف، جس میں جان یا اعضاء کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو یہ

تخفیف اور سہولت کا سبب بنے گی، جیسے شدید بھوک کہ اگر کھانا نہیں کھایا تو مر جائے گا، اور اس کے پاس مردار کھانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تو مردار کھا کر جان بچانا واجب ہوگا، اگر نہیں بچایا تو گنہگار ہوگا، نیز لقمہ گلے میں پھنس گیا اور شراب کے علاوہ کوئی چیز نہیں جس سے لقمہ اندر اتار سکے، تو شراب پی کر لقمہ اتارنا واجب ہے، اگر نہیں کیا اور مر گیا تو گنہگار رہوگا۔

ب: مشقت خفیفہ: ادنی اور معمولی مشقت جیسے انگلی یا سر درد وغیرہ، اس سے کوئی رخصت اور سہولت نہیں ملتی ہے۔

ج: مشقت متوسطہ: وہ مشقتیں جو برداشت کی جاسکتی ہیں، لیکن نوع اول کی مشقت سے بڑی ہیں، البتہ اس کی وجہ سے اکثر ضرر و تکلیف پہونچنے کا اندیشہ رہتا ہو، جیسے بخار وغیرہ۔

بہر حال مشقت کی وجہ سے ملنے والی سہولت کی چار شرائط ہیں: (۱) وہ سہولت شریعت کی کسی اصول کے خلاف نہ ہو، (۲) مشقت عام عادت اور تحمل سے بڑھ کر ہو، (۳) مشقت ایسی نہ ہو جو اپنی اصل وضع میں عبادات میں پائی جاتی ہو، جیسے سردی میں وضو اور غسل، (۴) مشقت ایسی ہو کہ تکلیفات شرعیہ اس سے خالی ہو، جیسے جہاد، حدود، باغیوں کے قتل کی مشقت۔

۳-الضرورات تبیح المحظورات

(ضرورتیں اور مجبوریاں، ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں)

ضرورت کے معنی شدید حاجت کے ہیں، اور محظور کے معنی ہیں، منہی عنہ فعل، اب قاعدہ کے معنی ہوئے: وہ چیز جو شرعاً ممنوع ہے ضرورت کے وقت مباح ہو جاتی ہے یعنی اضطراری حالت میں انسانی جان بچانے کے لئے بہت سے وہ کام اور چیزیں حلال کر دی گئی ہیں جو عام حالات میں ممنوع اور حرام ہیں مثلاً بھوک سے مرنے کا اندیشہ ہو تو بقدر ضرورت مردار یا خنزیر اور شراب کے استعمال کی گنجائش ہے، یا کسی شخص کو کلمہ کفر کے لئے مجبور کیا گیا، کہ اگر وہ کلمہ کفر نہیں بولے گا تو قتل کیا جانا یقینی ہے تو زبان سے کلمہ کفر بولنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ دل ایمان پر جما ہوا ہو۔

لیکن یاد رہے ضرورت کے معتبر ہونے کے لئے کئی شرائط ہیں: (۱) جان یا عضو کے تلف یا ضائع ہونے کا خوف واندیشہ ہو، (۲) ضرورت فی الحال پائی جائے، (۳) کوئی جائز وسیلہ نہ ہو، (۴) فائدہ یقینی ہو، (۵) حرام کا ارتکاب بقدر ضرورت ہی کیا جائے، (۶) کسی بڑے ضرر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، مثلاً اپنی جان بچانے کے لئے کسی اور کو نہ قتل کرنا پڑے، (۷) گنجائش ضرورت کے وقت تک ہی رہے گی۔

۴-الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة۔

(حاجت خواہ عام ہو یا خاص ضرورت کی جگہ لے لیتی ہے)

حاجت اور ضرورت کی تحقیق اوپر کے قاعدہ میں آچکی ہے، کہ ضرورت کا درجہ حاجت سے بڑھا ہوا ہے،

ضرورت اس مجبوری کو کہتے ہیں جس میں انسان کے کسی عضو یا نفس کی ہلاکت لازم آئے، جبکہ حاجت محض تنگی و تکلیف کے لاحق ہونے کا نام ہے، خیر! اس قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ احکام کی تبدیلی اور سہولت اور آسانی کا پیدا ہونا صرف ضرورت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کی تاثیر میں حاجت بھی ضرورت کا درجہ لے لیتی ہے اور احکام کی سہولت وتبدیلی میں حاجت کا بھی دخل ہوتا ہے، خواہ اس حاجت کا تعلق تمام لوگوں سے ہو یا کسی خاص جماعت سے۔

لیکن اس قاعدہ کے ظاہری الفاظ جتنے عام ہیں، اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حاجت بھی ضرورت کی طرح ایک سببِ سہولت ہے، اور جو چیز ضرورت سے مباح ہوتی ہے وہی حاجت سے بھی مباح ہو جاتی ہے لیکن یہ نتیجہ اس طرح کلی طور پر صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کی کچھ شرائط اور قیودات ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) الضرر يزال (۲) رفع الضرر واجب

اس قاعدہ کا حکم یا مقصد یہ ہے کہ اگر ضرر کا وقوع ہو گیا تو اسے باقی و برقرار نہیں رکھا جائے گا بلکہ فوراً اس کا ازالہ کیا جائے گا اور یہ ازالہ واجب ہے، کیونکہ کسی کو ضرر پہونچانا ظلم ہے اور ظلم کو باقی رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس کے لئے درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) ضرر متحقق ہو، (۲) ضرر فاحش ہو، (۳) ضرر ناحق ہو، (۴) مصلحت مشروعہ میں خلل واقع ہو، (۵) مصلحت مستحقہ میں خلل واقع ہو، (۶) ضرر مثلی یا ضرر اعظم کا ارتکاب نہ ہو۔

خیال رہے کہ ''**المشقة تجلب التيسير**'' میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے، اسی لئے علامہ ابن نجیمؒ نے اس قاعدہ کو اُسی میں داخل فرما دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

هذه القاعدة مع التي قبلها متحدة أو متداخلة، (الاشباه والنظائر لابن نجيم ص: ۸۵)

ترجمہ: یہ قاعدہ اور اس سے پہلے والا قاعدہ (المشقة تجلب التيسير) ایک ہی ہے یا اس میں داخل ہے۔

مثال: اگر کسی انسان کا پرنالہ عام راستہ میں گرتا ہو، بایں طور کہ گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اس کو ہٹایا جائے گا، نیز راستہ میں گھر بنا لیا تو ہٹایا جائے گا، اسی طرح اگر زرعی زمین میں اجارہ کی مدت کھیتی کٹنے سے پہلے ختم ہو گئی تو بھی زمین مستاجر کے پاس اجرت مثل کے عوض باقی رہے گی، کیونکہ کھیتی کٹنے سے پہلے مستاجر کو نقصان سے بچانا ہے۔

تیسیر اور رخصت میں فرق:

رخصت کی تعریف یہ کی گئی ہے:

ماشرع لعذر شاق استثناء من أصل كلي يقتضي المنع مع الاقتصار على مواضع الحاجة فيه، (دیکھئے: فقه التيسير في الشريعة الاسلامية، تاصيلا وتطبيقا، ص: ۲۶۴)

ترجمہ: جو کسی ایسے عذر کے لئے مشروع کیا گیا ہو جو کسی اصل کلی سے مستثنیٰ ہو، اور حاجت کی جگہ میں اکتفاء کرنے کے ساتھ منع کا تقاضہ کرتا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ رخصت وہ حکم شرعی ہے جس کا مکلف سے رفع حرج کے لئے وجود ہوا ہے اور وہ حکم عام حکم اصلی سے مستثنیٰ ہے، نیز یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر وہ عذر جس نے رخصت پر مجبور کیا ہے، زائل ہو جائے تو عارضی حکم بھی ختم ہو جائے گا اور حکم اصلی لوٹ آئے گا۔ (دیکھئے: رفع الحرج فی الشریعۃ، فلسفتہ وضوابطہ)

رخصت تیسیر کے معالم میں سے ایک نشان، نقوش اور علامت ہے، نیز قاعدہ تیسیر میں سے ایک واضح نظام ہے، وہ عارضی احوال اور طاری حالات کے ساتھ خاص ہے، جب کہ تیسیر میں ایسا نہیں ہے، اس میں ابتداء سے ہی انسان کی اعتیادی اور اختیاری قدرت کی رعایت رکھی گئی ہے، لہذا حالت اضطرار اور حاجت کے وقت رخصت کے تقاضہ پر عمل کرنا ایسا ہے جیسے اختیار کی حالت میں عزیمت پر عمل کرنا۔

شرعی رخصتوں میں بلکہ تمام تکالیف شرعیہ میں غور کرنے سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ شریعت میں تیسیر سے مراد زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ حکم ایسا ہو کہ بغیر حرج اور مشقت کے اس کی تعمیل ہو سکے، اس لئے کہ مکلف کو نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ میں سے جن چیزوں کا مکلف بنایا گیا ہے وہ اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہے، اور رخصت کا تعلق اصل کی تعمیل پر عدم قدرت سے نہیں ہے مثلاً سفر میں نمازوں میں قصر، روزہ نہ رکھنے کی اباحت، مسح علی الخفین وغیرہ، ان دونوں کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے، جیسا کہ مثالوں سے واضح ہے۔

جلب مصالح، درء مفاسد اور رفع حرج کی وضاحت:

ا۔ جلب مصالح: جلب کے معنی کھینچ لانے اور کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے آتے ہیں، اور مصالح، مصلحۃ کی جمع ہے، اس کے معنی لغت میں منفعت کے آتے ہیں، غالباً اسی لئے بعض کتب میں مصالح کی جگہ منافع کا لفظ مذکور ہے، علماء نے اس لفظ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا اطلاق کبھی منفعت ولذت پر ہوتا ہے اور کبھی ایسے اسباب پر جو منفعت ولذت تک پہونچانے والے ہوں۔ (دیکھئے: قواعد الاحکام فی مصالح الانام ۱/ ۱۲)

معاصر علماء میں ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے مصلحت کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

المنفعة التي قصدها الشارع الحكيم لعباده، من حفظ دينهم ونفوسهم وعقولهم ونسلهم وأموالهم طبق ترتيب معين فيما بينها، (ضوابط المصلحۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص: ۲۳)

ترجمہ: (مصلحت سے مراد) ایسی منفعت ہے جو لوگوں کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت سے متعلق ہو، اور جس کو شارع نے اپنے بندوں کے لئے ایک متعین ترتیب کے مطابق مشروع کیا ہو۔

یہ لفظ جب اکیلا استعمال ہو تو اس میں دو معانی جمع ہو جاتے ہیں، ایک ایجابی: یعنی منفعت کو کھینچ کر لانا،

دوسرے سلبی: یعنی مضرت کو دور کرنا،لیکن جب اس لفظ کے ساتھ ''درء مفسدہ'' بھی ملحق ہو جائے تو صرف ایجابی معنی ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲۔درء مفاسد: درء کے لغوی معنی ہیں زور سے دھکا دینا، دور کرنا، ہٹانا، حدیث شریف میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:

ادرؤاالحدود عن المسلمین ما استطعتم (مشکوۃ، رقم: ۳۵۷۰)

ترجمہ: جتنا ہو سکے مسلمانوں سے حدود کردور کرنے کی کوشش کرو۔

مفاسد یہ مفسدۃ کی جمع ہے، اس کے معنی خرابی، بگاڑ، ضرر اور نقصان پہونچانے کے آتے ہیں، اہل علم کے یہاں یہ لفظ اصطلاح میں دو معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے:

الف: ضرر، شر، برائی اور منکر۔

ب: ایسے اسباب وذرائع جو ضرر تک پہونچانے والے ہوں۔(قواعد الاحکام فی مصالح الانام ۱ / ۱۲)

قاعدہ کا مفہوم:

لوگوں سے مفاسد اور مضرتوں کا دور ہونا اور مصالح ومنافع کا حصول شریعت کے اہم مقاصد میں سے ہے، لیکن جہاں کہیں مصلحت اور مفسدہ میں تعارض ہو جائے، یعنی اگر مصلحت کو حاصل کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے مفسدہ وضرر لازم آتا ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص اپنے نفع اور مصلحت کے لئے کوئی عمل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں کسی اور کو ضرر لاحق ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مصلحت کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، تاکہ ضرر واقع نہ ہو، گویا کہ ضرر ومفسدہ سے بچنے کو حصول منفعت پر ترجیح دی جائے گی۔

مثال: جوا اور شراب کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، حالانکہ ان میں کچھ منافع ہیں، لیکن اس کی وجہ سے کئی مفاسد لازم آتے ہیں مثلاً عقل کھو جاتی ہے، نشہ میں گناہ سرزد ہوتے ہیں، لہذا مفاسد کو دور کرنے کے لئے منافع کے حصول سے بھی منع کر دیا گیا، اسی طرح کفار کے جھوٹے معبودوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ اس کے کچھ مصالح بھی ہیں لیکن اس کی وجہ سے یہ مفسدہ لازم آتا ہے کہ وہ پلٹ کر اللہ کو گالی دیں گے، برا بھلا بولیں گے، چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

یقول تعالی ناهیا لرسولہ ﷺ والمؤمنین عن سبّ آلهة المشرکین، وإن کان فیه مصلحة، إلا أنه یترتب علیه مفسدة أعظم منها، وهي مقابلة المشرکین بسبّ إله المؤمنین، وهو الله لا إله إلا هو،، (تفسیر ابن کثیر ۳/۳۱۴)

ترجمہ: اللہ تعالی اپنے رسول ﷺ اور مؤمنین کو مشرکین کے معبودوں کو گالی دینے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اگرچہ اس میں (برا بھلا کہنے میں) کچھ مصلحت اور فائدہ بھی ہے، لیکن اس پر اس سے زیادہ

مفاسد مرتب ہوتے ہیں، اور وہ یہ کہ مشرکین مقابلہ میں مؤمنین کے معبود (اللہ تعالی) کو برا بھلا کہیں گے، حالانکہ وہ وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

رفع حرج:

حرج کے معنی ہیں ہر ایسی چیز جو مشقت کا سبب بنتا ہو، جس کو ادا کرنے پر مکلف قادر نہ ہو، اس کو انجام ہی نہ دے سکتا ہو، یا دے تو سکتا ہو لیکن خود کو اتنی شدید مشقت اور تکلیف میں ڈال کر، کہ کبھی کبھار بعض مصالح مشروعہ فوت ہو جاتے ہوں، یا بعض مضرت رساں مفاسد پیدا ہو جاتے ہوں۔

لہذا رفع حرج کے معنی ہوں گے مشقت کی ان دونوں قسموں کو ختم کرنا، اور مکلف کو ایسے اوامر اور تکالیف کا حکم دینا جس پر وہ قادر ہو، جسے وہ انجام دے سکتا ہو، نیز اس سے دین و دنیا کے منافع بھی حاصل ہوتے ہوں۔

رفع حرج کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ تکالیف شرعیہ ترک کر دی جائیں یا ان میں تہاون، غفلت اور سستی برتی جائے، مثلاً کسی واجب کو ترک کر دیا جائے یا اس کے اوقات و کیفیات میں تبدیلی کر دی جائے، محض خواہش نفسانی، کی وجہ سے، یا زندگی اور حالات کے دباؤ میں آ کر، یا لوگوں کی دلچسپی و عدم دلچسپی دیکھ کر، یا ان کی رضامندی پانے، یا ان کی توجہ حاصل کرنے وغیرہ کے لئے، اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اوامر اللہ کو اسی حد اوسط پر رکھ عمل کیا جائے جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے، اس میں کوئی افراط و تفریط نہ ہو۔

تیسیر کے پیش نظر دوسرے مسالک سے استفادہ کا حکم:

ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہوتے ہوئے کسی خاص مسئلہ میں کسی دوسرے امام کے مسلک پر عمل کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، چنانچہ حکیم الامت مولا اشرف علی تھانویؒ "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" میں لکھتے ہیں:

مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بنا پر ہو، اتباع ہوی کے لئے نہ ہو، (عمل واحد میں) تلفیق خارق اجماع نہ ہو (الحیلۃ الناجزۃ ص: ۴۳، ۴۴)

اسی طرح علامہ یوسف بنوریؒ اپنے ایک مضمون میں کسی دوسرے امام کے مسلک پر فتوی دینے اور اس پر عمل کرنے کے شرائط ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البتہ تلفیق سے احتراز کرنا ضروری ہے اور تتبع رخص کو مقصد نہ بنایا جائے،، (فتاوی بینات، مقدمہ، عنوان: جدید فقہی مسائل اور چند رہنما اصول ۱/۲۸ ط: مکتبہ بینات)

نیز حضرت مولانا و مفتی رشید احمد گنگوہیؒ نے "فتاوی رشیدیہ" میں اسی طرح کے ایک سوال کا جواب یہ دیا ہے:

مذہب سب حق ہیں، مذہب شافعی پر عند الضرورۃ عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں، مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجت شرعیہ سے ہووے، کچھ حرج نہیں (فتاوی رشیدیہ، ص: ۹۳، عنوان: عند الضرورۃ مذہب شافعی پر عمل کرنا)

مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ لکھتے ہیں:

جہاں مسلمانوں کی کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو(بالفاظ دیگر عموم بلوی ہو) تو ایسے موقع پر کسی خاص مسئلہ میں کسی دوسرے امام کے قوم پر عمل کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے، بشرطیکہ متبحر علماء اس کا فیصلہ کریں، انفرادی رائے کا کوئی اعتبار نہیں، انفرادی ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی (فتاوی رحیمیہ ۸/ ۲۱۱، ط: دارالاشاعت)

شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

وبه علم أن المضطر له العمل لنفسه كما قلنا، وأن المفتي له الإفتاء به للمضطر، فما مر من أنه ليس له العمل بالضعيف ولا الافتاء به محمول على غير موضع الضرورة، كما علمته من مجموع ما قررنا، والله أعلم، قال في خزانة الروايات: العالم الذي يعرف معنى النصوص والأخبار وهو من أهل الدراية يجوز له ان يعمل عليها وإن كان مخالفا لمذهبهانتهى۔(شرح عقود رسم المفتى، ص: ٨٩، ط: البشرى)

ترجمہ: اوراس سے یہ معلوم ہوا کہ مضطر کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنے لئے عمل کرلے جیسا کہ ہم کہا، اور یہ جو پیچھے گذرا کہ ضعیف پر عمل کرنا اور فتوی دینا جائز نہیں ہے تو یہ ضرورت کے علاوہ جگہوں پر محمول کیا جائے گا، جیسا کہ آپ میرے ثابت کردہ بیان سے جان چکے ہیں، اللہ اعلم، اور ’خزانۃ الروایات‘‘ میں ہے فرماتے ہیں: وہ عالم جو نصوص واخبار کے معنی جانتا ہو، نیز وہ اہل درایت میں سے ہوتو اس کے لئے اس پر عمل کرنا جائز ہے اگرچہ اس کے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ جب ضرورت شدیدہ ہو اور اپنے مسلک پر عمل کرنے میں حرج اور مشقت لازم آتی ہو،تو کسی دوسرے مسلک سے استفادہ وعمل کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ مذکورہ شرائط (خواہش نسانی، تتبع رخص اور تلفیق وغیرہ نہ ہو) لیکن یہ خیال رہے کہ ان شرائط کے تحقق کا فیصلہ کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے، اس لئے خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے ماہر اور متبحر عالم ومفتی کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کرکے ان سے فیصلہ کرائے۔

کیا ہندی مسلمانوں کے لئے، جو کہ اقلیت میں ہیں، احکام عبادت میں اصول تیسیر کو جگہ دی جاسکتی ہے؟

عبادات میں تیسیر اسلامی شریعت کی روح ہے، اسلام ہر زمان ومکان اور تمام انسانوں کے لئے دین رحمت بن کرآیا ہے، اسی لئے یہ نظام شمولیت، وسعت اور جامعیت جیسے اوصاف سے متصف ہے، نیز تیسیر اور رفع حرج انسانی رعایت کے تعلق سے اہم بنیاد ہے جس نے انسان کو ایسا بنادیا ہے کہ وہ عبادات میں جمود کو اختیار نہ کرے خصوصا بعض ان احوال میں جو اس کو پیش آتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت اور شرعی احکام میں ہمیشہ تخفیف اور تیسیر کے پہلو کو اختیار فرماتے تھے، خاص طور سے بوڑھوں اور معذوروں کے لئے، چنانچہ فرائض میں بڑے بوڑھے کو زورہ نہ رکھنے کی اجازت دی، جبکہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اور قیام دشوار ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی، اور بیٹھنا دشوار ہو تو لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے بوڑھے کو جو حج پر نہیں جاسکتا ہے، اجازت دی کہ وہ کسی کو حج پر بھیج دے، بلکہ حج کے بارے میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول مشہور ہے: ''**إفعل ولا حرج**'' نیز عبداللہ بن عمروؓ سے یہاں تک روایت ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**إفعل ولا حرج**'' (بخاری رقم: ۸۳، مسلم رقم: ۱۳۰۶)

بخاری میں ایک دوسری روایت ہے: حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إني لأقوم إلى الصلاة، وأنا أريد أن اطول فيها، فاسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي، كراهية أن أشق على أمه۔ (بخاری رقم: ۷۰۷، ابوداود رقم: ۷۸۹)

ترجمہ: میں نماز میں (نماز پڑھانے کے لئے) کھڑا ہوتا ہوں، اور میں چاہتا ہوں کہ نماز لمبی کروں، لیکن میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں، اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کی ماں کو مشقت و پریشانی میں نہ ڈال دوں۔

تیسیر فی العبادات کی چند مثالیں:

۱۔ طہارت میں یسر:

طہارت میں یسر کئی پہلوؤں سے ہے، مثلاً اس کی تشریع، کیفیت، اور اس کے مفقود ہونے یا اس سے عاجز ہونے کی صورت میں اس کے بدل کا مشروع کیا جانا وغیرہ۔

الف: پانی میں اصل طہارت ہے الا یہ کہ اس کے خلاف ثابت ہو جائے، دلیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

إن الماء طهور لا ينجسه شئى (ترمذی رقم: ۶۶)

ترجمہ: بے شک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔

ب: پانی کی عدم موجودگی میں یا استعمال پر عدم قدرت کی صورت میں تیمم کو مشروع کیا گیا، ارشاد باری ہے:

فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا۔ (نساء: ۴۳)

ترجمہ: اگر تم کو پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔

ج: جس شخص کو سلسل البول، یا خروج ریح کی بیماری ہو تو ایک بار وضو کر کے نماز میں کھڑا ہو جائے، نماز میں جو ہوا ب وہ سب معاف ہے (دیکھئے: من مظاہر یسر الشریعۃ)

۲۔نماز میں یسر:

الف: نماز ایک مخصوص ہیئت وطریقہ سے مشروع کی گئی ہے،جس کی ادائیگی سے کوئی قاصرنہیں ہے، یہ ہر شخص کے لئے آسان ہے۔

ب: تعداد میں تخفیف،اول مرحلہ میں پچاس نمازفرض کی گئی تھی بعد میں تخفیف کر کے پانچ باقی رکھی گئیں۔

ج: سفر میں قصراورجمع بین الصلاتین کی اجازت دی گئی،نماز میں کمیوں کے انجبار کے لئے سجدۂ سہومشروع کیا گیا۔

۳۔روزے میں یسر:

الف:اس کےاوقات اورایام متعین کئے گئے،دن کی تحدید کی گئی،باقی اوقات میں کھانے پینے کی اجازت دی گئی۔

ب: مریض،مسافر،وغیرہ کورخصت دی گئی،فرمایا گیا:

فمن کان منکم مریضا أو علی سفر فعدة من أیام أخر (بقرہ: ۱۸۴)

پھرتم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہواس پر دوسرے دنوں کا شمار رکھنا لازم ہے۔

ج: قضاء میں بھی تیسیر رکھی گئی: ایک یہ ہے کہ فورا بعد قضاء ضروری نہیں، دوسرے ترتیب وار ضروری نہیں، آئندہ رمضان آنے تک کبھی بھی قضاء کرلے۔

۴۔زکوۃ میں یسر:

الف: زکوۃ کا وجوب سال میں ایک مرتبہ رکھا گیا۔

ب: مال کی ایک بڑی مقدار پر، وہ بھی بہت معمولی تناسب میں، حالانکہ زکوۃ ادا کرنے والا اس سے کئی گنا زیادہ کامالک ہے۔

ج: جانوروں میں سائمہ اورغیر سائمہ میں فرق، نیز پھلوں اور کھیتیوں میں سقایہ اورغیر سقایہ میں فرق رکھا گیا۔

۵۔حج میں یسر:

الف: مکلف پر پوری عمر میں ایک بار فرض کیا گیا، حدیث میں ہے:

أیها الناس قد فرض الله علیکم الحج، فحُجّوا، فقال رجل: أکل عام یا رسول الله؟ فسکت حتی قالها ثلاثا، فقال: لو قلت نعم لوجبت (مسلم رقم: ۱۳۳۷)

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا اور اس میں) فرمایا: اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہذا تم حج کرو، تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا: کیا ہر سال؟ اے اللہ کے رسول! تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار کیا، یہاں تک کہ انہوں نے تین بار یہی سوال دہرایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دوں تو واجب ہوجائے گا، (اور اگر واجب ہوگیا تو تم استطاعت نہیں رکھ سکوگے)

ب: مکلف پر وجوب کے لئے جسم اور مال میں استطاعت کی شرط رکھی گئی، تیسیر اور رفع حرج کے لئے، فرمایا گیا:

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیہ سبیلا (آل عمران:۹۷)

ترجمہ: اور لوگوں پر اللہ کے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے، جو وہاں تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو۔

ج: کمی کوتاہی یا کسی محظور کے ارتکاب کی صورت میں انجبار کے لئے فدیہ رکھا گیا۔

د: معذورین کو گیارہ تاریخ سے تیرہ تک رمی جمار کی رخصت دی گئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب تک وہ کام حرام یا مکروہ نہ ہو تو ایسر وارفق واخف کو لیا جائے گا، بلکہ اسی کو لینا مستحب ہے، ہاں اگر گناہ کا کام ہو تو اشق کو لیا جائے گا، اور قاعدہ شرعیہ ''المشقہ تجلب التیسیر'' اور ''الضرورات تبیح المحظورات'' بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔

جہاں تک مسلم اقلیتوں کی بات ہے خصوصا ہمارے ملک میں، جو کفار کی اکثریت کے درمیان رہتے ہیں، اور مختلف قسم کی آزمائشوں میں گھرے ہوئے ہیں، طرح طرح کی اذیت جھیلتے ہیں، اس پس منظر میں ان کے مسائل حل کرنے کے لئے ایسا کوئی فتوی نہیں آنا چاہئے جو ان کی آزمائشوں میں مزید اضافہ کرے، بلکہ تیسیر وتخفیف کے قاعدہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اور جتنی سہولتیں از روئے شرع مل سکتی ہے ملنی چاہئے۔

بہر حال یہ عام شرعی اصول وضوابط ہیں، مسلم اقلیات کے نئے مسائل کے حل میں ان کا سہارا لیا جاسکتا ہے، کیونکہ دنیا کی بیشتر مسلم اقلیات اجتماعی بربادی اور ظالم اکثریت کی طرف سے قتل وظلم کا شکار ہیں۔

خلاصۂ بحث:

۱۔شرعی احکام کی بنا عام انسانی قدرت کے مطابق رکھنا، پیش آنے والے اور استثنائی حالات کی رعایت مخصوص اور ہلکے احکام کے ذریعہ کرنا۔

۲۔تیسیر کی درج ذیل حکمتیں ہیں:

الف: تدین کے تقاضہ کو پورا کرنا۔

ب: دوام اور استمرار کے مقصد کو پورا کرنا۔

ج: غیر مسلموں کو اسلام اور غیر متدین کو تدین میں داخل ہونے کی ترغیب۔

د: بندوں کے ساتھ اللہ کی رحمت کے آثار ونقوش۔

ھ: فقہ التیسیر شریعت اور حقیقت کے درمیان ایک کڑی ہے۔

و: تیسیر شریعت اسلامیہ کی بقاء ودوام مؤکد کرتی ہے۔

۳۔اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ: شریعت اسلامیہ کا مقصد احکام میں سختی اور مشقت میں ڈالنا نہیں ہے،

چنانچہ جب بھی کوئی مشقت ظاہر ہوگی تو تیسیر اور سہولت پیدا کی جائے گی، کیونکہ شریعت کے قطعی اصولوں میں سے، جن کی صحت کا حتمی فیصلہ ہے، یہ بھی ہے کہ لوگوں سے حرج کو دور کیا جائے گا اور ان کے لئے سہولت و آسانی پیدا کی جائے گی، چنانچہ شریعت نے لوگوں کے اعذار کی رعایت اور ان سے مشقت کو دور کرنے کے لئے ہی رخصتیں مشروع کی ہیں۔

۴۔تیسیر کی درج ذیل بنیادیں ہیں:

الف: انسانی طاقت کی رعایت۔

ب: واقعیت۔

ج: عام ضعف انسانی کی رعایت۔

۵۔تیسیر کے اسباب یہ ہیں: سفر، مرض، اکراہ، نسیان، جہل، عموم بلوی، نقص طبعی، خوف، فقر وافلاس، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نبئ خاتم ہونا بھی بڑا سبب ہے۔

۶۔اس کے معنی یہ ہیں کہ نفلی کاموں میں آسانی پیدا کرو، اور تنگی نہ کرو، نفلی کاموں میں آسانی اور انھیں اس طریقے سے بجالانے کا حکم دیا جائے جو مشقت اور دل اچاٹ کرنے والا نہ ہو، تاکہ انسان بخوشی اسے کرتا رہے، یعنی وہ کام ہرگز مراد نہیں ہے کہ جو اللہ تعالی کی جانب سے فرض ولازم ہیں، اس تو کسی قسم کی تبدیلی کی قطعا کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۷۔یسر وتیسیر مقاصد شریعت میں سے ایک مقصد ہے، نبوی سنت ہے، اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے، شرائع، احکام معاملات، بیوع، دعوت وتعلیم ہر شعبہ میں اسلام نے یسر وتیسیر کے پہلو کا عموما خیال رکھا ہے، قرآن کریم کی تقریبا پچاس آیات اس سے متعلق ہیں، سینکڑوں احادیث ہیں، نیز صحابہ کرام کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔

۸۔تیسیر کے بنیادی قواعد یہ ہیں:

الف:إذا ضاق الأمر اتسع وإذا اتسع ضاق

ب:المشقة تجلب التيسير

ج:الضرورات تبيح المحظورات

(ضرورتیں اور مجبوریاں، ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں)

د:الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة

(حاجت خواہ عام ہو یا خاص ضرورت کی جگہ لے لیتی ہے)

ه:درء المفاسد أولى من جلب المصالح۔

و: رفع الحرج۔

ز: الضرر يزال (ضرر کا ازالہ کیا جائے گا) اس قاعدہ کے تحت درج ذیل قواعد آتے ہیں:

۱-الضرر يدفع بقدر الإمكان۔

۲-الضرر لا يزال بالضرر۔

۳-يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع ضرر العام۔

۴-إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما۔

نیز اسی کو "الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف" یا "يختار أهون الشرين" بھی کہا جاتا ہے۔

۹-رخصت اور تیسیر میں درج ذیل فرق ہے:

الف: رخصت وہ حکم شرعی ہے جس کا وجود مکلف سے رفع حرج کے لئے ہوا ہے اور وہ حکم عام حکم اصلی سے مستثنی ہے، نیز یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر وہ عذر جس نے رخصت پر مجبور کیا ہے، زائل ہو جائے تو عارضی حکم بھی ختم ہو جائے گا اور حکم اصلی لوٹ آئے گا۔

ب: رخصت تیسیر کے معالم میں سے ایک نشان، نقوش اور علامت ہے، نیز قاعدہ تیسیر میں سے ایک واضح نظام ہے، وہ عارضی احوال اور طاری حالات کے ساتھ خاص ہے، جب کہ تیسیر میں ایسا نہیں ہے، اس میں ابتداء سے ہی انسان کی اعتیادی اور اختیاری قدرت کی رعایت رکھی گئی ہے۔

ج: شرعی رخصتوں میں بلکہ تمام تکالیف شرعیہ میں غور کرنے سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ شریعت میں تیسیر سے مراد زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ حکم ایسا ہو کہ بغیر حرج اور مشقت کے اس کی تعمیل ہو سکے۔

۱۰-ان دونوں کا تعلق عبادات اور معاملات دونوں سے ہے۔

۱۱-لوگوں سے مفاسد اور مضرتوں کا دور ہونا اور مصالح ومنافع کا حصول، لیکن اس قاعدہ کے لئے درج ذیل شرائط ہیں:

الف: جلب مصلحت اور درء مفسدہ کا اجتماع نہ ہو۔

ب: مفاسد اور مصالح متحقق ہوں۔

ج: مصالح، مفاسد پر غالب نہ ہوں۔

۱۲-ہر ایسی چیز جو مشقت کا سبب بنتی ہو، جس کو ادا کرنے پر مکلف قادر نہ ہو، اس کو انجام ہی نہ دے سکتا ہو، یا دے تو سکتا ہو لیکن خود کو اتنی شدید مشقت اور تکلیف میں ڈال کر، کہ کبھی کبھار بعض مصالح مشروعہ فوت ہو جاتے ہوں، یا بعض مضرت رساں مفاسد پیدا ہو جاتے ہوں، لہذا رفع حرج کے معنی ہوں گے مشقت کی ان دونوں قسموں کو ختم کرنا

،اور مکلف کو ایسے اوامر اور تکالیف کا حکم دینا جس پر وہ قادر ہو، جسے وہ انجام دے سکتا ہو، نیز اس سے دین و دنیا کے منافع بھی حاصل ہوتے ہوں۔

۱۳۔درج ذیل شرائط کے ساتھ مسلک غیر سے استفادہ کیا جا سکتا ہے:

الف: مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بنا پر ہو۔

ب: اتباع ہوی کے لئے نہ ہو۔

ج: (عمل واحد میں) تلفیق خارق اجماع نہ ہو۔

د: تتبع رخص کے لئے نہ ہو۔

ھ: متبحر علماء اس کا فیصلہ کریں، انفرادی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

و: ضرورت اجتماعی ہو، (یعنی عموم بلوی ہو) انفرادی ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

۱۴۔اجتماعی ضرورت ہو تو تیسیر کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مفتی محمد ذاکر نعمانی

دارالافتاء، مفتیٔ شہر، جے پور

سوال نمبر: (۱) شریعت اسلامی میں تیسیر کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا حکمت ہے؟ اس بارے میں اصولین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟

تعریف:

ہو من الیسر، والیسر فی اللغۃ اللین والانقیاد یقال یاسر فلانٌ فلاناً إذا لاینہ أو ساہلہ۔

یہ یسر سے بنا ہے اور لغت میں یسر نرمی کو کہتے ہیں جب کوئی کسی کے ساتھ نرمی کرتا ہے تو کہا جاتا ہے ''یاسَرَ فلان فلاناً''۔

التیسیر لغۃ مصدر یسّر یسرہ ہو: سہلہ، وحکی سیبویہ: یسرہ ووسع علیہ وسہل، والتیسیر یکون فی الخیر والشر [لسان العرب ۵/۲۹۶، تاج العروس ۴/۴۵۹] یقال یسّر الأمر إذا سہلہ ولم یعسرہ ولم یشق علی غیرہ أو نفسہ فیہ۔

وفی التنزیل ''ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدّکر'' [مادہ: یسر] (مقاییس اللغۃ ۶/۱۵۵)

تیسیر [باب تفعیل] یسّرَ کا مصدر ہے، اور اس کے معنی آسان کرنا ہے، امام سیبویہ بیان کرتے ہیں: کسی کے لئے آسانی پیدا کرنا اور گنجائش نکالنا، اور تیسیر وتسہیل خیر وشر دونوں میں ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص معاملہ آسان کرے تو کہا جاتا ہے، ''یَسّرَ الأمر'' اور اس میں اپنے یا غیر پر سختی نہ کرے۔

قرآن پاک میں ہے: ترجمہ: اور یقینا ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان رکھا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

''الیسر'' بسکون السین وضمّہا ضِدُّ العُسر وقد یسّرہ اللّٰہ للیسریٰ أی وفّقہ لہا۔ [مختار الصحاح ص: ۷۴۲۔]

''یسر'' سین کے سکون اور پیش کے ساتھ ''عسر'' کا متضاد ہے، کہا جاتا ہے، ''وقد یسرہ اللّٰہ للیسریٰ'' یعنی اللہ نے اسکو بھلائی کی توفیق دی۔

ومعنی التیسر فی الاصطلاح الفقہی موافق لمعناہ اللغوی۔ [الموسوعۃ الفقہیۃ جلد: ۱۴، ص: ۲۱۱]

فقہی اصطلاح میں بھی ''تیسیر'' کا مطلب لغوی معنی کی طرح ہے۔

التیسیر: بناء الأحکام الشرعیة وفق القدر البشریة العادیة، ومراعاة الأحوال الطارئة والاستثنائیة بأحکام خاصة مخففة۔ [فقه التیسیر فی الشریعة الاسلامیة، ص: ۱۵]

تیسیر: عام انسانی قدرت کے مطابق احکام شرعی کی بنیاد رکھنا، اور تخفیف شدہ خاص احکام کے ذریعہ ہنگامی واستثنائی حالات کی رعایت کرنا۔

تیسیر کی یہ تعریف عام مفہوم پر دال ہے، جیسے کہ خود ڈاکٹر الشامی آگے رقم طراز ہیں:

وہذا التعریف یشمل جمیع أنواع التیسیر فی الشریعة الإسلامیة سواء أکان عاما أم خاصا۔ [فقه التیسیر فی الشریعة الاسلامیة ص: ۱۵]

اور یہ تعریف شریعت اسلامیہ میں پائی جانے والی تیسیر کی تمام قسموں کو اپنے اندر سمولیتی ہے، خواہ وہ عام ہو یا خاص۔

تمہید: اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین اسلام کو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے قابل اتباع بنایا ہے، خواہ دنیا کے کسی خطہ سے تعلق رکھتے ہوں، کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، امیر ہوں غریب ہوں، صحت مند ہوں یا بیمار ہوں، مجبور ومضطر ہوں، الغرض ہر کس وناکس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کامیاب وکامران ہونے کے لیے شریعت مطہرہ کے مطابق ہی زندگی گزارے، لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین اسلام کو عین فطرت انسانی کے مطابق بنانے کے ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ میں انسانی کمزوریوں اور مجبوریوں کے پیش نظر احکامات کے اندر بہت ساری آسانیاں اور سہولتیں بھی رکھی ہیں، تاکہ ہر انسان ان احکامات پر اپنی طاقت کے مطابق عمل پیرا ہوسکے، چنانچہ عبادات اور معاملات میں بہت سارے مواقع ایسے موجود ہیں، جہاں ہمارے لیے تیسیر ورخصت موجود ہے۔ یعنی رخصتوں کی بنیادی حکمت، رفع حرج، جلب منفعت ودفع مضرت ہے۔ اور یہی صفت دین کو ہمیشہ ہمیش باقی رکھنے والی ہے اور تبلیغ ودعوت اسلام اور ترغیب کا بھی اہم ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ خصوصی انعام کا اظہار ہے۔

حکمت تیسیر:

قوله تعالیٰ: یرید اللّٰہ أن یخفّف عنکم وخلق الإنسان ضعیفاً [سورۃ النساء/۲۸]

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ کو ہلکا کردے جب کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ رقمطراز ہیں:

والمعنی لا یتعمق أحد فی الأعمال الدینیة ویترک الرفق إلا عجز وانقطع فیغلب۔ [فتح الباری، کتاب الایمان باب الدین یسر ۱/۱۳۰، دار الفکر]

مطلب یہ ہے کہ کوئی اعمال دینیہ زیادہ گہرائی میں نہ جائے اور نرمی کو نہ چھوڑے ورنہ وہ بے بس ہو جائے گا، اور عمل کا سلسلہ رک جائے گا تو وہ مغلوب ہو جائے گا۔

آیت قرآنی سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ تیسیر کا بنیادی مقصد اور اس کی حکمت تخفیف ہے، اور بخاری کی روایت سے ایک حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی احکامات وتعلیمات میں انسانوں کے لیے دلچسپی کا سامان رہے اور وہ متنفر نہ ہوں۔

اور شاہ صاحب کے بقول یسر وتیسیر اور رخصت شریعت کی تکمیل کا ایک حصہ ہے۔

کان من تمام التشریع أن یبین لہم الرخص عند الأعذار، لیأتی المکلفون من الطاعۃ بما یستطیعون۔ [حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۹۳]

تیسیر کی بنیادیں:

تیسیر ورخصت کی بنیاد اس پر ہے کہ تمام احکامات وتعلیمات میں بشری طاقت وصلاحیت کی رعایت کی جائے اور حسب ضرورت وحاجت تخفیف اور دفع حرج کا خاص اہتمام کیا جائے تا کہ یہ دین زمانے کو ساتھ لے کر چل سکے۔

سوال نمبر: (۲) شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں کیا ہیں؟ نیز تیسیر کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس کا دائرہ کیا ہے؟

تیسیر کی بنیادیں:

قال اللہ تعالیٰ: وإن کان ذو عسرۃ فنظرۃ إلی میسرۃ۔ [سورۃ البقرۃ/۲۸]

وقولہ تعالیٰ: یرید اللہ بکم الیُسر ولا یرید بکم العسر [سورۃ البقرۃ/۱۵۸]

وقولہ تعالیٰ: لا یکلف اللہ نفساً إلاَّ وسعہا۔ [سورۃ البقرۃ ۲۸۶]

وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ [سورۂ حج/۷۸]

ومن کان مریضاً أو علی سفرٍ فعدۃ من أیام أُخر۔ [سورہ بقرہ ۱۵۸]

یرید اللہ أن یخفف عنکم وخلق الإنسان ضعیفاً۔ [سورۃ النساء/۲۸]

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یسروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفروا۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان خیر دینکم أیسرہ۔ [أخرجہ أحمد ۴/۳۳۸]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إن اللہ شرع ہذا الدین فجعلہ سمعا سہلا واسعاً ولم یجعلہ ضیقاً۔ [الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۴/۲۱۴]

اسباب تیسیر: حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں چند اعذار کا تذکرہ کیا ہے:

(۱) سفر (۲) خوف (۳) مرض [حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۹۳، وما بعد]

اس کے علاوہ بھی کچھ اسباب ہیں جو بعض مسائل میں اعذار شمار کئے جاتے ہیں مثلاً (۴) اکراہ (۵) نسیان

(۶)جہل (۷)عموم بلویٰ (۸)نقص۔

تیسیرہ کا دائرہ: شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ومن أصول الرخص أن ينظر إلى أصل الطاعة حسبما تأمر به حكمة البر، فيُعض عليها بالنواجذ على كل حال، وينظر إلى حدود وضوابط شرّعها الشارع؛ يتيسر لهم الأخذ بالبر فيتصرف فيها إسقاطا وإبدالا، حسبما تؤدي إليه الضرورة۔[حجۃاللّٰہ البالغۃ ۲/۹۴]

شاہ صاحب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کو اصل سمجھتے ہوئے اور شرعی حدود وقیود، قواعد وضوابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے رخصت وتیسیر کے پہلو کو اختیار کیا جائے کہ نیکی وبھلائی کا مقتضی بھی باقی رہے اور نص کی مخالفت بھی نہ ہو۔ چنانچہ اصولیین نے اس کے لئے چند شرائط کا تذکرہ کیا ہے، جس سے اس کا دائرہ متعین ہو جاتا ہے۔

(۱) وہ رخصت وتیسیر نص یا کسی اصل کے خلاف نہ ہو۔

(۲) عام عادت اور تحمل سے بڑھ کر ہو۔

(۳) وہ مشقت از راہ عبادت نہ ہو۔

(۴) وہ مشقت تکلیفات شرعیہ سے خالی ہو۔[القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة ۱/۲۵۸]

مشقت کی تعریف: مشقت کی اصطلاحی تعریف اس طرح نقل کی گئی ہے:

المشقة: هو العسر والعناء الخارجين عن حد العادة في الاحتمال۔[معجم لغۃ الفقہاء ۲/۲۲]

مشقت کی دو قسمیں ہیں:

القسم الأول: المشاق غير المعتبر: یعنی وہ مشقتیں جن کو مکلف برداشت اور مداومت کر سکتا ہے، ان کو مشاق معتادہ بھی کہا جاتا ہے۔

القسم الثاني: المشاق المعتبرة: یعنی وہ مشقتیں جو شریعت کی نظر میں معتبر ہیں۔ یہ وہ مشقتیں ہیں، جن سے غالباً تکالیف شرعیہ خالی ہوتی ہیں، ان کی کئی اقسام ہیں:

قسم اول: وہ عظیم مشقتیں جو رسوا کرنے والی ہوں۔

قسم ثانی: مشقت خفیفہ ہے۔

قسم ثالث: وہ مشقتیں جو شدت اور خفت میں ان دونوں کے درمیان ہیں۔

سوال نمبر (۳) کا جواب

قرآن وحدیث کی نصوص سوال نمبر: ۲ کے جواب میں نقل کی جا چکی ہیں، چند آثار صحابہ پیش خدمت ہیں:

(۱) خرج عمر في ركب فيهم عمرو بن العاص حتى وردوا حوضاً فقال عمرو: يا صاحب الحوض هل

ترد حوضک السباع؛ فقال عمر: لا تخبرنا فإنا نرد السباع وترد علینا۔[أخرجه مالک فی المؤطا، رقم:٦٢]

(۲) مرّ عمر مع صاحب له فسقط علیه شئ من میزاب، فقال صاحبه: یا صاحب المیزاب مائک طاہر أم نجس؟ فقال عمر: یا صاحب المیزاب لا تخبرنا، ومضی[ذکره ابن القیم فی إعلام الموقعین ١/٥٨]

مذکورہ دونوں آثار سے معلوم ہوتا ہے، حضرت عمر نے بغیر کسی تکلف اور تدقیق کے ظاہر پر عمل کیا اور یسر وتیسیر کے پہلو کا لحاظ کیا۔

(۳) یقول عمیر بن إسحاق: لما أدرکت من أصحاب رسول اللّٰہ أکثر ممن سبقنی منہم فما رأیت قوما أیسر سیرۃ ولا أقل تشددا منہم۔[الاعتصام للشاطبی/٣٩٥]

(۴) قال عبد اللّٰہ بن مسعود:۔۔۔۔وأقلہا تکلفاً۔۔۔۔[جامع بیان العلم وفضلہ ٢/٩٤٧]

(۵) سئل ابن عباس عن الصیام للمسافر أم الإفطار أفضل؟ فقال: خذ بأیسرہما علیک۔[مصنف عبد الرزاق/٤٤٩٢]

(۶) ''إن اللّٰہ یحب أن تؤتی رخصہ کما یکرہ أن تؤتی معاصیہ''[صحیح ابن خزیمۃ ١٣/٤٧٠]

ان تمام نصوص وآثار کو دیکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے جہاں تک گنجائش دی، اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ تتبع رخص اور اتباع ہوی مذموم وحرام ہے۔

سوال نمبر: (۴) تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد کیا ہیں؟ اس کی مختصر وضاحت فرمائیں۔

جواب: تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) المشقۃ تجلب التیسیر:

یہ قاعدہ امہات القواعد میں سے ایک ہے، اور اس میں شریعت کی ایک خاص حکمت اور مقصد بھی پنہاں ہے، وہ یہ ہے کہ شریعت میں حرج اور مشقت مطلوب نہیں بلکہ مدفوع ہے، اور لوگوں کی سہولت وآسانی مطلوب ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات یا دیگر کسی شعبہ حیات سے، لہٰذا جہاں کہیں کسی حکم کے لاگو کرنے میں لوگوں کو تنگی لاحق ہو یا ناقابل تحمل تکلیف یا مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہو خواہ اس مشقت کا تعلق لوگوں کے مال سے ہو یا ان کی جان سے وہاں حکم میں تخفیف اور آسانی کا راستہ نکال لیا جاتا ہے اور لوگوں کو رخصت دے کر انہیں مشقت سے چھٹکارا دلایا جاتا ہے، کیوں کہ شریعت کے مقاصد میں سے ایک ''تحفظ نفس وجان'' ہے، جسے علامہ شاطبی نے الموافقات میں لکھا ہے۔ البتہ رخصت وتیسیر کے لیے شرائط پیش نظر رہیں:

(۲) الأمر إذا ضاق اتّسع:

اس قاعدے کا مطلب ومفہوم سابقہ قاعدہ ''المشقة تجلب التیسیر '' کی طرح ہی ہے۔

(۳)الضرر یُزال:

اس قاعدے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ضرر کا وقوع ہو گیا تو اس کے بعد اسے باقی و برقرار نہیں رکھا جائے گا، بلکہ فوراً اس کا ازالہ کیا جائے گا اور یہ ازالہ واجب ہے، لیکن یہ حکم علی الاطلاق نہیں بلکہ اس کے لیے چند شرائط ہیں:

شرائط قاعدہ:

(۱)ضرر متحقق اور یقینی ہو نہ کہ وہمی ہو۔

(۲)ضرر فاحش ہو[ضرر کے فاحش ہونے کا مطلب ہے کہ وہ ضرر متعدی ہو]

(۳)ضرر ناحق ہو[جو ناحق طور پر کسی کو لاحق ہو]

(۴)اُس ضرر کی وجہ سے مصلحت مشروعہ میں خلل واقع ہو۔

(۵)ایسا ضرر ہو جس کی وجہ سے انسان کی ایسی مصلحت یا حق میں خلل واقع ہو، جس کا انسان شرعاً مستحق بن چکا ہو۔

(۶)ضرر کا ازالہ کرنے میں اسی جیسے دوسرے ضرر یا اس سے بھی بڑے ضرر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔

سوال نمبر:(۵) تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟ کیا رخصت وتیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟

جواب: اولاً رخصت وتیسیر کے درمیان فرق جاننے سے پہلے دونوں کی اصطلاحی تعریف پر طائرانہ نظر ڈال لینی چاہیے۔

أما الرخصة فعبارة عن الیسر والسھولة وفی الشرع صرف الأمر من عسر إلى یسر بواسطة عذر فی المکلف[اصول الشاشی ص:۱۵]

علامہ شاطبی نے الموافقات میں رخصت کی تعریف اس طرح سپرد قرطاس کی ہے:

أما الرخصة فما شرع لعذر شاقٍ واستثناء من أصل کلی یقتضی المنع مع الاقتصار علی مواضع الحاجة فیه۔[الموافقات: ۱/۳۰۱، دار المعرفة، بیروت، لبنان]

جہاں تک رخصت کا تعلق ہے تو رخصت وہ ہے جو کسی دشوار عذر کی وجہ سے مشروع کی گئی ہو اور اصل کلی سے استثناء ضرورت کی جگہوں پر اکتفا کرنے کے ساتھ ساتھ ممانعت کا تقاضا کرتی ہو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ رخصت مکلف کی قدرت واستطاعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک عام قانون سے استثناء ہے، جیسے مسافر کے لیے قصر نماز۔ اور رہی بات تیسیر کی تو اس کی تعریف بالتفصیل سوال نمبر:۱ کے جواب میں گذر چکی ہے۔

آمدم برسر مطلب:

دونوں تعریف کو سمجھ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تیسیر عام ہے اور رخصت خاص، بالفاظ دیگر تیسیر مقسم ہے اور رخصت قسم، کیوں کہ تیسیر کی کئی اقسام ہیں۔

تیسیر کی قسمیں:

۱-التأجیل: کسی عذر کے پیش آنے پر حکم شرعی کو زوال عذر تک مؤخر کیا جائے، جیسے مسافر کے لیے رمضان کے روزہ کی قضا کی رخصت۔

۲-التبدیل: مکلف کو حکم اصلی سے پھیر کر اس کے قائم مقام حکم کی طرف لے جانا، جیسے پانی کے استعمال سے معذور شخص کے لیے تیمم۔

۳-التخفیف: کسی حکم شرعی کے بعض ارکان کو ساقط کر دینا جیسے: معذور شخص کے لیے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنا۔

۴-الاسقاط: حکم اصلی یا اس کے بدل کو ادا نہ کر پانے کی صورت میں مکلف سے حکم کو بالکلیہ ساقط کر دینا جیسے کفارہ معذور شخص سے ساقط ہو جانا۔

۵-الاستثناء: تیسیر کے اقسام میں ایک قسم استثناء ہے، جس کو ماسبق میں علامہ شاطبی نے رخصت وترخیص سے موسوم کیا ہے۔

چنانچہ سابقہ تفصیل سے ترخیص اور تیسیر کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے، کہ تیسیر مقسم کی حیثیت رکھتا ہے، برخلاف ترخیص کے کہ وہ خاص اور قسم کی حیثیت رکھتا ہے۔

رہی بات کہ رخصت وتیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟ تو یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ جس طرح تیسیر معاملات میں ہے اسی طرح عبادات میں بھی ہے، جیسے:

(۱) مسح علی الخفین (۲) مسافر کے لیے قصر نماز (۳) مریض ومعذورین کے احکام (۴) حائضہ اور نفساء کے احکام۔ (۵) صاحب ترتیب کے لیے نسیان اور وقتیہ نماز میں وقت کی تنگی پر سقوط ترتیب (۶) اذی میں مبتلی حاجی کے لیے حلق کی رخصت (۷) رمی کو چرواہوں کے لیے اخیر دن تک کی مہلت

سوال نمبر: (۶) بعض مقاصدی قواعد بھی ہیں، جن کا تعلق تیسیر سے ہے، جیسے: جلب المصالح، درء المفاسد اور رفع حرج اُن کی بھی قدرے وضاحت مطلوب ہے؟

جواب: جلب المصالح: جلب المصالح کا معنی ہے، مصالح ومنافع کا حصول، جلب کے معنی کھینچ لانے اور ایک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے آتے ہیں۔

المصالح: یہ ''المصلحة'' کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی منفعت کے آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض کتابوں میں اس لفظ کی جگہ ''المنافع'' کا لفظ مذکور ہے۔ [فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ، ص: ۳۷۷]

مصلحت کی اصطلاحی تعریف ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے ان الفاظ سے کی ہے:

المنفعة التي قصدہا الشارع الحکیم لعبادہ، من حفظ دینہم ، ونفوسہم، وعقولہم، ونسلہم، وأموالہم طبق ترتیب معین فیما بینہا۔ [ضوابط المصلحة في الشریعة الإسلامیة، ص:۲۳]

ایسی منفعت جس کا حکیم شارع اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے متعین ترتیب کے مطابق ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کے لیے ارادہ کیا ہو۔

درء المفاسد: درء المفاسد کا معنی ہے، مضرتوں اور مفاسد کا ازالہ، درء کے معنی ہٹانے اور زائل کرنے کے آتے ہیں۔

المفاسد: یہ ''مفسدة'' کی جمع ہے، جس کے معنی خرابی، بگاڑ، نقصان اور ضرر رسانی کے آتے ہیں، اہل علم کے یہاں اصطلاح میں یہ لفظ دو معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ضرر، شر، برائی اور منکر

(۲) ایسے اسباب وذرائع جو ضرر تک پہنچانے والے ہوں۔ [فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ، ص:۳۷۷]

بنیادی قاعدہ: فقہ کے امہات القواعد میں سے ایک بنیادی قاعدہ ہے کہ ''درء المفاسد أولی من جلب المصالح''

اس قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت کے اہم مقاصد میں لوگوں سے مفاسد ومضرتوں کے ازالہ اور منافع کا حصول ہے، لیکن اگر جہاں کہیں مصلحت ومفسدہ میں تعارض آ جائے بایں طور کہ مصلحت کا حصول مفسدہ کے وقوع کو لازم ہو تو ایسی صورت میں مصلحت کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، تا کہ ضرر واقع نہ ہو۔

قاعدہ کے شواہد: اس بنیادی قاعدہ کے قرآن وحدیث میں متعدد شواہد ملتے ہیں:

۱-قولہ تعالیٰ: یسألونک عن الخمر والمیسر، قل فیہما إثم کبیر ومنافع للناس وإثمہما أکبر من نفعہما۔ [البقرة: ۲۱۹]

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے۔

۲-ولاَ تسبوا الَّذِین یدعون من دون اللّٰہِ فیسبوا اللّٰہ عدواً بغیر علم۔ [الانعام: ۱۰۸]

اور جن کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں تم ان کو بھلا برا مت کہو کہ وہ نا سمجھی میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں۔

۳-اسی طرح مسئلہ تراویح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسری یا چوتھی رات کو لوگوں کے ساتھ جماعت پڑھنے نہ آنا، علامہ نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفيه إذا تعارضت مصلحة وخوف مفسدة، أو مصلحتان اعتبر أهمهما؛ لأن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم، كان رأى الصلاة في المسجد مصلحة لما ذكرناه، فلما عارضه خوف الافتراض عليهم، تركه لعظم المفسدة التي تخاف من عجزهم وتركهم۔ [شرح النووي ۶/۴۱]

اس صورت میں جب کوئی مصلحت اور اندیشہ فتنہ یا دو مصلحتیں آپس میں متعارض ہوجائیں تو ان میں سے اہم کا اعتبار کیا جائے گا، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز [تراویح] پڑھنے میں مصلحت دیکھی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، لیکن جب فرضیت کا خوف لاحق ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی عاجزی اور ترک صلوٰۃ [تراویح] کے اندیشہ کو اہمیت دیتے ہوئے صلوٰۃ تراویح کو ترک کردیا۔

قاعدہ کی شرائط: مذکورہ بالا قاعدہ کے قابل عمل ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں:

(۱) جلب مصلحت اور دفع مفسدہ کا اجتماع کسی صورت ممکن نہ ہو۔

(۲) وہ مصالح ومفاسد شریعت کی نگاہ میں بھی مصالح ومفاسد ہوں۔

(۳) مصالح مفاسد پر غالب نہ ہوں بلکہ یا تو متساوی ہوں یا کمتر ہوں۔ [فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ، ص: ۳۸۱ تا ۳۸۲]

مصلحت اور مفسدہ کا معیار: یہ بات عیاں ہے کہ مصلحت اور مفسدہ کے لغوی معنی کو لے کر ہم ان کو احکام کی بنیاد نہیں بنا سکتے ہیں، کیونکہ کبھی کبھی مصلحت پر عمل کرنے کا نتیجہ ناجائز اور غیر مشروع بھی ہوتا ہے جیسے: نفع مصلحت ہے، لیکن اس کا حصول کبھی دوسرے پر ظلم کر کے بھی ہوتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

اور اسی طرح مفاسد کبھی کبھی اچھے اور مشروع نتائج کا سبب بنتے ہیں، جیسے جہاد میں الم وتکلیف ہے، لیکن اس سے اعلاء کلمۃ اللہ کا حصول ہوتا ہے۔ لہٰذا مفاسد ومصالح کے ذاتی معنی پر شرعی احکام مرتب نہیں ہوتے بلکہ ان دونوں کے لیے الگ معیار قائم کرنا ضروری ہے، جس پر احکام کی بنیاد رکھی جاسکے۔ [فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ: ص: ۳۸۳]

مصلحت ومفسدہ کے معیار کے سلسلے میں امام غزالی فرماتے ہیں:

أما المصلحة: فهي عبارة في الأصل عن جلب المنفعة أو دفع المضرة، ولسنا نعني به ذلک، فإن جلب المنفعة ودفع المضرة مقاصد الخلق، وصلاح الخلق في تحصيل مقاصدهم ولكنا نعني بالمصحلة المحافظة على مقصود الشرع۔ [المستصفى ص: ۱۷۴]

جہاں تک مصلحت کا تعلق ہے تو وہ اصل میں نام ہے حصول منفعت اور دفع مضرت کا، لیکن اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہے، کیوں کہ حصول منفعت اور دفع مضرت مخلوق کے مقاصد میں سے ہیں اور مخلوق کی بہتری

مقاصد کے حصول میں ہے، لیکن مصلحت سے ہماری مراد شارع کے مقاصد کی حفاظت و پابندی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ معتبر مصلحت شریعت کے مقصود کی حفاظت ہے۔

مقاصد شریعت کیا ہیں: علامہ شاطبی اور امام غزالیؒ سمیت بہت سے علماء نے مقاصد شریعت اس قوت اور اہمیت کے اعتبار سے درجہ بندی کر کے تین درجات میں تقسیم کیا ہے۔ ذیل میں مصالح کے تین مراتب مذکور ہیں۔

لہٰذا ہر وہ امر جو ان تین میں سے کسی ایک کے بھی موافق ہو تو وہ مصلحت مطلوبہ ہوگی، اور جو ان میں سے کسی ایک کے بھی مخالف ہو تو وہ مفسدہ کہلائے گا۔

۱- الضروریات: وہ مصالح جن پر ارکان خمسہ کا تحفظ موقوف ہو۔

ارکان خمسہ سے مراد: (۱) دین، (۲) نفس (۳) عقل (۴) نسل (۵) مال

یہ مصالح سب سے قوی درجہ پر ہیں، لہٰذا جو امر درج بالا پانچ ارکان کو تحفظ فراہم کرتا ہے وہ مصلحت ہے، اور اس کا مطلوب ہونا بھی قوی ہوگا، اور اسی طرح جو امر ارکان خمسہ میں سے کسی کے تحفظ کے لئے نقصان اور ضرر رساں ہو وہ مفسدہ ہے، اور اس کا ممنوع ہونا قوی ہوگا۔

۲- الحاجیات: وہ مصالح ہیں جن پر اگر چہ ارکان خمسہ موقوف نہیں ہوتے لیکن لوگوں سے تنگی و مشقت دور کرنے کے لیے ان کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن ان کا درجہ ضروریات سے کم ہے۔

۳- التحسینیات: وہ مصالح جن کے نہ ہونے سے کوئی تنگی یا مشقت بھی لاحق نہ ہو، لیکن ان کی رعایت رکھنا مکارم اخلاق، اچھی عادات، آداب معاشرت کا تقاضا ہوں۔

یہ مصالح کا سب سے آخری درجہ ہے، ان کی رعایت رکھنا بھی اہم ہے، لیکن اگر کسی حکم تحسینی پر عمل کرنے کے نتیجے میں "حاجیات" یا ضروریات میں خلل واقع ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں حکم تحسینی پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ عمل یا امر جو ان تینوں میں سے کسی ایک بھی قسم کے موافق ہو وہ مصلحت ہے اور جو بھی ان میں سے کسی ایک کے بھی مخالف ہے وہ مفسدہ ہے۔

سوال نمبر: (۷) اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کیا دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: الفتویٰ علی مذھب الغیر کے سلسلے میں تین نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

(۱) مطلقاً جواز، علامہ ابن ہمام، ابن حاجب، آمدی، علامہ رافعی، علامہ صلاح الدین علائی، علامہ ابن نجیم مصری امام الحرمین، امام قدوری، امام ابن دقیق العید، امام غزالی، شاہ ولی اللہ، حافظ عز الدین بن عبد السلام کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے، البتہ مقصد صرف تتبع رخص اور اتباع ہویٰ نہ ہو۔

(۲) مطلقاً عدم جواز: فقہاء مالکیہ، ایک قول شوافع کا بھی یہی ہے۔

(۳) اگر کسی مسئلہ میں ایک امام کی تقلید کر چکا ہے تو اس مسئلہ میں دوسرے فقہ کی تقلید یا عدول جائز نہیں، لیکن دوسرے احکام میں دوسری فقہ کی اتباع میں قباحت نہیں، اسنوی، ابن ہمام، ابن حاجب، آمدی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ البتہ بعض علماء سے چند شرائط منقول ہیں۔

(۱) قوت دلیل: امام قدوری، حافظ ابن الصلاح، ابن حمدان، امام نووی، علامہ ابن ہمام، علامہ عبدالحی لکھنوی سے منقول ہے، ابن دقیق العید نے عدم تلفیق کی اور انشراح قلب کی شرط بھی لگائی ہے، قرافی کے نزدیک نہ تلفیق ہو اور نہ تتبع رخص ہو، اور صلاح الدین علائی نے احتیاط کی شرط لگائی ہے۔

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ:

فی خزانۃ الروایات: العالم الذی یعرف معنی النصوص والأخبار وہو من أہل الدرایۃ یجوز لہ أن یعمل علیہا وإن کان مخالفاً لمذہبہ۔ [شامی ۱/ ۵۱، مقدمہ]

شاہ صاحب کے نزدیک صریح دلائل کے سامنے آجانے کے باوجود تقلید پر جمے رہنا حرام ہے۔ [عقد الجید ۷۰-۷۱] ابن ہمام، ابن نجیم، ملا علی قاری، ابن حجر، امام غزالی کا یہی طرز عمل ہے۔

(۲) تغیر زمان: علامہ شامی، علامہ عبدالحی لکھنوی اور متعدد علماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۳) ضرورت: اس کی بھی کئی نظیریں موجود ہیں۔

(۴) تیسیر وسہولت: اس سلسلے میں فقہاء کی تین آراء ہیں:

(۱) مالکیہ نے سختی سے منع کیا ہے، ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ عامی کے لیے تتبع رخص جائز نہیں ہے، شوافع میں سے امام نووی، امام غزالی کی یہی رائے ہے، علامہ شاطبی نے بھی شدت اختیار کی ہے۔

(۲) دوسرا قول مطلقاً جواز کا ہے۔

البتہ عامۃ المسلمین کی تیسیر وسہولت کی خاطر متأخرین کی آراء کو دیکھتے ہوئے کچھ رخصت معلوم ہوتی ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے صراحت کی ہے:

''میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں، اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں، تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے تو صحیح ہو سکے'' [فقہ حنفی کے اصول وقواعد ۱۶۹]

مفتی محمد شفیع عثمانیؒ بیان کرتے ہیں:

حضرت تھانوی نے ہم سے فرمایا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں، اور اس کی وجہ سے دین دار

مسلمان تنگی کا شکار ہیں، اس لئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ جیسے معاملات میں جہاں عموم بلویٰ ہو، وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو، اس کو فتوے کے لئے اختیار کرلینا چاہیے۔ [البلاغ، مفتی اعظم نمبر: ۴۱۹/]

علامہ ابن ہمام رقم طراز ہیں:

ويتخرج منه جواز اتباعه رخص المذاهب ولا يمنع منه مانع شرعي إذ للانسان أن يسلك الأخف عليه إذا كان له إليه سبيل بأن لم يكن عمل بآخر فيه وكان صلى الله عليه وسلم يحبّ ما خفف عليهم۔ [التحرير مع التيسير ۴/۲۵۴]

فقہاء شوافع کا بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے۔

(۳) تتبع رخص جائز ہے لیکن تلفیق کی نوبت نہ آئے۔

البتہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عدول عن المذہب اجتماعی غور وفکر کے بعد ہو، اور عدول مذاہب اربعہ ہی تک محدود رہے، صرف تشہّی اور اتباع ہوی مقصود نہ ہو بلکہ حل ضرورت پیش نظر ہو، اور یہ عدول نص قطعی یا اجماع کے خلاف نہ ہو، اور یہ عدول پوری دیانت وامانت داری اور مسلک کی پوری واقفیت کے بعد کیا جائے۔

سوال نمبر: (۸) کا جواب

جواب: ہندوستان کے موجودہ حالات، ارتداد والحاد زدہ ماحول، مسلم مخالف منافرت وکارروائی، مسلمانوں کی دینی تعلیم سے غفلت وکوتاہی اور اسلامی تعلیمات واحکامات سے جہالت وناواقفیت اہل علم وفضل وارباب حل وعقد سے مخفی نہیں، ایک طرف یہ حالات، دوسری طرف اسلامی سلطنت وحکومت کے دور میں مرتب کردہ فقہی متون وحواشی اور فتاویٰ میں اس دور کے مزاج اور حالات کو سامنے رکھ کر مسائل تحریر کئے گئے اور ان میں بھی احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا۔

ان پر آشوب حالات میں تبلیغ ودعوت، اصلاح معاشرہ کے ساتھ ساتھ معاملات اور عبادات میں بھی اگر تیسیر کی گنجائش نکال لی جائے تو یہ تجویز مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اگر اجتماعی غور وخوض کے بعد بعض حدود وقیود اور شرائط کے ساتھ جہالت کو عذر مان لیا جائے، جیسا کہ بعض علماء کا رجحان بھی ہے، تو بہت سے معاملات میں آسانی پیدا ہوسکتی ہے۔

اسی طرح دوران سفر جمع بین الصلاتین، نصاب زکوۃ وقربانی میں نقد مال اور مال تجارت میں چاندی کے بجائے سونے کو معیار مان لینے، جو شخص شرعی احکام سے ناواقف ہو اور وہ حلفیہ بیان دے کہ وہ طریقۂ طلاق سے ناواقف ہے اور وہ یہی سمجھتا ہے کہ طلاق تین مرتبہ کے تکرار سے ہوتی ہے، تو اس صورت میں طلاق رجعی مان لینے پر یہ مسائل بھی زیر غور آجائیں تو بہتر ہے۔

خلاصۂ جوابات متعلقہ تیسیر:

(۱) عام انسانی قدرت کے مطابق احکام شرعی کی بنیاد رکھنا اور تخفیف شدہ خاص احکام کے ذریعہ ہنگامی و استثنائی حالات کی رعایت کرنا، ابدی دین شریعت محمدی جو عین مطابق فطرت ہے پر تا قیامت ہر ایک کے لئے دین کے مطابق عمل کرنا آسان رہے، عملی زندگی میں تسلسل، استقامت پائی جائے، اور کسی طرح دین سے بِدَک نہ جائے۔

(۲) تیسیر کی بنیاد سے متعلق چند نصوص لکھ دی گئی ہیں، اسباب تیسیر: سفر، خوف، مرض، اکراہ، نسیان، جہل، عموم بلویٰ، نقص، تیسیر کا دائرہ: کسی نص و اصل کے خلاف نہ ہو، مشقت از راہِ عبادت نہ ہو، وہ مشقت تکلیفات شرعیہ سے خالی ہو۔

(۳) کتاب وسنت سے رہنمائی: متعدد آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ وآثار صحابہ، وتعامل سلف سے امت مسلمہ کے حق میں تیسیر وتسہیل کا پہلو اختیار کرنا مستفاد ہوتا ہے۔

(۴) تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد: **المشقة تجلب التيسير، الأمر إذا ضاق إتّسع، الضرر يُزال۔**

(۵) تیسیر ورخصت دونوں یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟ رخصت مکلف کی قدرت واستطاعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک عام قانون سے استثناء ہے۔

کیا رخصت وتیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟ جی ہاں، جس طرح تیسیر بات میں ہے اسی طرح عبادات میں بھی ہے۔

(۶) معتبر مصلحت شریعت کے مقصود کی حفاظت ہے۔

(۷) اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کیا دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جی ہاں کیا جاسکتا ہے، تین نقطہائے نظر لکھ دیئے گئے ہیں، خلاصہ یہ کہ عدول عن المذہب اجتماعی غور وفکر کے بعد ہو، البتہ تشہّی واتباع ہویٰ ونفس پرستی مقصود نہ ہو، بلکہ حل ضرورت پیش نظر ہو، اور یہ عدول نص قطعی واجماع کے خلاف نہ ہو۔

(۸) جی ہاں، برصغیر کے مسلمانوں کو بھی عرب علماء کے مانند انفرادی واجتماعی غور وخوض کرنا چاہئے، تفصیل میں چند امور کی طرف نشان دہی کی گئی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا محمد صابر حسین ندوی

تیسیر کا مفہوم

عربی میں 'التیسیر' دراصل 'یسَّر' کا مصدر ہے، جب کوئی معاملہ کو آسان کردے تو کہا جاتا ہے:

'یسَّرَ الأمر اذا سهَّله'۔

اس مفہوم کو قرآن مجید نے اس طرح ادا کیا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ. (قمر:۱۷)

''اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

يَسِّرُوا وَلا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلا تُنَفِّرُوا . (بخاری مع الفتح:۱/۱۶۳، صحیح مسلم:۱۳۵۹/۳، ط: عیسی حلبی)

''آسانیاں پیدا کرو، تنگی نہیں، خوشخبریاں دو، تنفر نہ کرو''۔

'یُسر' لغت میں نرمی، اطاعت وفرماں برداری کو کہتے ہیں، جیسے جب کوئی کسی کے ساتھ نرمی کا سلوک کرے تو کہتے ہیں: **يَاسَرَ فُلانٌ فُلانًا**.......جب شہر کے لوگوں میں فراخی وارزانی ہو تو کہا جاتا ہے: **وَتَيَسَّرَتِ الْبِلادُ إِذَا أَخْصَبَتْ**...(لسان العرب: مادۃ- 'یسر') اسی سے لفظ 'میسرۃ' ہے جس کا معنی مال داری کے ہیں، فرمان باری تعالی ہے: **وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ** (بقرہ:۲۸۰) ''اور اگر کوئی (مقروض) تنگ دست ہے تو آسانی پیدا ہونے تک مہلت دینی چاہئے''۔

'تیسیر' کا ایک معنی 'تھیئۃ' بھی ہے؛ یعنی تیاری کرنا، توفیق الٰہی کا حاصل ہونا، قرآن کریم میں ہے: **فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى** (لیل:۷) ''تو ہم ان کو آسان راستے کی توفیق دیں گے''، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **تَيَسَّرُوا لِلْقِتَالِ** (صحیح مسلم:۱/۱۲۵، ط: عیسی حلبی) ''جنگ کی تیاری کرو''۔ اصطلاح فقہ میں 'تیسیر' اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہی مستعمل ہے، دونوں میں موافقت ہے۔

تیسیر۔ کتاب وسنت سے بنیادیں

تیسیر اور رفع حرج اسلام کی بنیادی صفات میں ہیں، دین متین کا مقصود ہے کہ لوگوں کو سہولت پہنچائی جائے اور انہیں حرج میں نہ پڑنے دیا جائے، اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی متعدد آیتیں اور روایتیں موجود ہیں، قرآن کریم میں مذکور (حج:۷۸، بقرۃ:۱۸۵، نساء:۲۸) یہ سب آیتیں اسی یسر کو بیان کرتی ہیں، اسی طرح:

بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ (احمد:۵/۲۶۶، طبرانی:۵/۷۷)

إِنَّ هَذَا الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلا غَلَبَهُ (بخاری مع الفتح:۱/۹۳)

إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ، إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُه (احمد:۳/۳۳۸)

إِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ هَذَا الدِّينَ فَجَعَلَهُ سَمْحًا سَهْلًا وَاسِعًا وَلَمْ يَجْعَلْهُ ضَيِّقًا (عن عبداللہ بن مسعود مرفوعا: اتحاف الخيرة المهرة:۷/۳۹۹)

یہ ساری روایتیں یسر کو بیان کرتی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یسر اختیار کرنے اور اسی کی تبلیغ کرنے والے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کا قول ہے:

إِيَّاكُمْ وَالتَّنَطُّعَ، إِيَّاكُمْ وَالتَّعَمُّقَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْعَتِيقِ أَيْ: الأَمْرِ الْقَدِيمِ،.....(سنن الدارمی، باب من هاب الفتيا وكره التنطع والتبدع:۱۴۵)

’’تشدد اور (غیر ضروری) تعمق سے بچو، اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے مروی) قدیم طرز عمل کو لازم پکڑلو‘‘۔

حضرت ابراہیم نخعی کہتے تھے کہ جب تم پر دو معاملے گنجلک، پیچیدہ ہوجائیں تو سمجھ لو کہ ان میں ایسر ہی اللہ کا مطلوب ہے:

إِذَا تَخَالَجَكَ أَمْرَانِ فَظُنَّ أَنَّ أَحَبَّهُمَا إِلَى اللّٰهِ أَيْسَرُهُمَا. (موسوعة الفقهية الكويتية: تيسير)

تیسیر کی حکمت اور اسباب

انسان فی نفسہ سہولت پسند واقع ہوا ہے، اس کی تخلیق میں ایسے عناصر جمع کردئے گئے ہیں کہ وہ مشقت کو نظر انداز کرتا ہے اور رخصت کو گلے لگاتا ہے، اس کی نگاہیں وہاں ٹھہر جاتی ہیں جہاں رخصت کی بات ہو، یسر اور سہولت کو مدنظر رکھا جارہا ہو، ہر کوئی اپنی طبیعت کو بوجھل کرنے سے پرہیز کرتا ہے، خود کو تھکانے، مشقت میں ڈالنے اور اپنی جان پر دشواریاں ڈالنے سے بچتا ہے، شاید اس لئے کہ وہ ضعیف بنایا گیا ہے، کمزوری اور لاغری اس کی صفات میں

سے ہیں، خود اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا (نساء:۲۸)

''اللہ چاہتے ہیں کہ تم سے بوجھ کو ہلکا کردیں اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے''۔

یسر اور اصولیین کا خلاصہ اور قواعد

تیسیر فقہ اسلامی کا اہم رکن ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جہاں کہیں فقہاء نے استخراج واستنباط سے کام لیا ہے وہاں پر یسر کا پہلو سامنے رکھا ہے، جن مسائل میں ہمیں تشدد نظر آتا ہے وہ دراصل (اکثر وبیشتر) زمان ومکان سے متعلق مسئلہ ہوتا ہے، بعض دفعہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو سماج کیلئے ناسور بن جاتی ہیں، ایسے میں فقہاء پھر تیسیر کے بجائے احوط پر فتوی دیتے ہیں، یہ مسائل حالات، زمان ومکان اور سیاسی احوال کے اعتبار سے تغیر پذیر ہوتے ہیں، اگر جزئیات کی بات کی جائے تو اس کیلئے مکمل دفتر درکار ہے، فقہاء کرام نے لائبریریاں تیار کردی ہیں، جن کی طرف رجوع کرنا چاہئے؛ البتہ اختصار کے پیش نظر اصولی پہلو پر غور کرنا چاہئے، جو اصولیین نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ پیش کی ہیں۔

اصول فقہ میں یہ ایک مستقل باب ہے اور بہت وسیع باب ہے، جس سے اجتہاد واستنباط کے اہم دروازے کھلتے ہیں، بالخصوص مصالح مرسلہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو بعض فقہاء کے نزدیک مستقل اصول تخریج واجتہاد میں سے ہے، اس کے علاوہ وہ اصول بھی موجود ہیں جو تمام اصولیین کے نزدیک مشترک ہے، ہم یہاں پر دو اہم ترین اصول تیسیر اور قواعد کا ذکر کریں گے:

پہلا۔ المشقۃ تجلب التیسیر

'المشقۃ تجلب التیسیر' (الاشباہ والنظائر للسیوطی:۸۲،۸۶) یہ شریعت کا اصل اصول ہے کہ جہاں کہیں دقت پیش آئے گی وہاں یسر کا پہلو اختیار کیا جائے گا، اس مسئلہ میں ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے سہولت پیدا کی جائے گی، یہ اصول کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، چنانچہ جہاں کہیں مشقت کا ذکر وہاں شریعت نے رخصت دے دی ہے، مثلاً:

مریض اور مسافر کیلئے روزہ رکھنا دشوار کن امر تھا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے: **فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ** (بقرہ:۱۸۴) ''پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا سفر پر ہو، تو دوسرے دنوں میں اتنے ہی دن روزے رکھ لے''۔

بیماری اور سفر ایسا عذر ہے، جس کی وجہ سے وقتی طور پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے کہ جس میں روزہ سے نقصان کا اندیشہ ہو، یعنی اگر روزہ رکھے، تو بیماری بڑھ جائے گی یا طول پکڑ لے گی یا مریض کے اندر بھوک کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہ ہو، جس کا فیصلہ ماہر معتبر معالج کے مشورہ سے اور خود مومن کے ضمیر کی

آواز پر ہوگا، کوئی ایک ہی حد ہر مریض کے لئے متعین ومقرر نہیں؛ کیوں کہ قویٰ، عمر، موسم اور ہمت وحوصلہ کے فرق کے اعتبار سے ہر انسان کے اندر قوتِ برداشت مختلف ہوتی ہے۔

اسی طرح یہ سمجھ ینا چاہئے کہ سفر سے مراد 'سفر شرعی' ہے، جس کی مسافت کم سے کم ۴۸ میل (۷۷ کیلومیٹر) ہو، اس سے کم کے سفر میں روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن اسفار میں روزہ چھوڑنا ثابت ہے، وہ طویل اسفار ہی ہیں، چند میل کے سفر پر روزہ توڑ لینا ثابت نہیں، ائمۂ مجتہدین اور سلف صالحین قریب قریب اس پر متفق ہیں، (بدائع الصنائع:۲/۲۴۵) ---یہ بھی ذہن میں رہے کہ حالت سفر میں ہی قرآن نے روزہ توڑنے کی اجازت دی ہے؛ اس لئے اگر کسی کی صبح گھر پر ہو تو روزہ توڑ کر سفر شروع کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ سفر سے پہلے ہی روزہ توڑنا ہوا، اگر روزہ رکھ کر سفر شروع کرے اور سفر شروع کرنے کے بعد روزہ رکھنے میں ناقابل برداشت مشقت نہ ہو تو اس کو روزہ کو پورا کرنا چاہئے؛ (ہندیہ:۱/۲۰۶) کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے کام کو شروع کرنے کے بعد توڑنے سے منع فرمایا ہے، ''لا تبطلوا اعمالکم''۔ (بقرہ:۲۶۴، دیکھئے: آسان تفسیر قرآن مجید)

اس کے علاوہ فقہاء نے اس قاعدے کو اصل قرار دیتے ہوئے متعدد فروعی قواعد بھی مستنبط کئے ہیں، مثلاً:

إذا ضاق الأمر اتسع..

''جب معاملہ تنگ ہو جائے تو وسعت پیدا کر دی جائے گی'' اور:

إذا اتسع الأمر ضاق..

''جب معاملہ حد سے زیادہ توسع پالے تو اسے مقید کر دیا جائے گا''۔ (الاشباہ والنظائر للسیوطی:۸۲،۸۶)

دوسرا- الضرورات تبیح المحظورات

اصول فقہ کا یہ دوسرا اساسی قاعدہ جس کے اندر یسر کا پہلو ہے؛ یعنی جہاں کہیں انسانی جان، مال، عزت وآبرو کو نقصان ہو، ایسا محسوس ہو کہ اگر وہ جواز کے دائرے میں رہا تو جان کھو دے گا، حلال کی تلاش میں نفس، مال اور عزت پر آنچ آجائے گی تو اس کیلئے وقتی طور پر حرام سے استفادے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، قرآن مجید میں اس کی اصل موجود ہے، ارشاد فرمایا گیا:

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ (انعام:۱۱۹)

''جو چیزیں تم پر حرام کی گئی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے سامنے وضاحت سے بیان کر دیا ہے، (شرح القواعد للزرقاء:۱۳۳، ۱۳۴)

سوائے اس کے کہ تم اس کو کھانے پر مجبور ہو جاؤ، (تو مجبوری میں حرام چیز کو بھی کھانے کی گنجائش ہے)''۔

اضطرار کی یہ صورت اور حکم متعدد مقام پر بیان ہوا ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کا تذکرہ عموماً حرام کے بعد

ہے،اب آپ غور کیجئے کہ جب حرام میں دشواری ہوتو گنجائش ہوسکتی ہےتو مباح میں کس قدر سہولت ہونی چاہئے۔

اس قاعدہ سے بھی بعض فروعی قاعدے بھی نکلتے ہیں، مثلاً: **الضرورات تقدر بقدرها**. (شرح القواعد للزرقاء: ۱۳۴) اس کا مفہوم یہ ہے کہ مجبوری ومخمصے میں جتنی ضرورت ہوگی اتنی ہی حرام شئی سے استفادے کی گنجائش ہوگی، یعنی اگرکسی کی جان جارہی ہواوروہ پیاسا ہےتو شراب کا ایک گھونٹ، دوگھونٹ سدرمق کیلئے کافی ہے، اب اس کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ بھر پیٹ پئے، یہ یسر کا غلط استعمال ہوگا۔ (کتاب السیر والسماحۃ فی الاسلام، فالح الصغیر:۴۵)

تیسیر قبول کرنے کا دائرہ

اسلام من عنداللہ دین ومذہب ہے، اس کی روح خدا کاحکم اور نبی مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی ہیں، جنہیں قبول کرنا اوران کے سامنے بے چوں وچرا سجدہ اطاعت بجالانا ہی مسلمان ہونے کی علامت اور بندگی کا تقاضہ ہے؛ لیکن اللہ تعالی نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے، جوتحقیق وتفتیش کا جذبہ رکھتے ہیں اور عامیانہ وکوری تقلید نہیں کرتے؛ حتی کہ ایمان بھی نہیں لاتے، فرمان باری تعالی ہے:

والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا. (فرقان:۷۳)

''اور جب ان کے رب کی آیتوں سے ان کو نصیحت کی جاتی ہے، تو ان پر بہرے اور اندھے ہوکر نہیں گرتے''۔

ایسے میں یہ بھی قابل غور امر ہے؛ کہ منبع دین واسلام یعنی حضور اکرم ﷺ کی کن باتوں پر ''امر تعبدی'' یا غیر متبدل ومحکم احکام کی بنا قرار پائے، اور کن امور کو متبدل، غیر محکم یا اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہوئے حالات وتقاضوں کے مابین موافقت پیدا کی جائے، اور آپ ﷺ کی بشری حیثیت ونبوی شخصیت کے مابین کیا تمیز وامتیاز رکھا جائے اور ان میں تیسیر کے پہلو کو فوقیت دی جائے؛ کیونکہ ظاہر ہے کہ جو امر تعبدی ہے اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں، اس کے علاوہ احکام قطعی میں بھی اطاعت اصل ہے، اگرچہ کہ یہ سب بھی یسر پر مبنی ہیں؛ لیکن ان کے علاوہ جب مسائل پیدا ہوں گے تو ان میں یسر کو اصل سمجھا جائے گا، اس بحث کی قدرے تشریح کی جاتی ہے تاکہ یہ اہم نکتہ مزید واضح ہوجائے۔

چنانچہ علماء وفقہاء اسلام نے مختلف فیہ وغیر مختلف فیہ احکام کے اعتبار سے چند اصول قرار دئے ہیں، جنہیں تین صورتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) احکام قطعیہ:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث متواترہ، جوذومعنی نہ ہوں، ان کا منکر کافر قرار پاتا ہےاوراس میں کوئی تبدیلی

نہیں ہوتی، ان کا ثبوت یقینی اور قطعی ہوتا ہے۔ مثلاً توحید، قیامت، صداقت قرآن، جنت ودوزخ، وجود ملائکہ، ختم نبوت، نزول عیسی علیہ السلام، عذاب قبر، انبیاء علیہم السلام کا قبروں میں زندہ رہنا، آخرت میں میزان، پل صراط، شفاعت، رویت باری تعالی، پانچ نمازوں کی فرضیت، رمضان کے روزوں کی فرضیت، ذی استطاعت پر حج کی فرضیت، زکوۃ کی فرضیت، سود کی حرمت، زنا کی حرمت، چوری وڈکیتی کی حرمت، شراب کی حرمت، مسواک کا سنت ہونا، قربانی، اذان وتکبیر وغیرہ۔

(۲) احکام ظنیہ:

اس سے مراد قرآن ومتواتر روایات کے علاوہ مرویات ہیں، جن کا ثبوت یقینی وقطعی نہیں؛ بلکہ وہ غلبہ ظن کے درجہ میں ثابت ہیں، مثلاً اللہ تعالی کی صفت تکوین مستقل صفت ہے یا صفت قدرت میں داخل ہے، صفات الہیہ عین ذات ہیں یا غیر ذات، عذاب قبر کی کیفیت، قبر میں زندہ رہنے کی کیفیت، انبیاء علیہم السلام افضل ہیں یا ملائکہ، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون سے نبی افضل الانبیاء ہیں، ایمان کم زیادہ ہوتا ہے یا نہیں، وضو، غسل، نماز، روزہ، حج، وغیرہ میں سے ہر ایک میں فرائض، واجبات، سنن، مستحبات کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں، یا وہ مسائل غیر منصوصہ ہیں یعنی کتاب وسنت میں ان کا ذکر نہیں ہوا جیسے ہر زمانے کے پیش آمدہ جدید مسائل وغیرہ، ان مسائل ظنیہ کو "مسائل اجتہادیہ" بھی کہا جاتا ہے۔

دراصل ان دو اقسام کے مسائل کی بنیاد شارع علیہ السلام سے مروی نصوص ودلائل کی دو قسموں پر ہے:

الف: دلائل قطعیہ:

وہ دلائل جو ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہیں اور مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں جیسے:

لا الہ الا ھو الحي القیوم، محمد رسول اللہ، أقیموا الصلاۃ، وآتوا الزکوۃ. وغیرہ۔

ب: دلائل ظنیہ:

وہ جن کا ثبوت غلبہ ظن کے درجہ میں ہے، یا ان کا مفہوم ومعنی غیر واضح ہے، پھر اگر ان خبار آحاد میں تعارض ہو جیسے رفع یدین، اور ترک القرأۃ خلف الامام کی متعارض احادیث یا مفہوم کے اعتبار سے ان میں مختلف احتمالات ہوں۔

اس کی ایک بین مثال قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

"والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قُروء"

اس آیت میں مذکور لفظ "قُروء" میں دو احتمال ہے کہ اس سے مراد طہر ہے یا حیض، خلفائے اربعہ، کثیر تعداد صحابہ رضی اللہ عنہم اور امام اعظم واحمد بن حنبل رحمہما اللہ کا ماننا ہے کہ اس سے حیض وناپاکی مراد ہے؛ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور امام شافعی رحمہ اللہ پاکی، طہر کا اعتبار کرتے ہیں، چنانچہ وہ مسائل جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں وہ قطعی ہیں اور جو دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں وہ ظنی ہیں۔

تیسیر اور رخصت

اصطلاح میں اسے کسی معاملہ کے اندر رخصت اور سہولت دینے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، اس کے دو معنی بیان کئے جاتے ہیں، پہلا: وہ حکم جو کسی عذر کی بنا پر یسر کا حکم نازل ہوا ہو، دوسرا: یہ مخصوص معنی ہے کہ کسی حرام میں رعایت دی گئی ہو، جیسے بیع سلم، عموماً رخصت کا استعمال پہلے معنی میں ہوتا ہے، دوسرے معنی میں مجازاً کبھی استعمال کرلیا جاتا ہے۔(دیکھئے: الاشباہ والنظائر لابن نجیم :۱/ ۵۷)

رخصت وتیسیر اور عبادات

اس سلسلہ میں تین صحابہ کا شوق عمل اور سبق آموز واقعہ پڑھنا فائدہ سے خالی نہیں، اس سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر یسر کا خیال رکھتے تھے، نیز معاملات میں اباحت کا قاعدہ تو ہے ہی؛ عبادات میں یسر کے پہلو بھی خاص اہمیت دی گئی ہے، جو اس واقعہ سے مزید نکھر کر سامنے آتا ہے، روایت اس طرح ہے:

عن انس بن مالك رضي الله عنه يقول جاء ثلاثة رهط إلى بيوت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم يسالون عن عبادة النبي صلى الله عليه وسلم فلما اخبروا كانهم تقالوها فقالوا واين نحن من النبي صلى الله عليه وسلم قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر قال احدهم اما انا فإني اصلي الليل ابدا وقال آخر انا اصوم الدهر ولا افطر وقال آخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إليهم فقال: انتم الذين قلتم كذا وكذا اما والله إني لاخشاكم لله واتقاكم له لكني اصوم وافطر واصلي وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني.

’’سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، تین اشخاص نبی صلی ,اللہ ,علیہ ,وآلہ ,وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھنے کے لیے نبی صلی ,اللہ ,علیہ ,وآلہ ,وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئے، جب انہیں اس کے متعلق بتایا گیا، تو گویا انہوں نے اسے کم محسوس کیا، چنانچہ انہوں نے کہا: ہماری نبی صلی ,اللہ ,علیہ ,وآلہ ,وسلم سے کیا نسبت؟ اللہ نے تو ان کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف فرمادی ہیں، ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں دن کے وقت ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے اجتناب کروں گا اور میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ نبی صلی ,اللہ ,علیہ ,وآلہ ,وسلم ان کے پاس آئے اور پوچھا: تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح، اس طرح کہا ہے، اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، رات کو نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، پس جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں‘‘۔ (رواہ البخاري: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۵/ ۱۴۰۳)

جلب مصالح اور درء مفاسد

اسلامی تعلیمات اوراس کے تمام احکام وقواعد کا خلاصہ انسانی مصالح کو مدنظر رکھنا اورانہیں مفاسد سے محفوظ کرنا ہے،اس سلسلہ میں علامہ عز بن عبدالسلامؒ نے بڑی وقیع بات لکھی ہے، یہاں پران کی تحریر کا خلاصہ نقل کردینا ہی زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے،آپ رقمطراز ہیں: تمام فقہی قواعدوفروعات کا مرجع جلب منفعت اوردفع مضرت ہے، بلکہ کل احکام کی بنیادجلب منفعت ہی ہے،اس لئے کہ دفع مضرت حصول منفعت ہی کی ایک قسم ہے۔

اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:احکام کے اندر دنیا وآخرت کے مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفع پر اعتماد کرنا ظن غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے،دنیا وآخرت کے کچھ مصالح جن کے نہ حاصل ہونے کی صورت میں دونوں جہاں کا معاملہ بگڑ جاتا ہے،اسی طرح دونوں کے کچھ مفاسد ہیں،اگر وہ دور نہ کئے جائیں تو دنیا وآخرت دونوں جہاں میں لوگوں کی تباہی ہے،ان میں سے اکثر منافع کا حصول ان کے اسباب کے پائے جانے کے بعد قطعی تونہیں ہوتا؛لیکن ظن غالب کے دائرے میں آجاتا ہے۔

آخرت کیلئے نیک کام کرنے والوں کو یہ قطعی یقین نہیں ہوتا کہ ان کا خاتمہ بالخیر ہوگا،لیکن پھربھی اللہ تعالی سے حسن ظن کی بناپراعمال خیر میں مشغول رہتے ہیں،اوراس بات سے ڈرتے بھی رہتے ہیں؛کہ کہیں وہاں ان کے اعمال کے بارے میں عدم قبولیت کا فیصلہ نہ ہوجائے،قرآن کریم کی یہ آیت اسی مفہوم کو بتلاتی ہے:**والذين يؤتون ما آتوا وقلوبهم وجلة أنهم الى ربهم راجعون** ’’اوران کو جو دینا ہے وہ دیتے ہیں اوران کے دل اس سے لرزتے ہیں؛کہ ان کو اپنے رب کے پاس واپس جانا ہے‘‘(مؤمنون:۶۰)،اسی طرح دنیا میں بھی لوگ اپنے کام اورتصرفات حسن ظن ہی کی بناپر کرتے ہیں،اس لئے کہ حصول منافع کے اسباب پائے جانے کے بعد ظن غالب یہی ہوتا ہے؛کہ ان منافع کا حصول ہوگا،لہذا ایسے مصالح سے جن کا حصول غالب ہوتا ہے محض شذوذ یا خلاف گمان ہوجانے کے اندیشہ سے صرف نظر کرلینا درست نہ ہوگا،پس سمجھ لینا چاہئے۔:’’**الشريعة قائمة على جلب المصالح للعباد,ودرء المفاسد عنهم**‘‘یعنی شریعت کا دارومدار انسانی مصالح کا خیال رکھنا،اسے اولیت دینا اوراس سے مفاسد کو دور کرنے کا ہرممکن لحاظ کرنا ہے۔

امام موصوفؒ نے متعدد امور پر گفتگو کرتے ہوئے جلب منفعت اوردفع مضرت کے اصولوں پرسیر حاصل بحث کی ہے،اوریہ بھی لکھاہے کہ:

بعض مصالح بعض دوسرے مصالح پر مقدم ہوتے ہیں اسی طرح بعض مفاسد دوسرے بعض مفاسد سے مؤخر ہوتے ہیں ،کچھ ایسے مصالح ہوتے ہیں ،جن کا حصول خود بندے کے کسب پر موقوف ہوتا ہے،اوراس کے بالمقابل ایسے مصالح بھی ہوتے ہیں جو انسان کے بس وقدرت میں نہیں ہوتے ،شریعت کے سارے احکام مصالح پر مبنی ہیں ،کبھی مفاسد کا ازالہ مقصود ہوتا ہے اورکبھی منافع کا حصول ،جب قرآن کریم کی آیت ’’**یاایھا الذین آمنوا**‘‘نظر سے

گزرے، تو اس نداء وخطاب کے بعد کی وصیت پر غور کیجئے! کبھی تو خیر پر آمادہ کیا جارہا ہوگا اور کبھی شر سے روکا جارہا ہوگا اور کبھی ایک ساتھ خیر کی تحریض اور شر پر زجر وممانعت بھی ملے گی، اللہ تعالی قرآن کریم کے اندر بعض احکام کے مفاسد کا صراحتاً بھی ذکر کرکے اس سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے اور اس طرح بعض دیگر احکام کے مصالح کو بیان کرکے اس کے حصول کی ہدایت کرتا ہے۔ (قواعد الاحکام: عز بن عبدالسلام-۱/۴-۱۰، دیکھئے: ڈاکٹر عطیہ، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی: ۸۷-۸۹)

علماء نے اس بارے میں بحث کی ہے کہ کسی چیز کو کب مصلحت مانا جائے گا اور کب اسے مفسدہ قرار دیا جائے گا؟ ابن عاشور مالکی لکھتے ہیں:

''اس خط فاصل کی تحقیق جس سے ہم کسی وصف کو مصلحت یا مفسدہ قرار دیں، الفاظ وتعبیر میں بہت مشکل ہے؛ لیکن اعتبار اور ملاحظہ میں مصلحت ومفسدہ میں فرق کرنا دشوار نہیں ہے، اس لئے کہ دنیا میں نفع خالص اور ضرر خالص کا وجود تو ضرور ہے، لیکن ضرر آمیز نفع اور نفع آمیز ضرر کے مقابلے میں خالص نفع وضرر بہت نادر ہے''۔ (مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ ص: ۶۰)

عز بن عبدالسلام نے اپنی کتاب ''قواعد الاحکام'' کی تیسری فصل میں لکھا ہے:

''یہ بات جان لینی چاہئے کہ خالص مصالح جن میں مفسدہ کا کوئی پہلو نہ ہو، نادر الوجود ہیں۔ اس لئے کہ لوگوں کے خالص منافع مثلاً غذا اور رہائش کی تحصیل بھی تگ ودو اور کام کی مشقت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور ان منافع کے حصول کے بعد بھی ان کے ساتھ ایسی مضرباتیں اور آفتیں شامل ہوتی ہیں جن سے چیزوں کی منفعت مکدر ہوجاتی ہے''۔ (قواعد الاحکام: ۱/۱۰۴)

جب مصالح ومفاسد جمع ہوجائیں

علماء نے اس صورت حال سے بھی بحث کی جس کے اندر مصالح اور مفاسد بیک وقت جمع ہوجائیں تو ایسے میں کسے ترجیح دی جائے؟، چنانچہ علامہ شاطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ: ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں، جن میں سب سے زیادہ مصالح کا خیال ہو اور وہ عرف عام میں ہو تو وہی انسانی مصالح کا پہلو ہے، اسکے برخلاف ''مفسدۃ'' میں شمار ہوگا، جس سے بچانا لازمی ہے:

''والمعتمد انما ھو انا استقربنا من الشریعۃ انھا وضعت لمصالح العباد'' (الموافقات: ۲/۳۲۲)، وایضاً ''فالمصالح والمفاسد الراجعۃ الی الدنیا انما تفھم علی مقتضی علی ما غلب، فاذا کان الغالب جھۃ المصلحۃ فھی المصلحۃ المفھومۃ عرفاً، واذا غلب جھۃ الاخری فھی المفسدۃ المفھومۃ عرفا ولذلک کان الفعل ذو الوجھین منسوباً الی الجھۃ الراجحۃ فان رجحت المصلحۃ

فمطلوب ،ويقال فيه انه مصلحة ،واذا اغلب جهة المفسدة فمهروب عنه ويقال انه مفسدة"
(الموافقات: ۲/۳۴۰)

اسی سلسلہ میں علامہ عز بن عبدالسلام لکھتے ہیں: کہ مصالح کا لحاظ اور مفاسد سے اجتناب ضروری ہے لیکن اگر مصالح اور مفاد دونوں برابر ہو جائیں تو ان دونوں میں اختیار ہے اور اگر مصالح مفاسد سے زائد ہوں تو مفاسد کو بھی برداشت کیا جاسکتا ہے:

"اذا اجتمعت مصالح و مفاسد فان امكن تحصيل المصالح ودرء المفاسد فعلينا ذلك امتثالاً لامر الله ۔۔۔فاتقوا الله ما استطعتم۔(تغابن:۱۶)،وان تعذر الدرء والتحصيل ،فان كانت المفسدة اعظم من المصلحة درأنا المفسدة ولا نبالي بفوات المصلحة ،قال الله تعالى:يسألونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما (بقرة:۲۱۹)،حرمهما لأن مفسديهما اكبر من نفعتهما۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وان كانت المصلحة اعظم من المفسدة حصلنا المصلحة مع التزام المفسدة ،وان استوت المصالح والمفاسد فقد يتخير بينهما ،وقد يتوقف فيهما ،وقد يقع الاختلاف فى تفاوت الفساد"(قواعد الاحكام: ۱/۹۸)

علامہ ابن نجیمؒ نے "الاشباہ ۸۹" میں یہی قاعدہ نقل کیا ہے: **"اذا تعارضت مفسدتان :روعی اعظمها ضرراً بارتكاب اخفها"**، ایک اور مقام پر ہے کہ: ضرر خاص کو ضرر عام کیلئے برداشت کرلیا جاتا ہے **"يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام"**.'(۸۷)

کسی دوسرے مسلک سے استفادہ

جب ایک ہی مسلک میں کسی مسئلہ کا حل نہ ملتا ہو تو اصحاب حل وعقد اور فقہ وفتاوی نے "تلفیق" کی راہ تلاش کی ہے، یعنی ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف بہ ضرورت رجوع کرنا اور ان کے مصادر و جزئیات سے استفادہ کرنا تلفیق کہلاتا ہے، جسے "عدول" سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

علامہ وھبہ زحیلی نے اسکی تعریف بہت واضح اور مناسب طور پر یوں کی ہے: **"هو الاتيان بكيفية لا يقول بها المجتهد"**، تلفیق کسی عمل کو ایسی کیفیت سے انجام دینے کا نام ہے، جس کا کوئی قائل نہ ہو، علامہ اس کی تشریح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں:

"دو یا زائد اماموں کی ایک ہی مسئلہ میں تقلید کرنا، جس کے کچھ ارکان یا جزئیات جن کا باہم تعلق ہو اور ہر ایک کا خاص حکم ہو جو ان ائمہ کے مابین اختلافی ہو اور تقلید اس طرح کرے؛ کہ ایک حکم میں ایک رائے کی مان لے اور دوسرے حکم میں دوسرے امام کی، چنانچہ وہ فعل اس طرح انجام پائے کہ دو یا دو سے زائد

مذہبوں پر مشتمل ہو' (الفقہ الاسلامی وادلتہ:۱/ ۸۶)، جیسے عبادت یا تصرف کو ایسے طریقے سے ادا کیا جائے جیسے کسی نے وضو کیا اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے ترتیب کی رعایت نہ رکھی اور اس کے جسم سے خون بہہ نکلا، پھر امام شافعی کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے نماز پڑھی تو یہ شخص تلفیق کرنے والا ہے۔(دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ:۱/ ۸۵، نیز ملاحظہ ہو: مباحث فقھیہ: ۱۸۳)

امام شافعی کے یہاں بالغہ لڑکی کا نکاح ولی کی شرکت کے بغیر نہیں ہوسکتا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے وہ خود اپنا نکاح کرسکتی ہے، امام ابوحنیفہ کے یہاں نکاح کیلئے گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، امام مالک کے نزدیک مہر نہ ہونے کی شرط لگادی جائے تو نکاح نہ ہوگا، احناف وشوافع کے یہاں ہوجائیگا، چنانچہ اگر ایک شخص بغیر ولی کے بغیر گواہوں کے اور بغیر مہر کے نکاح کرتا ہے اور مسئلہ میں اس فقیہ کے مسلک کو قبول کرتا ہے جس کی رو سے اس کا نکاح درست ہوجائے تو یہ تلفیق ہے۔(دیکھئے: قاموس الفقہ :۲/ ۵۳۳)

تلفیق یا مسئلہ عدول کا تذکرہ ساتویں صدی ہجری سے قبل کے فقہاء کے یہاں نہیں ملتا، عام طور پر دسویں صدی ہجری کے بعد متاخرین فقہاء نے اس کا تذکرہ کیا ہے؛ حالانکہ حافظ ابن حجرؒ نے تلفیق کے ممنوع ہونے پر اجماع نقل کیا ہے (اصول الفقہ الاسلامی:۲/ ۱۱۴۲)، یہی بات علامہ شامی نے بھی لکھی ہے: "**ان الحکم الملفق باطل بالاجماع**" (ردالمحتار:۱/ ۵۱) نیز شیخ علی جھوری شافعی (اصول الفقہ الاسلامی:۲/ ۱۱۴۳) اور علامہ قرافی مالکی سے بھی تلفیق کی ممانعت نقل کی گئی ہے (تیسیر التحریر:۳/ ۲۵۴)۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن حجر اور علامہ شامی رحمھما اللہ کا تلفیق کی حرمت پر اجماع ثابت کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، ڈاکٹر وھبہ زحیلیؒ نے خود شامی کی "تنقیح حامدیہ" سے نقل کیا ہے؛ کہ شیخ طرطوسی اور ابوالسعود اس کو جائز قرار دیتے تھے، یہی بات ابن نجیمؒ جیسے بلند پایہ فقیہ نے "بیع وقف" کے ایک مسئلہ میں کہی ہے، بزازیہ میں بھی تلفیق کو جائز قرار دیا گیا ہے، ابن عرفہ مالکی اور علامہ عودی کی بھی یہی رائے منقول ہے، علامہ بیجوری وغیرہ نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہی نقل کیا ہے لیکن جواز کو ترجیح دی ہے (دیکھئے: اصول الفقہ الاسلامی:۲/ ۴۹-۱۱۴۸)۔

اس تعلق سے یہ بات واضح رہے کہ تلفیق ایک وسیع مطالعہ اور علوم اسلامیہ کی گہری واقفیت پر منحصر ہے اور خواہشات نفسانی کی اتباع کرتے ہوئے تحریم وتحلیل سے کام لینا جائز نہیں، علامہ محمد سعید کا ماننا ہے کہ: "بعض تلفیقات ایسی ہیں جو بذات خود تو باطل نہیں مگر درپیش عوارض واحوال کی وجہ سے ناجائز ہوتی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

۱-رخصتوں کو عمداً ڈھونڈ کر تلاش کرنا، جیسے ہر مذہب کی آسان اور نرم باتوں کو بلاضرورت وعذر اختیار کرلینا۔

۲-وہ تلفیق جو قاضی یا حاکم وقت کے حکم کو توڑنے کا سبب بنے؛ کیونکہ حاکم یا قاضی کا حکم اختلاف کو منع کرتا ہے۔

۳-وہ تلفیق جو ایسی چیز سے رجوع لازم کرے، جو ایک مرتبہ تقلیداً انجام دی جاچکی ہو۔(دیکھئے: عمدۃ التحقیق فی التقلید والتلفیق :۱۸۷- ط:۱۹۸۱)

الغرض تلفیق کے جواز کا ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز شریعت کے اصولوں اور بنیادوں کی پامالی کا سبب بنے اور اس کی تدبیروں اور حکمتوں کے زوال یا ختم ہونے کا ذریعہ ہو وہ ناجائز ہے، اور بالخصوص ممنوعات شرعی جیسے شراب وجوا یا چوری ڈکیتی اور لوٹ کھسوٹ وغیرہ، اس کے برعکس جو غیر شرعی بنیادوں کی پختگی کا ذریعہ بنے، شریعت کی حکمت بتائے ،جس میں لوگوں کیلئے دونوں جہانوں کیلئے بہتری مضمر ہو، جو عبادت کو ان کیلئے آسان کرے اور معاملات میں ان کیلئے فوائد کی حفاظت کرے تو وہ جائز اور مطلوب ہے، اس سلسلہ میں علامہ شامی نے بھی لکھا ہے کہ: ''اگر کسی نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کرلیا تو اسکو تعزیری سزا دی جائے گی ،یعنی یہ تبدیلی مذہب بغیر کسی پسندیدہ شرعی مقصد کے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔اور اگر کسی نے اپنے مذہب کو کسی واضح اجتہادی رائے کی وجہ سے چھوڑا (نہ صرف یہ جائز بلکہ) قابل ستائش اور قابل اجر عمل ہوگا؛ البتہ اگر یہ تبدیلی مذہب بغیر کسی شرعی (معتبر) دلیل کے ہو یا کسی دنیوی غرض سے ہو تو ایسا عمل قابل مذمت وگناہ ہے، جس پر مرتکب تعزیر وتادیب کا حقدار ہوگا:

مطلب فیما اذا ارتحل الی غیر مذهبه..ای اذا کان ارتحاله لا لغرض محمود شرعا، ...اما انتقال غیره من غیر دلیل بل لما یرغب من عرض الدنیا وشهوتها فهو المذموم الآثم المستوجب للتأدیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه ومذهبه ۔ (حاشیه رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار: ۸۰/۴)

ہندوستان میں تیسیر

ہندوستان میں تیسیر کے پہلو کو اختیار کرنا شرعی تقاضہ ہے، اس تناظر میں اسلاف نے بہت سے مسائل میں راہ نکالی بھی ہے، معاملات میں شئر مارکیٹ اور خرید وفروخت کی متعدد شکلوں کے ساتھ عبادات میں قاضی کی تعیین، جمعہ و عیدین کا قیام اور پھر کورونا کے زمانے میں تعدد جماعت اور جمعہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ اب ملک کی صورت حال کیا ہے، جذبات اور قانونی باتیں اپنی جگہ؛ لیکن حقیقت ان سب سے پرے ہے، چنانچہ گزشتہ سال مجلس نے عوامی مقامات پر نماز کے مسئلہ پر بحث کی اور بہت حد تک یہ بات سامنے آئی کہ خطرات اور اندیشے ملحوظ رکھتے ہوئے نماز قضا کی جاسکتی ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے ضرورت وحاجت کے دائرہ پر بحث کی، جس میں سینکڑوں ایسے مسائل زیر بحث آئے جن میں ملک عزیز کے پیش نظر یسر کے پہلو کو سامنے رکھا گیا، اس پہلو پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے، جمعہ کی نماز میں اگر کسی مسجد میں تعداد حد سے زیادہ ہوجائے اور لوگ عوامی مقامات استعمال کرتے ہوں تو وہاں اسی مسجد میں تعدد جمعہ، یا کسی مناسب جگہ پر جمعہ کا حکم، سونا اور چاندی میں چاندی کو معیار بنانے کا مسئلہ جس پر مجلس بحث کرچکی ہے، مگر مزید اس مسئلہ تشفی بخش بحث کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وغیرہ۔

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

تمہید

اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، جو قیامت تک باقی رہنے کے لئے آیا ہے، اب کوئی دوسرا دین نہیں آئے گا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس دین کے اندر ایسی لچک کی ضرورت تھی جو ہر زمانہ اور ہر جگہ فٹ ہو سکے، نیز ایسی آسانیوں کی بھی ضررت تھی، جن کی وجہ سے ہر انسان کو اس کے احکام اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا آسان ہو سکے، اسی لئے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قرآن نازل کیا گیا، اسے بھی آسان قرار دیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولقد یسرنا القرآن للذکر، فھل من مدکر۔

جس نبی پر یہ قرآن نازل کیا گیا، اس نبی کو بھی عالم کے لئے رحمت بنایا گیا: **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین**، اس نبی نے خود اپنی زبان سے فرمایا: **ان اللہ لم یبعثنی معنتاً و لا متعنتاً، و لکن بعثنی معلماً و میسراً (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۷۸)** پھر امت کو بھی اس نبی نے یہی تعلیم دی، فرمایا:

یسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۹)۔

خلاصہ یہ کہ دین بہت آسان ہے اور امت پر آسانی پیدا کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے، لہٰذا ضرورت تھی کہ اس کے اس پہلو کو اجاگر کیا جائے، مجلس تحقیقات شرعیہ مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے اپنے اس سیمینار کے لئے یسر وتیسیر کے موضوع کو اختیار کیا اور اس تعلق سے ایک سوال نامہ مرتب کر کے اہل علم کی خدمت میں ارسال کیا، انھیں سوالات کا ذیل میں جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ راہ سداد کی توفیق دے، آمین!

سوال نمبر (۱): شریعت اسلامی میں ’’تیسیر‘‘ کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا حکمت ہے؟ اس بارے میں اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب: اس سوال کے اندر تین شقیں ہیں:

(۱) شریعت اسلامی میں تیسیر کس کو کہتے ہیں؟

(۲)اس کی حکمت کیا ہے؟

(۳)اس بابت اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟

جہاں تک پہلی شق کی بات ہے تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہمیں اس کے لغوی معنی کو دیکھنا ہوگا، پھراس کی اصطلاحی معنی پر نظر ڈالنی ہوگی اور پھراس کے بعد اس کے قرآنی معانی پر بھی غور کرنا ہوگا، تب ہی بات واضح ہوسکے گی۔

لغوی معنی

اس سلسلہ میں چار الفاظ مستعمل ہوتے ہیں: الیُسر، الیسار، المیسَرۃ اور المیسُرَۃ، ان تمام کے معنی ''سہولت'' اور ''تونگری'' کے ہیں (لسان العرب، ص:۴۹۵۸، معجم الرائد، ص:۸۷۸)

شرعی/اصطلاحی/مرادی معنیٰ

متعدد علماء نے مختلف الفاظ میں اس کی تعریف کی ہے، وہ تعریفات درج ذیل ہیں:

۱۔سعید فافا لکھتے ہیں:

وأما مفهوم التيسير فی الاصطلاح الشرعی: فهو صفة حكمية توجب التخفيف على المكلف مراعاة لحاله من حيث تمكينه من القيام بمتعلقات الأحكام الشرعية وإقداره عليها تصوراً وتصرفاً (فقه التيسر عند الإمام مالک، ص:٦)

۲۔ڈاکٹر عبدالرقیب صالح محسن شامی لکھتے ہیں:

بناء الأحكام الشرعية وفق القدرة البشرية العادية، ومراعاة الأحوال الطارئة والاستثنائية بأحكام خاصة (فقه التيسير فی الشريعة الإسلامية، ص:١٥)

۳۔معالی الشیخ عبداللہ بن محمد بن سعد آل خنین لکھتے ہیں:

الأخذ بلأخف من الاحتمالات عند الاستنباط وتقرير الأحكام، أو الأخف من أقوال الفقهاء عند الاختلاف بينهم (التيسير الفقهی: ضوابط ومحاذير، ص:٨)

۴۔فالح بن محمد بن فالح صغیر لکھتے ہیں:

تطبيق الأحكام الاشرعية بصورة متعدلة كما جاءت فی كتاب الله وسنة نبيه ﷺ من غير تشدد يحرم الحلال ولا تميع يحلل الحرام (اليسر والسماحة فی الإسلام، ص:٨، doc file)

۵۔ڈاکٹر منصور محمد منصور حفناوی لکھتے ہیں:

اليسر: تسهيل الأمر حتى يأتيها الإنسان من غير أن تلحقه مشقة، أو يقع فی حرج (التيسير فی التشريع الإسلامی، ص:١٦)

۶۔موسوعۃ نضرۃ النعیم میں ہے:

ہو رفع المشقۃ والحرج عن المکلف بأمر من الأمور لا یجہد النفس ولا یثقل الجسم (موسوعۃ نضرۃ النعیم فی مکارم أخلاق الرسول الکریم: ۱۴۰۰/۴)

یسر کے قرآنی معانی

’’یسر‘‘ کا لفظ قرآن میں متعدد جگہوں پر مختلف معانی کے ساتھ وارد ہوا ہے، ان معانی پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہئے، یہ معانی درج ذیل ہیں:

۱۔سہولت: کئی سورتوں میں یسر کا لفظ سہولت کے معنی میں استعمال ہوا ہے؛ چنانچہ سورۂ قمر: ۱۷، ۲۲، ۳۲، و ۴۰، سورۂ مریم: ۹۷، سورۂ ذاریات: ۳، سورۂ دخان: ۵۸، سورۂ طٰہٰ: ۲۶ اور سورۂ اعلیٰ: ۸ میں اسی معنی میں ہے۔

۲۔تخفیف و تسہیل: بعض سورتوں، جیسے: سورۂ بقرہ: ۱۸۵، سورۂ طلاق: ۵ اور سورۂ کہف: ۸۸ میں اسی معنی میں یہ لفظ مستعمل ہے۔

۳۔آسان: اردو زبان میں آسان کا لفظ جس معنی پر دلالت ہے، بعض آیات میں یسر کا لفظ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے، جیسے: سورۂ حج: ۷۰ اور سورۂ عنکبوت: ۱۹ میں ہے۔

۴۔خفی: قرآن میں اس لفظ کو ’’خفی‘‘ یعنی غیر محسوس اور تیزی کے ساتھ کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے، جیسے: سورۂ فرقان: ۴۵۔۴۶ میں۔

۵۔قلیل: یسر کے ایک معنی قلیل کے بھی آتے ہیں، جیسے: سورۂ یوسف: ۶۵ میں ہے۔

۶۔رخاء و فرج: اس کے ایک معنی خوش حالی اور گشادگی کے آتے ہیں، جیسے: سورۂ الم نشرح: ۵۔۶ اور سورۂ طلاق: ۷ میں ہے۔

۷۔وعدۂ حسن: قرآن میں اس کے ایک معنی ’’وعدۂ حسن‘‘ کے ہیں، جیسے: سورۂ اسراء: ۲۸ میں ہے۔(دیکھئے: الیسر فی القرآن الکریم لحسن بن علی الشہرانی، ص: ۱۵۔۱۸)

مذکورہ تمام سطور کو سامنے رکھنے سے جو بات معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں تیسیر سے مراد: ’’تکلیف ما یطاق‘‘ ہے، یعنی بندہ اپنی طاقت کے مطابق فرموداتِ خدا پر عمل پیرا ہو جائے، اس میں نہ غلو و شدت سے کام لے اور نہ ہی استخفاف و ہلکا پن دکھایا جائے۔

جہاں تک دوسری شق اس کی حکمت کیا ہے؟ کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں جو تیسیر رکھی گئی ہے، اس کی چند حکمتیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔مقاصد کی تکمیل: اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بھیجنے کے بعد کچھ احکام بھی ان کو کرنے کے لئے دئے ہیں، جن میں

’’جلب منفعت‘‘ اور’’ دفع مضرت‘‘ کے پہلو کا خوب خیال رکھا گیا ہے اور دو امور تمام احکام کے مقاصد ہیں، اگر احکام میں یسر کے پہلو کو سامنے رکھا جائے گا تو ان مقاصد کی براری جلدی ہو جائے گی؛ لیکن اگر شدت کا پہلو نمایاں ہو تو پھر مقاصد پر عمل درآمد گی مشکل ترین ہو جائے گی۔

۲۔ دوام واستمرار: احکام کا مقصود یہ ہے کہ بندہ ان کو ہمیشہ کرتا ہے، اگر ان کو آسان بنایا جائے گا تو بندہ اس میں ہمیشگی اختیار کرسکتا ہے؛ لیکن اگر ان کو مشکل بنایا دیا جائے تو بندہ اکتا کر چھوڑ دے گا، تو یسر اور تیسیر کا ایک مقصد یہ بھی ہے بندہ احکام میں ہمیشگی کرے۔

۳۔ دخول اسلام کی ترغیب: جب غیر مسلم اسلام کے آسان احکام پر نظر کریں گے تو انھیں اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب ہوگی، اس کے برخلاف اگر انھیں سختی نظر آتی تو یہ برگشتہ بننے کا سبب جاتا۔

۴۔ اللہ کی مہربانی کا اظہار: یسر کی ایک اہم حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے کہ وہ بندہ پر اتنا مہربان ہے کہ کوئی کام اس کی طاقت سے بڑھ کے اس کے سپرد نہیں کرتا۔

۵۔ شریعت کی بقاء کی تائید: احکام میں یسر کے ذریعہ اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ شریعت قیامت تک باقی رہنے والی ہے اور ہر زمانہ وہر جگہ کے لئے پرفیکٹ اور مناسب ہے؛ کیوں کہ وہی شریعت قیامت تک باقی رہ سکتی ہے، جس کے اندر ہر زمانہ میں رہنمائی کی صلاحیت موجود ہو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ احکام میں یسر وتیسیر کا پہلو پایا جائے گا۔ (دیکھئے: فقه التيسير فی الشريعة الإسلامية، ص: ۱۸)

اب تیسری شق ’’اس بابت اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟‘‘ بھی دیکھ لیتے ہیں، اصولیین کے نزدیک بھی یسر کے تقریباً وہی معنی مراد لئے گئے ہیں، جو اوپر مذکور ہوئے ہیں؛ چنانچہ احمد بن محمد بن اسحاق شاشی ’’رخصت‘‘ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> وأما الرخصة: فعبارة عن اليسر والسهولة، وفی الشرع: صرف الأمر من عسر إلی يسر بواسطة عذر فی المكلف (اصول الشاشی، ص: ۲۶۴، تحقيق: الدكتور اكرم الندوی، ط: دار الغرب بيروت)

اسی کے ساتھ ساتھ اصولیین نے ایسے قواعد مرتب کئے ہیں، جو یسر وآسانی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے: المشقة تجلب التيسير، الضرورات تبيح المحظورات، الأمر إذا ضاق اتسع، وإذا اتسع ضاق وغیرہ، نیز اصول فقہ میں بھی استحسان، استصلاح اور مصالح مرسلہ کی جو اصطلاحات ہیں، وہ سب یسر پر دلالت کرتے ہیں، بس معلوم ہوا کہ اصولیین کے نزدیک بھی یسر ایک مسلم امر ہے، جس کی رعایت کی گئی ہے۔

سوال نمبر (۲): شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں کیا ہیں؟ نیز تیسیر کے اسباب کیا ہیں اور اس کا دائرہ کیا ہے؟

جواب: اس سوال کے اندر بھی تین شقیں ہیں:

۱) تیسیر کی بنیادیں کیا ہیں؟

۲) تیسیر کے اسباب کیا ہیں؟

۳) تیسیر کا دائرۂ کار کیا ہے؟

جہاں تک تیسیر کی بنیاد کا تعلق ہے تو بنیادی طور پر چار ہیں:

(الف) قرآن مجید: اس کی سب سے پہلی بنیاد قرآن مجید ہے، اس کی مختلف آیات میں اس کی صراحت کی گئی ہے، کچھ آیات درج ذیل ہیں، جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) نصوص عامہ: یہ درج ذیل ہیں:

ویضع عنہم إصرہم والأغلال التی کانت علیہم(الأعراف: ۱۵۷)ربناولاتحمل علینا إصراً کما حملتہ علی الذین من قبلنا (البقرۃ: ۲۸۶) لایکلف اللہ نفساً إلا وسعہا (البقرۃ: ۲۸۶) یرید اللہ بکم الیسرولایرید بکم العسر (البقرۃ: ۱۸۵) ماجعل علیکم فی الدین من حرج(الحج: ۷۸) یرید اللہ أن یخفف عنکم وخلق الإنسان ضعیفا (النساء:۲۸) ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطہرکم(المائدۃ:۶)

(ب) نصوص خاصہ: یہ درج ذیل ہیں:

وَإِنْ كُنتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيداً طَيِّباً (النساء:۴۳) وإن كنتم مرضى أو على سفر أو جاء أحد منكم من الغائط أو لمستم النساء، فلم یجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً (المائدۃ:۶) فإن خفتم فرجالاً أورکباناً (البقرۃ ۲۳۹) الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ (الأنفال:۶۶) أحل لکم لیلۃ الصیام الرفث إلی نسائکم (البقرۃ: ۱۸۷) لیس علی الأعمی حرج ولا علی الأعرج حرج ولا علی المریض حرج (الفتح:۱۷)

یہ تمام اور ان جیسی مختلف آیات تخفیف اور تیسیر پر دلالت کررہی ہیں۔

(ب) سنت رسول ﷺ: اس کی دوسری بنیاد سنت رسول ﷺ ہے، مختلف احادیث میں تیسیر کا حکم دیا گیا ہے؛ بل کہ بعض موقعوں پر تیسیر نہ کرنے کی صورت میں آپ نے ناراضگی کا بھی اظہار فرمایا ہے، یہ احادیث بھی دو طرح کی ہیں:

(الف) عام: چند احادیث درج ذیل ہیں:

إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ

وشيءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ. (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۹)

ما خُيِّرَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ بيْنَ أمْرَيْنِ قَطُّ إلَّا أخَذَ أيْسَرَهُمَا، ما لَمْ يَكُنْ إثْمًا، فإنْ كانَ إثْمًا كانَ أبْعَدَ النَّاسِ منه، وما انْتَقَمَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ لِنَفْسِهِ في شيءٍ قَطُّ، إلَّا أنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللَّهِ، فَيَنْتَقِمَ بهَا لِلَّهِ. (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۱۲۶)

إنَّما بُعِثْتُم مُيَسِّرينَ ولَمْ تُبْعَثوا مُعَسِّرِيْنَ (سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۱۴۷، سنن أبی داود، حدیث نمبر: ۳۸۰)

إن الله يحب أن تؤتى رخصه، كما يكره أن تؤتى معصيته (مسند احمد، حدیث نمبر: ۵۸۶۶، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۲۷۴۲)

(ب) خاص: بعض احادیث میں مخصوص اعمال وافعال کا ذکر ہے، چند یہ ہیں:

صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنب (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۱۱۷)

ألا صلوا في الرحال (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۶۶، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۶۹۷)

لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواک عند کل وضوء (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۲۴۰، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۲)

إني لأقوم إلى الصلاة وأنا أريد أن أطول فيها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز كراهية أن أشق على أمة (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۸۶۸)

ان تمام احادیث سے تیسیر کا ذکر ہے۔

(ج) آثار صحابہ: تیسیر کی تیسری بنیاد آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں کہ یہ وہ جماعت ہے، جنھوں نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تربیت حاصل کی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے حق میں کس طرح تیسیر کا معاملہ فرمایا تھا؟ یہ حضرات اس کے مشاہدین میں تھے، لہٰذا انھوں نے بھی اس پہلو کو سامنے رکھا، عمیر بن اسحاق ان کے تعلق سے فرماتے ہیں:

لما ادركت من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أكثر ممن سبقني منهم، فما رأيت قوماً أيسر سيرة ولا أقل تشددا منهم (الاعتصام للشاطبی، ص: ۳۹۵)

اب اس تعلق سے چند مثالیں دیکھ لیتے ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

خرج عمر رضی اللہ عنہ فی رکب فیهم عمرو بن العاص؛ حتی وردوا حوضاً، فقال عمرو: یا صاحب الحوض! هل ترد حوضک السباع؟ فقال عمر: لا تخبرنا، فإنا نرد السباع وترد علینا (المؤطا، حدیث نمبر: ۲۲، مختصر خلافیات البیهقی: ۱/۳۸۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

من کان مستناً فلیستن بمن قدمات، فإن الحی لا تؤمن علیه الفتنة، أولئک أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانوا والله أفضل هذه الأمة، وأبرها قلوباً وأعمقها علماً، وأقلها تکلفاً، قوم اختارهم الله لصحبة نبیه وإقامة دینه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم فی آثارهم، وتمسکوا بما استطعتم من أخلاقهم ودینهم، فإنهم کانوا علی الهدی المستقیم (جامع بیان العلم وفضله لابن عبدالبر: ۲/ ۹۴۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

إنما أراد الله بالفطر فی السفر التیسیر علیکم، فمن یسر علیه الصوم فلیصم، ومن یسر علیه الفطر فلیفطر (شرح معانی الآثار: ۲/۶۲)

(د) آثار تابعین: تیسیر کی تیسری بنیاد آثار تابعین ہیں، یہ وہ حضرات ہیں، جن کی تربیت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کی تھی، ظاہر ہے کہ ان کے اندر بھی وہی صفات تھے، جو حضرات صحابہ میں تھے، ان کے یہاں بھی تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھا جاتا تھا، کئی مثالیں ہمیں مل جاتی ہیں:

محمد بن عبداللہ بن أبی مریم کہتے ہیں:

انکسر ظفری وأنا محرم، فآذانی فقطعته، فسألت سعید بن جبیر، فقال: هل آذاک؟ فقلت: نعم! فقال: فاقطعه یا ابن أخی (یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر) [البقرة: ۱۸۵] (مصنف ابن أبی شیبة، اثر نمبر: ۱۲۷۵۷)

حضرت حسن کا قول ہے:

من أم الناس فی رمضان فلیأخذ بهم الیسر، فإن کان بطیء القراءة فلیختم القرآن ختمة، وإن کان قراءته بین ذلک، فختمة ونصف، فإن کان سریع القراءة فمرتین (مصنف ابن أبی شیبة، اثر نمبر: ۷۶۷۹)

(ھ) قواعد: تیسیر کی چوتھی بنیاد قواعد ہیں، جن میں تین طرح کے قواعد شامل ہیں:

۱) فقہی قواعد ۲) اصولی قواعد ۳) مقاصدی قواعد

فقہی قواعد

چندوہ فقہی قواعد، جن میں تیسیر کی رعایت کی گئی ہے، درج ذیل ہیں:

المشقة تجلب التيسير

إذا ضاق الأمر اتسع، وإذا اتسع ضاق

اليقين لا يزول بالشک

الأصل فی الأشياء الإباحة

الضرورات تبيح المحظورات

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة

العادة محكمة

الفتوى تتغير بتغير الزمان والمكان والحال۔

اصولی قواعد

تیسیر سے متعلق چند اصولی قواعد درج ذیل ہیں:

ا) استحسان (۲) مصالح مرسلہ (۳) عرف (۴) استصحاب، یہ سب وہ قواعد ہیں، جن میں تیسیر کا پہلو صاف طور پر نظر آتا ہے، ان کے علاوہ ''رخصت''، ''احکام تکلیفیہ ووضعیہ'' اور خود ''نظریۂ تکلیف'' پر بھی نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو بھی احکام دئے ہیں، ان سب میں تیسیر اور رفع حرج کو پیش نظر رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک بنیادی اصول کے طور پر فرما دیا ہے: **لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها۔**

مقاصدی قواعد

مقاصدی قواعد میں دو تین باتیں زیادہ اہم ہیں، ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ بندوں کو جو بھی احکام دئے گئے ہیں، ان میں دو چیزوں کو سامنے رکھا گیا ہے: (ا) دفع مضرت (۲) جلب مصلحت، امام شاطبی فرماتے ہیں:

المعلوم من الشريعة أنها شرعت لمصالح العباد، فالتكليف كله إما لدرء مفسدة، وإما لجلب مصلحة، أو لهما معاً (الموافقات: ۳۱۸/۱)

لہٰذا سب سے پہلے مقاصدی قواعد میں اسی کو بنیاد بنایا جائے گا۔

مقاصدی قواعد میں دوسرے نمبر پر ''اعتبار المآلات'' (نتائج کا اعتبار) کرنا ہے، جس کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر احمد ریسونی لکھتے ہیں:

ومعناه: النظر فيما يمكن أن تؤول إليه الأفعال والتصرفات والتكاليف موضوع الاجتهاد والإفتاء

والتوجيه، وإدخال ذلک فی الحسبان عندالحکم والفتوی(الاجتهاد بین النص والواقع والمصلحة،ص:٦٧)

اس کے معتبر ہونے کے تعلق سے علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

النظر فی مآلات الأفعال معتبر مقصود شرعاً، کانت الأفعال موافقةأو مخالفة، وذلک أن المجتهد لایحکم علی فعل من الأفعال الصادرة عن المکلفین بالإقدام أو بالإحجام إلا بعدنظره إلی ما یؤول إلیه ذلک الفعل، مشروعاً لمصلحةفیه تستجلب، أو لمفسدة تدرأ (الموافقات: ۱۷۷/۵)

مآل کے اعتبار کے تعلق سے قرآن وحدیث میں بھی تذکرہ موجود ہے، ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ فیسبوا اللّٰہ عدواً بغیر علم (الأنعام:۱۰۸)

اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن من أکبر الکبائر أن یلعن الرجل والدیه، قیل: یا رسول اللّٰہ! وکیف یلعن الرجل والدیه؟ قال: یسب الرجل أبا الرجل فیسب أباه، ویسب أمه فیسب أمه (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۷۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۶)

مقاصدی قواعد میں تیسرے نمبر پر ''رفع الحرج'' کا قاعدہ آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو بھی احکام بندوں کو دیئے ہیں، ان کے اندر کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، ان مقاصد میں ایک اہم مقصد ''مکلفین سے حرج کو دور کرنا'' ہے، اس سلسلہ میں قرآن میں صراحت موجود ہے، ارشاد ہے:

ما یرید اللّٰہ لیجعل علیکم من حرج (المائدة:۶)

دوسری جگہ ہے:

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (الحج:۷۸)

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے:

وضع اللّٰہ الحرج (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۴۵۴)

خلاصہ یہ کہ: تیسیر کی پانچ بنیادیں ہیں: قرآن، حدیث، آثار صحابہ، آثار تابعین اور فقہی، اصولی ومقاصدی قواعد، انھیں بنیادوں پر تیسیر کے پہلو کی رعایت کی جائے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقه التیسیر فی الشریعة الإسلامیة للدکتور عبدالرقیب صالح محسن الشامی، ص:۲۵ ومابعدہا)۔

جہاں تک دوسری شق (تیسیر کے اسباب کیا ہیں؟) کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسباب کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: التیسیر فی التشریع الإسلامی للدکتور منصور محمد منصور

الحفناوی، ص: ۱۲۰۔ ۳۱۰):

(الف) اختیاری اسباب: اس سے مراد وہ اسباب ہیں، جن میں بندہ کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہوتا ہے، جیسے: سفر، اس کی وجہ سے شریعت نے کئی قسم کی تیسیر کی رعایت کی ہے، رباعی نمازوں میں قصر۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وإذا ضربتم فی الأرض فلیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلاۃ (النساء: ۱۰۱)

سفر میں رمضان کے روزے نہ رکھنے کی اجازت۔ (قرآن مجید میں ہے:

فمن کان منکم مریضاً أو علی سفر فعدۃ من أیام أخر [البقرۃ: ۱۸۴])

جمع بین الصلاتین کی رخصت۔ (حضرت معاذؓ فرماتے ہیں:

خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی غزوۃ تبوک فکان یصلی الظہر والعصر جمیعاً والمغرب والعشاء جمیعاً (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۷۰۶)

تین دن تک خف پر مسح کی گنجائش۔ (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

جَعَلَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ ثَلاثَةَ أيَّامٍ ولَيالِيَهُنَّ لِلْمُسافِرِ، ويَوْمًا ولَيْلَةً لِلْمُقِيمِ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۷۶)

مسافر یا مریض کے لئے جمعہ۔ (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الجمعۃُ حقٌّ واجبٌ علی کلِّ مسلمٍ في جماعۃٍ إلا أربعۃً عبدٌ مملوکٌ أو امرأۃٌ أو صبيٌّ أو مریضٌ (صحیح أبی داود، حدیث نمبر: ۱۰۶۷)

نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع سے جمعہ کے دن عرفہ میں ظہر کی نماز پڑھی، جمعہ نہیں۔ اور حالت سفر میں ان کے یہاں قربانی میں رعایت، جن کے یہاں یہ واجب ہے (بدائع الصنائع: ۴/۱۹۶، المحیط البرہانی: ۶/۸۷) وغیرہ۔

(ب) اضطراری یا طبعی اسباب: اس سے مراد وہ اسباب ہیں، جن میں عمومی طور پر بندہ کا عمل دخل نہیں ہوتا یا پھر کم ہوتا ہے، یعنی انسان اس میں یا تو کسی انسانی دباؤ کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے یا پھر طبعی طور پر اس کے لئے ناگزیر ہوتا ہے، ان اسباب کی دو اہم بنیادیں ہو سکتی ہیں:

۱) حاجت: حاجت کی وجہ سے بہت سارے احکام میں رعایت رکھی گئی ہے، جیسے: عقد سلم کہ اصولاً اس کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے تھی؛ لیکن حاجت کی وجہ سے گنجائش ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

من أسلف فی شئ ففی کیل معلوم ووزن معلوم إلی أجل معلوم (بخاری، حدیث نمبر: ۲۲۴۱)

عقد اجارہ کہ اصول کے لحاظ سے اس کی بھی گنجائش نہیں ہونی چاہئے تھی؛ لیکن لوگوں کی حاجت کو دیکھتے ہوئے

گنجائش دی گئی ۔(قرآن مجید میں ہے:فإن أرضعن لکم فآتوھن أجورھن (الطلاق:٦)اور حدیث میں ہے:

أن رسول اللہ ﷺ احتجم، وأعطی الحجام أجره، واستعط (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۰۲)

وصیت کو جائز قرار دیا گیا؛ حالاں کہ اصول کے اعتبار سے درست نہیں ہونی چاہئے ؛ کیوں کہ عقد میں اصل یہ ہے کہ وہ منجز (فوری طور پر) ہو، جب کہ یہ منجز نہیں ہوتی ؛ لیکن لوگوں کی حاجت کو دیکھتے ہوئے گنجائش دی گئی ہے(قرآن میں ہے:

کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت إن ترک خیرا الوصیة للوالدین والأقربین بالمعروف حقاً علی المتقین(البقرة:۱۸۰)

البتہ حدیث سے وارثین میں حق میں وصیت غیر معتبر ہے (لا وصیة لوارث)، وصیت کے تعلق سے حدیث میں ہے:

إن اللہ تصدق علیکم عندوفاتکم بثلث أموالکم زیادة لکم فی أعمالکم(نصب الرایة، کتاب الوصایا:۲۱۴/۵، موسوعة الحافظ ابن حجر الحدیثیة: ۲/۲۵۵)۔

۲) اضطرار: اضطرار ایسی حالت کو کہتے ہیں، جس میں انسان کے لئے کسی کام کی انجام دہی اس آکسیجن کے مثل قرار پاتی ہے، جس کے ذریعہ سے اس کی زندگی کی گاڑی میں روانی باقی رہتی ہے، ایسے وقت میں بہت سارے ایسے امور کی اجازت دی گئی ہے، جن کی اجازت عام حالت میں نہیں ہے، جیسے: عام حالت میں اتنا کھانے کا حکم، جس کی وجہ سے جسم میں طاقت باقی رہے۔(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کلوا واشربوا ولا تسرفوا، إنه لا یحب المسرفین (الأعراف:۳۱)، اس آیت کے ضمن میں علامہ ابن قیم رقم طراز ہیں:

لقد أرشد سبحانه عباده إلی إدخال ما یقیم البدن من الطعام والشراب عوض ما تحلل منه، وأن یکون بمقدار ما ینتفع به البدن، فی الکمیة والکیفیة، فمتی جاوز ذلك کان إسرافًا، وکلاهما مانع من الصحة، جالب للمرض، أعني: عدم الأکل والشرب أو الإسراف فیه.[الطب النبوی، ص:۱۹]

اور الموسوعة الفقهیة میں ہے: مَنِ امْتَنَعَ مِنَ الْمُبَاحِ حَتَّی مَاتَ کَانَ قَاتِلًا نَفْسَهُ، مُتْلِفًا لَهَا عِنْدَ جَمِیعِ أَهْلِ الْعِلْمِ؛ لِأَنَّ الأَكْلَ لِلْغِذَاءِ وَالشُّرْبَ لِدَفْعِ الْعَطَشِ فَرْضٌ بِمِقْدَارِ مَا يَدْفَعُ الْهَلاَكَ، فَإِنْ تَرَكَ الأَكْلَ وَالشُّرْبَ حَتَّى هَلَكَ فَقَدِ انْتَحَرَ؛ لِأَنَّ فِيهِ إِلْقَاءَ النَّفْسِ إِلَى التَّهْلُكَةِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ فِي مُحْكَمِ التَّنْزِيلِ. وَإِذَا اضْطُرَّ الإِنْسَانُ لِلأَكْلِ أَوِ الشُّرْبِ مِنَ الْمُحَرَّمِ كَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ والخمر حَتَّى ظَنَّ الْهَلاَكَ جُوعًا لَزِمَهُ الأَكْلُ وَالشُّرْبُ، فَإِذَا امْتَنَعَ حَتَّى مَاتَ صَارَ قَاتِلًا نَفْسَهُ، بمنزلة من ترک أکل الخبز وشرب الماء فی حال الإمکان؛ لأن تارکه ساع فی إہلاک نفسه.[الموسوعة الفقهیة، لفظ: انتحار: ۶/۲۸۲])

یامردار کھانے کی اجازت ایسے وقت میں، جس میں کھائے بغیر جان جاسکتی ہو۔قرآن مجید میں ہے: **فمن اضطر غیر باغ ولا عاد، فلا إثم علیه (البقرة: ۱۷۳)**

یاایسی حالت میں دوسرے کا مال بغیراس کی اجازت کے کھانا (قاعدہ ہے: **الضرورات تبیح المحظورات**)، یا حرام کردہ چیزوں کے کھانے پر اکراہ کیا جائے۔حدیث میں ہے: **إن اللہ تعالیٰ وضع عن أمتی الخطأ والنسیان، وما استکرھوا علیه** (سنن ابن ماجۃ، حدیث نمبر: ۲۰۴۵، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۷۲۱۹)

تو یہ تمام صورتیں وہ ہیں، جن میں انسان کو ایسی چیزوں کی اجازت دی گئی ہے، جن کی اجازت عام حالتوں میں نہیں دی گئی ہے۔

(ج) اختیار و اضطرار کے مابین اسباب: اس سے مراد وہ اسباب ہیں، جن میں انسان کو یک گونہ اختیار بھی ہوتا ہے اور کسی ناگزیر سبب کی بنا پر یک گونہ وہ اضطرار میں بھی شامل ہوتا ہے، اس کی بہت ساری صورتیں ہیں، جن میں چند یہ ہیں:

الف) علم کا نہ ہونا: یعنی انسان وہ کام تو کرسکتا ہے؛ لیکن اس کام کے تعلق سے انسان کو علم ہی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس کے تعلق سے انسان کو علم ہی نہیں ہے، اس میں وہ قابل گرفت بھی نہیں ہوگا، جیسے: عدم واقفیت کی بنیاد پر حدود میں تخفیف رکھی گئی ہے۔(علامہ ابن قدامہ نے نقل کیا ہے:

أن أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ قبل قول من ادعی الجھل بتحریم نکاح المعتدۃ، وعلل ہذا بأنه مما یجھل کثیراً ویخفی علی غیر أہل العلم [المغنی: ۸/۱۸۵۔

اس واقعہ کو علامہ ابن حزمؒ نے بھی ذکر کیا ہے، دیکھئے: المحلی: ۱۱/ ۲۷۴، مسئلہ نمبر: ۲۲۱۰

خود حدیث میں ہے: الحدود تدرأ بالشبہات۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ بہت سارے معاملات میں علم اور واقفیت کے امکان کو بھی علم کے درجہ میں رکھا جاتا ہے۔چنانچہ فقہائے احناف کہتے ہیں:

فالعلم بالنصوص المحرمة للأفعال لایقصد به العلم فی الحقیقة والواقع، وإنما یکتفی فیه بإمکانیة العلم أو مایسمی العلم بالقوة، ولیس العلم بالفعل (دیکھئے: الشبهات وأثرہا فی العقوبة الجنائیة، ص: ۲۶۴ ومابعدہا)

جیسے: مالی نقصان کسی کا کردیا، جب کہ اس کو اس کا علم نہیں تھا کہ کس کا ہے؟ یا اسی طرح کسی نے کسی متعین شخص کے قتل کا ارادہ کیا اور اندھیرے میں اس کو قتل کردیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو کوئی اور تھا تو اس ناواقفیت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا (الشبہات وأثرہا فی العقوبۃ الجنائیۃ، ص: ۲۶۷)۔

ب) خطاءً کوئی کام کرنا: یعنی انسان کے کسی کام میں خطا ہوجائے تو خطا کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوجاتی ہے، جیسے: اندھیری رات میں تحری کرتے ہوئے کسی رخ کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھ لے، بعد میں اس کا غلط ہونا معلوم ہوجائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہے، یا اسی طرح شکار سمجھ کر تیر یا بندوق چلایا، جو کسی انسان کو جا کر لگ گیا اور وہ ہلاک ہوگیا تو یہاں بھی حکم میں تخفیف ہے اور قصاص نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

إن الله تعالىٰ وضع عن أمتي الخطأ والنسيان، وما استكرهوا عليه (سنن ابن ماجة، حديث نمبر: ۲۰۴۵، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۷۲۱۹)۔

ج) نسیاناً کوئی کام کرنا: نسیان کا مطلب یہ ہے کہ انسان کوئی ایسا کام کرے، جس کی طرف نہ تو اس کا دل متوجہ ہو اور نہ ہی اس کی سوچ وفکر اس کام کی طرف متوجہ ہو، دوسرے لفظوں میں جسے ''ذہول'' بھی کہہ سکتے ہیں، جیسے: بھول کر روزہ کی حالت میں کھالے تو اس کھانے کا اعتبار نہیں ہے اور اس پر حکم مرتب نہیں ہوگا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَن أَكَلَ ناسِيًا وهو صائِمٌ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فإنَّما أَطْعَمَهُ اللهُ وسَقاهُ. (صحيح البخاري، حديث نمبر: ۶۶۶۹، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۵۵)۔

رہی بات تیسری شق ''تیسیر کا دائرۂ کار کیا ہے؟'' کی، تو اس سلسلہ میں خلاصہ کے طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ: تیسیر کا دائرۂ کار تمام احکام تکلیفیہ ہیں؛ اس لئے کہ ان تمام میں تیسیر کے پہلو کو برقرار رکھا گیا ہے، جس کی مثالیں اسی مقالہ کے دیگر سوالات کے جواب کے ضمن میں موجود ہے، ہذا ما عندی، واللہ اعلم بالصواب!

سوال نمبر (۳): تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقۂ کار سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

جواب: تیسیر کے تعلق سے کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقۂ کار سے جو رہنمائی ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کو تکلیف مالا یطاق کا اللہ تعالیٰ نے مکلف نہیں بنایا ہے؛ بل کہ تکلیف ما یطاق کا مکلف بنایا ہے، لہٰذا ہر انسان کو چاہئے کہ اسی کے مطابق اعمال کرے، اس میں غلو سے کام نہ لے؛ کیوں کہ غلو سے کام لینے والے اعمال سے اکتا جاتے ہیں، یہی خلاصہ ہے تیسیر کے تعلق سے کتاب وسنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال کا، ہذا ما عندی، واللہ اعلم بالصواب!

سوال نمبر (۴): تیسیر کے متعلق بنیادی اصول وقواعد کیا ہیں؟ اس کی مختصر وضاحت فرمائیں۔

جواب: اس کے بنیادی اصول وقواعد درج ذیل ہیں:

۱) قرآن وسنت کی طرف رجوع: قرآن وسنت ہی احکام شریعت کے بنیادی مصادر ہیں، لہٰذا کسی بھی مسئلہ انہی دونوں کو مرجع کا درجہ دینا چاہئے اور سب سے پہلے رجوع بھی انھیں کی طرف کرنی چاہئے، ہم جب ان دونوں کی

طرف رجوع کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ احکام میں کس طرح تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھا گیا ہے؟ اور پھر ہم بھی اسی کو اختیار کرنے والے بنیں گے، لہٰذا سب سے اہم اصول تو یہ ہے کہ ہم قرآن وحدیث کی طرف رجوع کریں۔

۲) مقاصد شریعت کی رعایت: اللہ تعالیٰ نے جتنے احکام دئے ہیں، سب میں مقصد موجود ہے، بغیر مقصد کے کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے، فقہ تیسیر اس بات کا متقاضی ہے کہ ان مقاصد کی طرف نظر کی جائے؛ تاکہ حکم کو بجالانے میں آسانی ہو سکے اور احوال وظروف کی رعایت بھی ہو جائے، بس دوسرا اصول یہ ہے کہ مقاصد شریعت کی رعایت کی جائے۔

۳) نتائج اور مآل پر نظر: یعنی حکم لگاتے اور فتوی دیتے وقت ان افعال واعمال پر نظر رکھنا، جو اجتہاد اور فتوی کا موضوع بن سکتے ہیں کہ اس کے بغیر نہ تو صحیح طور اجتہاد کیا جا سکتا ہے اور فتوی دیا جا سکتا ہے، نیز یہ بھی شریعت کا مقصود ہے احکام میں، جیسا کہ پیچھے گزر چکا، لہٰذا یہ تیسرا اصول ہوا فقہ التیسیر کے تعلق سے۔

۴) مکلف کے احوال اور اس کی استطاعت کی رعایت: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو بھی احکام دئے ہیں، وہ مکلف کی قدرت سے باہر نہیں ہیں، **لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها**، اسی طرح بندوں کے حالات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، لہٰذا احکام میں ان کی رعایت ضروری ہے، اسی رعایت میں تیسیر پائی جائے گی، لہٰذا فقہ التیسیر کا چوتھا اصول مکلف کے احوال اور اس کی طاقت کی رعایت ہے۔

۵) فقہ الموازنات کو مد نظر رکھنا: بہت سارے امور ایسے ہیں، جن میں مصلحت ہی مصلحت ہوتی ہے، جب کہ بہت سارے ایسے ہیں، جن میں مفسدہ ہی مفسدہ ہوتا ہے، کچھ امور وہ ہوتے ہیں، جن میں دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، ایسے میں دونوں کے مابین موازنہ کرنا اور صحیح کو پرکھ کر اس پر حکم لگانا ضروری ہوتا ہے، فقہ التیسیر میں بھی میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، جس کی روشنی میں ایک فقیہ کو حکم لگانے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

۶) مذہبی عصبیت سے دوری: تیسیر کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مذہبی عصبیت سے دور رہا جائے؛ کیوں کہ جب ہم یہ مانتے ہیں کہ تمام مذاہب اسلامیہ برحق ہیں تو حالات کے پیش نظر دوسرے فقیہ کے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے، ایسے میں اگر مذہبی عصبیت برقرار رکھی گئی تو پھر تیسیر کی رعایت نہیں ہو سکے گی؛ اس لئے اس بابت یہ چھٹا اصول یہ ہے کہ فقہ تیسیر میں مذہبی عصبیت سے دوری اختیار کی جائے۔

۷) ضرورات وحاجات کی رعایت: ضرورت اور حاجت کی رعایت شریعت کے بہت سارے احکام میں کی گئی ہے، حتی کہ اصولی اعتبار سے جو چیزیں درست نہیں تھیں، ان کی بھی گنجائش دی گئی ہے، لہٰذا تیسیر میں ان کی رعایت ضروری ہے۔

۸) ایسر کو اختیار کرنا: جب دو معاملہ کے دو پہلو ہوں، ایک احوط کا تقاضا کرے، جب کہ دوسرا ایسر کا

تو ایسر کو اختیار کرنا چاہیئے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہی تھا۔

۹) فرض وحرام میں عدم وسعت: تیسیر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو فرض ہے، اس میں گنجائش دی جائے، یا جو حرام میں اس میں رعایت کی جائے؛ بل کہ ان میں تضیق اور عدم وسعت کے پہلو کو مدنظر رکھا جائے گا؛ البتہ یہ ان میں ہے، جہاں قطعی دلائل موجود ہوں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقه التيسير في الشريعة الإسلامية، ص: ۱۵۲ ومابعدها، تيسير الفقه للمسلم المعاصر للقرضاوي، ص: ۲۸ ومابعدها)

سوال نمبر (۵): تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟ کیا رخصت وتیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟

جواب: اس سوال میں دو شقیں ہیں:

(الف) تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟

(ب) رخصت وتیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی؟

جہاں تک پہلی شق کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیسیر اور رخصت تقریباً ہم معنی ہیں؛ چنانچہ رخصت کی تعریف کرتے ہوئے احمد بن محمد بن اسحاق شاشی لکھتے ہیں:

> وأما الرخصة: فعبارة عن اليسر والسهولة، وفي الشرع: صرف الأمر من عسر إلى يسر بواسطة عذر في المكلف (اصول الشاشي، ص: ۲۶۴، تحقيق: الدكتور اكرم الندوي، ط: دار الغرب بيروت)

علامہ سبکی اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> ما تغير من الحكم الشرعي لعذر إلى سهولة ويسر مع قيام السبب للحكم الأصلي (رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب، للسبكي: 26/2)

جب کہ تیسیر کی تعریف "بناء الأحكام الشرعية وفق القدرة البشرية العادية، ومراعاة الأحوال الطارئة والاستثنائية بأحكام خاصة" ہے، دونوں تعریفوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ مقصود دونوں کا ایک ہے؛ البتہ رخصت میں ''عذر'' کی قید ہے، جب کہ تیسیر میں عذر وغیر عذر دونوں یکساں ہیں۔

رہی بات دوسری شق کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کا تعلق عبادات سے بھی ہے اور معاملات سے بھی، جس کی مثالیں گزشتہ سوالات کے جوابات میں گزر چکی ہیں، تطویل کی وجہ سے یہاں دہرانا مناسب نہیں۔

سوال نمبر (۶): بعض مقاصدی قواعد بھی ہیں، جن کا تعلق تیسیر سے ہے، جیسے: جلب المصالح، درء المفاسد اور رفع حرج، ان کی بھی قدرے وضاحت مطلوب ہے۔

جواب: جلب مصالح اور درء مفاسد یہ فقہ اسلامی کے اہم قواعد میں سے ہے، جس کی اصل ''لا ضرر ولا ضرار'' ہے،

مصلحت کا مطلب شارع حکیم کی وہ منفعت ہے، جس کے ذریعہ بندوں کے دین، نفس، عقل، نسل اور مال کی حفاظت ہو سکے، جب کہ مفسدہ کا مفہوم بندوں کو پہنچنے والی وہ تکلیف اور رنج والم ہے، جو شرعاً مقصود نہیں (فقہ الموازنات بین المصالح والمفاسد لمیثاق بشار محمود، ص:۱)۔

اصول فقہ کے اعتبار سے مصلحت کی تین قسمیں ہیں: (۱) مصلحت معتبرہ: وہ مصالح، جن کے معتبر ہونے کی صراحت خود شارع کی طرف سے موجود ہو، جیسے: قصاص، سرقہ وغیرہ۔ (۲) مصلحت غیر معتبرہ: جسے ''ملغاۃ'' بھی کہا جاتا ہے، اس سے مراد وہ مصالح ہیں، جن کے غیر معتبر ہونے کی وضاحت خود شارع کی طرف سے موجود ہو، جیسے: سود، خودکشی وغیرہ۔ (۳) مصلحت مرسلہ: جسے ''مطلقہ'' بھی کہا جاتا ہے، اسی کو ''استصلاح'' بھی کہتے ہیں، یعنی وہ مصالح، جن کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کی صراحت شارع کی طرف سے موجود نہ ہو، جیسے: نوٹ چھپنا، ٹریفک کا نظام وغیرہ، فقہائے احناف نے اگرچہ ''مصلحت مرسلہ'' اور ''استصلاح'' کی اصطلاح استعمال نہیں کی ہے؛ لیکن وہ بھی مصالح کو معتبر مانتے ہیں اور انھوں نے ''استحسان'' کے ضمن میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (قاموس الفقہ: ۱۰۵/۵ ومابعدہ)

پھر قوت وضعف کے اعتبار سے بھی اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) ضروریات: وہ مصالح ہیں، جن کے فوت ہونے سے دنیا یا آخرت کی کوئی مصلحت درستگی پر قائم نہ رہ سکے؛ بل کہ فساد و بگاڑ پیدا ہو جائے اور زندگی فوت ہو جائے اور آخرت میں نجات وجنت سے محرومی ہاتھ آئے۔ (۲) حاجیات: جن کی ضرورت حرج ومشقت کو دور کرنے اور وسعت وکشادگی پیدا کرنے میں پڑتی ہے، یہ اس قدر ضروری نہیں ہوتے، جن کے نہ ہونے کی وجہ سے نظام زندگی میں خلل واقع ہو جائے؛ البتہ مشقت لاحق ہوتی ہے۔ (۳) تحسینیات: جن کے فوت ہونے سے نہ تو دین ودنیا کو کوئی نقصان لازم آئے اور نا ہی حرج ومشقت لاحق ہو؛ البتہ زندگی کی گاڑی حسن وخوبی کے ساتھ چلانے کے لئے ان کی ضرورت پڑتی ہے، یعنی یہ ایسے مقاصد ہیں، جن کا تقاضا اخلاق ومروءت اور آداب وعادات کرتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے راقم سطور کی کتاب: مقاصد شریعت: تدوین وتعارف، ص:۶۰ ومابعدہ)

ثبوت کے اعتبار سے بھی مصالح کی تین قسمیں ہیں: (۱) قطعیہ: جن کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو۔ (۲) ظنیہ: جن کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو۔ (۳) وہمیہ: یعنی وہ مصالح، جن میں بظاہر خیر وصلاح نظر آتا ہو؛ لیکن حقیقت میں اس کے اندر شر اور برائی ہو، جیسے: حشیش، چرس وغیرہ۔

مفاسد کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: (۱) محرمہ: وہ مفاسد، جو حرمت کے دائرہ میں آتے ہوں، جیسے: شراب نوشی، زنا۔ (۲) مکروہہ: وہ مفاسد، جو مکروہ (تحریمی/تنزیہی) کے دائرہ میں آتے ہوں، جیسے: بیڑی، سگریٹ وغیرہ (قواعد الأحکام: ۹/۱)

ان بنیادی معلومات کے جاننے کے بعد جلب مصلحت اور درء مفسدہ کی حقیقت کو سمجھتے ہیں، جس کی تشریح یہ کی جا سکتی ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو بھی احکام دئے ہیں، ان کے دو مقاصد ہیں: ایک جلب منفعت (مصلحت) اور دوسرے دفع مضرت (درء مفسدہ)، اوامر جتنے ہیں، تمام میں منفعت ہے اور نواہی جتنے ہیں، سب میں مضرت ہے، جس کا ادراک انسان عقل سے بھی کرسکتا ہے، مثلاً: طب ہے، سلامتی اور عافیت کے مصالح کے حصول اور بیماریوں کے دور کرنے کے لئے ہے، یہی عقل بھی کہتی ہے، اب ظاہر ہے کہ جن چیزوں میں مصحلت ہی مصلحت ہو اور یہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف بھی نہ ہو تو اس کے کرنے میں حرج نہیں، اسی طرح جن چیزوں میں مضرت ہی مضرت ہو، ان سے رکنا ضروری ہے؛ البتہ اگر ایسی چیز ہو، جہاں مصلحت بھی ہو اور مضرت بھی تو وہاں قاعدہ: **درء المفاسد أولی من جلب المصالح** کا اجراء ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: قواعد الاحکام لعزبن عبدالسلام: ۱/ ۴ ومابعدہا)

''رفع حرج'' بھی شریعت اسلامی کے اصول میں سے ایک اصل اور اس کی عام خصوصیات میں سے ایک ہے، جس کا استعمال استنباط اور ترجیح کے وقت بھی کیا جاتا ہے، اس کے اصل ہونے کی دلیل قرآن کی کئی آیات ہیں، جیسے: **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر**، اسی طرح **ماجعل علیکم فی الدین من حرج** وغیرہ ہیں، حرج کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے، جو دنیا یا آخرت میں پریشانی اور تنگی کا سبب بنے، خواہ یہ جانی اعتبار سے ہو یا بدنی اعتبار سے، پھر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ رفع حرج کی کئی شکلیں ہیں:

(۱) بنی اسرائیل اور سابقہ امتوں میں جو سخت احکام تھے، وہ اس امت سے اٹھا لئے گئے، جیسے: موضع نجاست کا کاٹنا، توبہ کے لئے قتل کیا جانا وغیرہ۔

(۲) تکلیف مالا یطاق کو لازم نہ کرنا۔

(۳) دشواری کے وقت احکام میں تخفیف کرنا، جیسے: تیمم، سفر میں قصر وجمع وغیرہ۔

(۴) تنگی اور پریشانی سے نکلنے کا راستہ بتانا، جیسے: رمضان کے دن میں جماع کی صورت میں کفارہ کا وجوب، قتل کی بعض صورتوں میں دیت اور گناہوں کے لئے توبہ وغیرہ (رفع الحرج فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ص: ۳۷ ومابعدہا)۔

سوال نمبر (۷): اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر عمل دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کیا دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: مجتہد فیہ مسائل میں چوں کہ بہت وسعت ہوتی ہے؛ اس لئے موجودہ زمانہ میں لوگوں کو حرام سے بچانے کے لئے کسی بھی فقیہ کے قول کو اختیار کرنے کی اجازت ہونی چاہئے، اس سلسلہ میں یہ روایت بطور سند ہمارے لئے

کافی ہے، جسے مفتی تقی عثمانی مدظلہ نے اپنے والد حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو وصیت کی اور حضرت تھانوی نے ہم سے فرمایا تھا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہوگئے ہیں اور اس کی وجہ سے دین دار مسلمان تنگی کا شکار ہیں؛ اس لئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں بلویٰ عام ہو، وہاں ائمہ اربعہ میں جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو، اس کو فتویٰ کے لئے اختیار کرلیا جائے۔ (فکر اسلامی، بستی، ''معاصر فقہ اسلامی نمبر''، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۸۴) ہذا ما عندی، واللہ أعلم بالصواب!

سوال نمبر (۸): علمائے عرب کے یہاں ''فقہ التیسیر'' ایک مستقل موضوع ہے اور احکام کی تطبیق میں اس پر وہ کافی توجہ دیتے ہیں، اس بارے میں ہم لوگ کن پہلوؤں پر غور کرسکتے ہیں؟ کیا ہندوستانی مسلمان، جو کہ اقلیت میں ہیں، ان کے لئے معاملات کے علاوہ بعض احکام عبادت میں اصول تیسیر کو جگہ دی جاسکتی ہے؟

جواب: ہمارا ملک ہندوستان ایک غیر اسلامی ملک ہے، جہاں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہیں اور ادھر چند سالوں میں جس طرح کا سلوک ان کے ساتھ کیا جارہا ہے، ان کو، نیز خود مسلمانوں کی اسلامی شریعت سے عملی بیزاری اور اس سے بڑھ کر یہ کہ خود شریعت کو آسان قرار دیا گیا ہے، کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ فقہ التیسیر کا جائزہ لیا جائے اور تمام احکام تکلیفیہ میں اس کو برتنے کی کوشش کی جائے، جیسا کہ ملک کے کئی اداروں اور مفتیان کرام نے بعض مسائل میں عملی طور پر یہ کام کرکے بھی دکھایا ہے، اس فہرست میں قریبی دور کے علماء میں نمایاں نام مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے، جنھوں نے ''الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ'' کے ذریعہ سے اس کی طرف رہنمائی کی ہے، اس کا کام کو ایک پروجیکٹ کے طور پر کرنے کی ضرورت ہے، کاش کوئی ادارہ اس کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔

یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا جنید احمد قاسمی
صدر شعبہ تخصص فی الافتاء، جامعہ رحمانی، مونگیر

یسر وتیسیر کی لغوی تعریف:

قال الفيروزآبادي في "القاموس المحيط"[اليُسْرُ: ضدُّ العُسْرِ. وَتَيَسَّرَ واسْتَيْسَرَ: تَسَهَّلَ. ويَسَّرَهُ:سَهَّلَهُ.] (1/499-500،ط.مؤسسة الرسالة،بيروت)

شریعت اسلامی میں تیسیر:

والتيسير في الشريعة هو: تشريع الأحكام على وجه روعيت فيه حاجة المكلف وقدرته على امتثال الأوامر واجتناب النواهي مع عدم الإخلال بالمبادئ الأساسية للتشريع. انظر: "مظاهر التيسير في الشريعة الإسلامية" لكمال جودة أبو المعاطي (ص: 7، بحث مقدم لنيل درجة الدكتوراه بجامعة الأزهر، القاهرة، عام 1975م).

اصطلاحاً: أن الأحكام التي ينشأ عنها حرج على المكلف ومشقة في نفسه أو ماله فالشريعة تخففها بما يقع تحت قدرة المكلف دون عسر أو إحراج.﴿الأشباه والنظائر، للسيوطي، 1/92.﴾

تیسیر کی حکمت:

(۱) دین داری کے تقاضوں کی برآوری (۲) دوام واستمرار کے مقاصد کی حصول یابی۔(۳) غیر مسلموں کو اسلام میں حلقہ بگوش ہونے کی ترغیب۔(۴) اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اظہار۔(۶) انسانی طرز حیات اور شرعی احکام میں ہم آہنگی۔(۷) تیسیر اور آسانی ہر پائیدار مذہب کی پائیداری کا راز۔

امام جصاص رازی رحمہ اللہ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله تعالى: ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم قال أبو بكر: لما كان الحرج الضيق ونفى الله عن نفسه إرادة الحرج بنا، ساغ الاستدلال بظاهره في نفي الضيق وإثبات التوسعة

في كل ما اختلف فيه من أحكام السمعيات، فيكون القائل بما يوجب الحرج والضيق محجوجا بظاهر هذه الآية. ﴿أحكام القرآن للجصاص: ۳۳/۴﴾

اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ووسع أبو حنيفة في العبادات كلها... عملا بقوله تعالى: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ [المزمل: 20] وأسقط القراءة عن المأموم؛ بل منعه منها شفقة على الإمام... ولم يوجب العمرة في العمر كل ذلك للتيسير على المؤمنين. ﴿الأشباه والنظائر: ۲۲۳/۲۲٤. الفن الأول في القواعد الكلية- النوع الأول. القاعدة الرابعة: المشقة تجلب التيسير.﴾

ان تمام عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں احکام کی تنفیذ نرمی اور ملائمت نیز رخصت اور آسانی کے ساتھ کی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کو حنیفیہ اور سمحہ قرار دیا ہے، یعنی جس میں نرمی کی حد تک نرمی ملحوظ خاطر رہتی ہے۔ جیسے ایک ڈاکٹر مریض کی شفایابی کے لیے کڑوی کسیلی گھونٹ انتہائی نرمی اور ملائمت کے ساتھ پلا دیتا ہے اور مریض ہنسی خوشی پی لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات نازل کرنے کا مقصد بھی یہی بتایا کہ ہم تمہارے لیے آسانی چاہتے ہیں جیسے ایک ڈاکٹر شفایابی چاہتا ہے مریض کو پریشان کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے۔

اسی بات کو امام شاطبی رحمہ اللہ نے بڑے لطیف انداز میں پیش فرمایا ہے:

فأحوال الإنسان كلها كلفة في هذه الدار، في أكله وشربه وسائر تصرفاته، ولكن جعل له قدرة عليها، بحيث تكون تلك التصرفات تحت قهره، لا أن يكون هو تحت قهر التصرفات. (الموافقات، كتاب المقاصد، القسم الأول مقاصد الشارع، النوع الثالث في بيان قصد الشارع في وضع الشريعة للتكليف بمقتضاها المسألة السابعة قصد الشارع للتكليف بما فيه كلفة ومشقة وإن كان لا يسمى في العادة المستمرة كذلك.)

2: تیسیر کی بنیادیں:

(۱) انسانی استطاعت کی رعایت۔ (۲) حقیقی مشکلات کی کھوج اور ان مشکلات کا تدارک (۳) عمومی ضعف بشری کا لحاظ۔

تیسیر کے اسباب:

واعلم أن أسباب التخفيف في العبادات وغيرها سبعة: الأول: السفر، الثاني: المرض. الثالث: الإكراه. الرابع: النسيان. الخامس: الجهل. السادس: العسر وعموم البلوى. السبب السابع: النقص فإنه نوع من المشقة.

تیسیر کا دائرہ کار:

(۱) اس کی دلیل کی مرجعیت کتاب وسنت ہو۔(۲) اعتبار مقاصدی مدنظر ہو۔(۳) ثمرہ اور نتیجہ پر نظر ہو۔(۴) مکلف کی استطاعت متحقق ہو، اور اس کے احوال سے واقفیت ہو۔(۵) فقہ الموازنات یعنی مصالح ومفاسد سے واقف ہو۔

3: تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ کار:

(۱) کتاب اللہ:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الأعراف: 157]

یعنی یہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں سے ان مشکل احکام کو ہٹا دیتے ہیں جو بنی اسرائیل پر شرعاً عائد تھے۔ جیسے: سنیچر کے دن شکار کی حرمت، چربی کی حرمت اور عروق کی حرمت اسی طرح جب کپڑے پر پیشاب وغیرہ لگ جاتا تھا تو اس حصے کو کاٹنا پڑتا تھا وغیرہ (تفسیر سمرقندی: ۱/ ۵۵۶ فسیر ماوردی: ۲/ ۲۶۹۔ تفسیر ابن ابی حاتم: ۵/ ۱۵۸۳۔ تفسیر ابن جریر: ۱۳/ ۱۶۸) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: 286]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں اس سے مراد مومنین ہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تیسیر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: 78] اسی طرح فرمایا: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: 185] اسی طرح فرمایا: ﴿فاتقوا الله ما استطعتم﴾ [التغابن: 16] (الدر المنثور في التفسير بالمأثور: ۲/۱۳۳)

۱ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ [النساء: 43]

۲ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [سورة المائدة: 6]

۳ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ [البقرة: 239]

پہلی دو آیتوں میں تیمم کی سہولت دی گئی ہے اور تیسری آیت میں سواری پر نماز پڑھنے اور نوافل میں قبلے سے

آزادی کی سہولت دی گئی ہے (تفسیر قرطبی: ۵/ ۲۱۴)

۴۔۔﴿ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ﴾ [سورة المزمل:20]

اس آیت میں تیسیر اسباب تیسیر، تیسیر کی بنیادیں ساری چیزیں آگئی ہیں۔ اور مختلف احکام میں تیسیر دی گئی۔

(۲) سنت رسول اللہ:

۱- إن الدِّينَ يُسْرٌ، ولَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أحَدٌ إلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وقَارِبُوا، وأَبْشِرُوا، واسْتَعِينُوا بالغَدْوَةِ والرَّوْحَةِ وشيءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ. ﴿البخاري الرقم:39﴾

یعنی دین تو آسان ہے اور جو کوئی شخص جب کبھی تکلیفات غیر ضروریہ کا خود پر سوار کر لیتا ہے تو دین اس پر بھاری پڑ جاتا ہے پھر وہ مجبوراً دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے؛ لہٰذا تم اعتدال و توازن سے کام لو اور اس طرح جنت کی بشارت لو۔

۲- ما خُيِّرَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ بيْنَ أمْرَيْنِ قَطُّ إلَّا أخَذَ أيْسَرَهُمَا. ﴿البخاري: ٦١٢٦﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں میں انتخاب کا اختیار دیا جاتا تو آپ ہمیشہ آسان چیز کو اختیار فرماتے۔

۳- إِنَّما بُعِثْتُم مُيَسِّرينَ ولَمْ تُبْعَثوا مُعَسِّرِيْنَ. ﴿البخاري (220)، والنسائي (56)، وأحمد (7799) واللفظ له﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی ہدایت دی کہ تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنا کر برپا کیا گیا نہ کہ بے وجہ کی مشکلات کھڑا کرنے والا بنا کر۔

۴- بَعَثَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ أبَا مُوسَى ومُعَاذَ بنَ جَبَلٍ إلى اليَمَنِ...... ثُمَّ قالَ: يَسِّرَا ولَا تُعَسِّرَا، وبَشِّرَا ولَا تُنَفِّرَا وتَطَاوَعَا ولَا تَخْتَلِفَا ﴿البخاري: 4341 و مسلم: 1733)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن گورنر بنا کر بھیجا تو تمام ہدایات میں ایک اہم تاکید یہ تھی: آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا اور مشکلات مت پیدا کرنا، لوگوں کو دین داری کی ترغیب کے لیے مختلف خوش خبری دینا، مشکل احکام کے ذریعے دین سے بیزار مت ہونے دینا، اور شیر و شکر ہو کر رہنا اختلاف مت کرنا۔

۵- إن اللهَ يحبُّ أنْ تؤتَى رُخصُهُ كما يحبُّ أنْ تُجتنب عزائمُهُ أو تؤتَى عزائمُهُ. ﴿الترغيب: 1060 و

البزار كما في ((كشف الأستار)) للهيثمي (990)، وابن حبان (354)، والطبراني (11/323) (11880)

۳: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ کار:

۱- إن عمرَ خرج في ركبٍ فيهم عمرو بنُ العاصِ، حتى وَرَدُوا حَوْضًا، فقال عمرو: يا صاحبَ الحَوْضِ! هل تَرِدُ حوضَك السِّباعُ؟! فقال عمرُ بنُ الخطابِ: يا صاحبَ الحوضِ! لا تُخبِرْنا، فإنا نَرِدُ على السِّباعِ وتَرِدُ علينا. ﴿مؤطا إمام مالك: ٦٢، مختصر خلافيات البيهقي: ١/٣٨٧﴾

اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زیادہ مخمصے میں پڑنے کے بجائے کہہ دیا کہ یہ پانی ہے، اس لیے کہ ہم پاک پانی کے حدود و قیود سے اچھی طرح واقف ہیں ہمیں مت سکھاؤ! گویا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تیسیر پر عمل فرمایا۔

۲- عن عمرَ بنِ الخطابِ رضي الله عنه أنه مرَّ هو وصاحبٌ له بمكانٍ فسقط على صاحبِه ماءٌ من ميزابٍ فنادى صاحبُه: يا صاحبَ الميزابِ أماؤُك طاهرٌ أم نجسٌ؟ فقال له عمرُ: يا صاحبَ الميزابِ لا تخبرْه فإن هذا ليس عليه. ﴿مجموع الفتاوى: ٢٢/١٨٤﴾

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے حضرت عمر نے صاحب میزاب کو گھر والے کو وہاں موجود پاک پانی کے پاک ناپاک ہونے کی الجھن میں ڈالنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ: اتنی تحقیق و جستجو التزام مالا یطاق ہے، اس طرح حضرت نے تیسیر کو اختیار فرمایا۔

۳- عَنِ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: "كُنَّا عَلَى شَاطِئِ نَهَرٍ بِالْأَهْوَازِ قَدْ نَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ، فَجَاءَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ عَلَى فَرَسٍ فَصَلَّى وَخَلَّى فَرَسَهُ، فَانْطَلَقَتِ الْفَرَسُ فَتَرَكَ صَلَاتَهُ وَتَبِعَهَا حَتَّى أَدْرَكَهَا فَأَخَذَهَا، ثُمَّ جَاءَ فَقَضَى صَلَاتَهُ، وَفِينَا رَجُلٌ لَهُ رَأْيٌ، فَأَقْبَلَ يَقُولُ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ تَرَكَ صَلَاتَهُ مِنْ أَجْلِ فَرَسٍ، فَأَقْبَلَ فَقَالَ: مَا عَنَّفَنِي أَحَدٌ مُنْذُ فَارَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: إِنَّ مَنْزِلِي مُتَرَاخٍ فَلَوْ صَلَّيْتُ وَتَرَكْتُهُ لَمْ آتِ أَهْلِي إِلَى اللَّيْلِ، وَذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى مِنْ تَيْسِيرِهِ".

ازرق بن قیس کہتے ہیں کہ اہواز نامی ایرانی شہر میں ہم ایک نہر کے کنارے تھے جو خشک پڑی تھی، پھر ابو برزہ اسلمی صحابی گھوڑے پر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور گھوڑا چھوڑ دیا۔ گھوڑا بھاگنے لگا تو آپ نے نماز توڑ دی اور اس کا پیچھا کیا، آخر اس کے قریب پہنچے اور اسے پکڑ لیا۔ پھر واپس آ کر نماز قضاء کی، وہاں ایک شخص خارجی تھا، وہ کہنے لگا کہ اس بوڑھے کو دیکھو اس نے گھوڑے کے لیے نماز توڑ ڈالی۔ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہو کر آئے اور کہا

جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوا ہوں، کسی نے مجھ کو ملامت نہیں کی اور انہوں نے کہا کہ میرا گھر یہاں سے دور ہے، اگر میں نماز پڑھتا رہتا اور گھوڑے کو بھاگنے دیتا تو اپنے گھر رات تک بھی نہ پہنچ پاتا اور انہوں نے بیان کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسان صورتوں کو اختیار کرتے دیکھا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر دوران نماز کسی کی سواری بھاگ جائے تو نماز چھوڑ کر اس کا پیچھا کر سکتا ہے، اسی طرح اگر دوران نماز میں اپنا مال ضائع ہوتا دیکھے تو نماز ترک کر کے اس کی حفاظت کر سکتا ہے، حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسان صورت کو اختیار فرماتے خواہ مخواہ مشقت میں نہ پڑتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسانی کو پسند کرتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی پر کاربند تھے، جو لوگ دینی معاملات میں سختی کرتے ہیں، ان کا کردار کسی صورت بھی قابل تحسین نہیں ہے۔

٤-عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّمَا أَرَادَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِالْفِطْرِ فِي السَّفَرِ التَّيْسِيرَ عَلَيْكُمْ، فَمَنْ يَسُرَ عَلَيْهِ الصِّيَامُ فَلْيَصُمْ، وَمَنْ يَسُرَ عَلَيْهِ الْفِطْرُ فَلْيُفْطِرْ. ﴿شرح معاني الآثار: ٢٠٧٢______٢/٦٦﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے کر تم پر تیسیر کا ارادہ کیا؛ لہٰذا اب جس شخص کے لیے روزہ رکھنے میں آسانی ہو وہ روزہ رکھے، اور جسے روزہ نہ رکھنے میں سہولت ہو وہ روزہ نہ رکھے۔

٥-خذ بأيسرهما عليك، قال الله تبارك وتعالى يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر. ﴿المصنف- عبد الرزاق الصنعاني-ج٢-الصفحة ٥٦٩﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی مسافر شخص نے مسئلہ پوچھا کہ روزہ رکھوں یا روزہ چھوڑ دوں۔ تو آپ نے فرمایا: جس میں تمہیں آسانی لگے وہ اختیار کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتے ہیں مشکل نہیں چاہتے ہیں۔

۴: تیسیر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد:

المشقة تجلب التيسير. (٢) إذا ضاق الأمر اتسع، وإذا اتسع ضاق. (٣) اليقين لا يزول بالشك. (٤) الأصل في الأشياء الإباحة. (٥) الضرورات تبيح المحظورات. (٦) الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامة كانت أو خاصة. (٧) العادة محكمة. (٨) الفتاوى تتغير بتغير الزما والمكان والحال.

۵: تیسیر اور رخصت یکساں ہیں یا دونوں میں فرق ہے؟

الموسوعة الفقهیة میں دونوں اصطلاحات کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا ہے: یسر ان چیزوں میں ہوتا ہے جو اصلاً آسان ہوتی ہیں۔ اور رخصت کی دو تعریفیں کی گئی ہیں: وہ حکم جو عسر کے بعد یسر لائے کسی عذر کی وجہ سے۔ اور دوسری تعریف: جو حرمت کے قائم رہتے ہوئے مباح کیا گیا ہو۔ چنانچہ سلم کی رخصت پہلی تعریف کے حساب سے ہوئی اور یہی تیسیر کی بھی مثال ہوگی اور دوسری تعریف کے حساب سے یہ رخصت نہیں ہوگی بلکہ تیسیر ہوگی اور رخصت کی مثال: مضطر کے لیے کلمۂ کفر کی ادائیگی، یا خنزیر، شراب وغیرہ کی اجازت رخصت ہوگی۔

التيسير: ما كان في الأصل ميسرا۔

والترخيص في الاصطلاح أن يجعل في الأمر سهولة والرخصة تستعمل باصطلاحين:

الأول: الحكم النازل باليسر بعد العسر, لعذر من الأعذار.

الثاني: وهو أخص من الأول, ما استبيح مع قيام المحرم. فالإذن في السلم مع انعدام المبيع رخصة من بيع المعدوم على التعريف الأول. و ليس رخصة على التعريف الثاني, إلا أن يكون مجازا. ﴿الموسوعة الفقهية: باب التيسير)

٦۔ کیا رخصت وتیسیر کا تعلق صرف عبادات سے ہے یا معاملات سے بھی ہے؟ دونوں سے ہے۔

۷۔ بعض مقاصدی قواعد: ۱: جلب المصالح۔

فإن الشريعة مبناها وأساسها على الحكم ومصالح العباد في المعاش والمعاد، وهي عدل كلها، ورحمة كلها، ومصالح كلها، وحكمة كلها; فكل مسألة خرجت عن العدل إلى الجور، وعن الرحمة إلى ضدها، وعن المصلحة إلى المفسدة، وعن الحكمة إلى البعث; فليست من الشريعة وإن أدخلت فيها بالتأويل۔ (إعلام الموقعين عن رب العالمين۔ تغيير الفتوى واختلافها، الشريعة مبنية على مصالح العباد۔ ابن القيم - أبو عبد الله محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية)

مصالح الدارين ومفاسدها في رتب متفاوتة فمنها ما هو في أعلاها، ومنها ما هو في أدناها، ومنها ما يتوسط بينهما ...... فما كان من الاكتساب محصلا لأحسن المصالح فهو أفضل الأعمال وما كان منها محصلا لأقبح المفاسد فهو أرذل الأعمال. (فصل فيما تعرف به المصالح والمفاسد وفي تفاوتهما. قواعد الأحكام في مصالح الأنام. عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام)

قال الإمام الشاطبي:

"المعلوم من الشريعة, أنها شرعت لمصالح العباد، فالتكليف كله, إما لدرء مفسدة, وإما لجلب مصلحة, أو لهما معا" (الموافقات 1/199):

والمصلحة ضد المفسدة، والمراد بالمصلحة۔ کما قال أهل الأصول۔: هي المنفعة أو وسيلتها التي قصدها الشارع الحكيم لعباده من حفظ دينهم ونفوسهم وعقولهم ونسلهم وأموالهم. (المستصفى، للغزالي، ص174.)

یہ درج ذیل ہیں: (۱) دین کی حفاظت (۲) انسانی جان کی حفاظت (۳) انسانی عقل کی حفاظت (۴) انسانی نسل کی حفاظت (۵) انسان کے مال کی حفاظت۔

شریعت نے جتنے بھی احکام دیے ہیں، ان سب میں ان پانچ مصلحتوں میں سے کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور موجود ہوگی اور بعض میں دو تین یا سب مصلحتیں بھی موجود ہوسکتی ہیں؛ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا ہو جس میں ان پانچ باتوں میں سے کوئی بھی بات موجود نہ ہو۔ ان پانچوں باتوں کی اصل اور بنیاد خود قرآن مجید ہے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ پانچوں باتیں آپس میں ہم مرتبہ نہیں؛ ہیں بلکہ ان پانچوں کے باہمی درجات میں تفاوت ہے، مثلا اگر دین اور جان میں سے کسی ایک کو بچانے کا موقع ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس موقع پر دین کو بچانا مقدم ہوگا، اگر چہ جان نہ بچ پائے، اسی طرح اگر جان اور مال میں سے ایک چیز بچائی جاسکتی ہو تو شریعت جان بچانے کو ترجیح دے گی وغیرہ۔

یہ پانچ ضروریات اصول دین میں سے ہیں۔ امام شاطبی نے انھیں "اصول دین، قواعد شریعت اور کلیات ملت" کے القاب دیے ہیں جن سے ان کی اہمیت خود بخود واضح ہورہی ہے۔ مثلا:

ارکانِ اسلام کا مکلف اس لیے بنایا گیا؛ تا کہ انسان کا "دین" سلامت رہے۔

دیت، قصاص اور زخموں وغیرہ کے احکام اس لیے دیے گئے؛ تا کہ انسانی "نفس" کی حفاظت ہو۔

نشہ آور چیزوں اور دیگر لہو ولعب کی ممانعت کی گئی؛ تا کہ انسانی "عقل" سلامت رہے۔

گھریلو زندگی سے متعلق احکامات اس لیے دیئے گئے؛ تا کہ انسانی "نسل" کو بقاء اور تحفظ میسر آئے۔

خرید وفروخت کے احکامات اور چوری وڈاکہ زنی وغیرہ کی ممانعت اس لیے کی گئی؛ تا کہ انسانی "مال" محفوظ رہ سکے۔

اب دیکھ لیجیے کہ شریعت نے کس طرح اپنے احکامات میں ان پانچ باتوں کو ملحوظ رکھا ہے، اسی لیے انھیں اصول دین اور قواعد شریعت کا لقب دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جو باتیں ان پانچ مقاصد میں سے کسی میں بھی خلل انداز ہوں انھیں شریعت "مفاسد" کا نام دیتی ہے اور جن باتوں سے یہ پانچ باتیں سلامت اور محفوظ رہیں انھیں "مصالح" قرار دیتی ہے۔

(۲) مصالح حاجیہ: یعنی وہ مصلحتیں جن سے انسانی حاجات وابستہ ہوں اور اگر وہ حاجات پوری نہ ہوں تو انسان

تکلیف اور مشقت میں پڑ جائے، اِن انسانی حاجات سے متعلقہ احکامات میں شریعت نے جو اَہداف مقرر کیے ہیں انھیں ”مصالحِ حاجیہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ مثلاً عذر کے وقت تیمم کرنا

وغیرہ۔ پھر یہ مصالح حاجیہ اپنی اصل میں قسم اول مصالح ضروریہ سے ہی جڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً:

نکاح کے احکامات میں شریعت نے جو چیزیں مدنظر رکھی ہیں، ان کا ایک ہدف نسلِ انسانی کی بقاء اور تحفظ ہے اور یہ بات اوپر بیان ہو چکی ہے کہ نسلِ انسانی کا تحفظ مقاصد خمسہ اور مصالح ضروریہ میں سے ہے۔ اسی طرح تجارت اور کرایہ داری وغیرہ کے احکامات کا ہدف مال کی حفاظت یا اس کی بڑھوتری ہے اور مال کی حفاظت بھی قسمِ اول: مصالح ضروریہ میں سے ایک مصلحت ہے۔

ان انسانی حاجات میں شریعت نے عموماً رخصت اور آسانی کو ملحوظ رکھا ہے؛ چنانچہ بوقت ضرورت مردار کھانے کی اجازت اور پانی میسر نہ ہونے یا قدرت نہ ہونے کے وقت تیمم کا حکم، سفر میں نماز کی قصر اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی سہولت اور رخصت پر مبنی ہے؛ تاکہ انسان اپنی استطاعت کے حدود میں رہتے ہوئے دینی ارکان کو بجا لا سکے اور انھیں محفوظ رکھ سکے۔

(۳) مصالحِ تحسینیہ: یعنی ایسی مصلحتیں اور ایسے اہداف جن کی رعایت انسانی کردار اور گفتار میں حسن وخوبی کا باعث ہوں، انھیں مصالحِ تحسینیہ کا نام دیا گیا ہے اور تمام اچھی عادات اور اچھے اخلاق اسی سے جڑے ہوتے ہیں۔ پھر تمام برے اخلاق سے اجتناب برتنا بھی اسی قسم سے متعلق ہے؛ کیوں کہ بری باتوں اور برے اخلاق سے کنارہ کشی خود بخود انسان میں ایک حسن پیدا کر دیتی ہے۔

چنانچہ اسراف اور بخل وغیرہ سے اجتناب کرنا، میاں بیوی کے انتخاب میں کفاءت کو ملحوظ رکھنا، کھانے پینے کے آداب، حسنِ معاشرت، سترعورت، نجاست سے پاک رہنا وغیرہ سب اس کی مثالیں ہیں۔ جس طرح مصالح کی دوسری قسم یعنی مصالحِ حاجیہ اپنی انتہاء میں قسمِ اول: مصالحِ ضروریہ کی طرف لوٹتی ہیں اسی طرح یہ تیسری قسم: مصالحِ تحسینیہ بھی انجام کار مصالح ضروریہ کی طرف ہی لوٹتی ہیں۔ مثلاً: طہارت اور سترعورت کا حکم ”حفظِ دین“ کی طرف لوٹتا ہے۔ کھانے پینے کے آداب اور حرام چیزوں سے اجتناب ”حفظِ نفس“ کی طرف لوٹتا ہے۔ میاں بیوی کا صحیح انتخاب اور حسنِ معاشرت ”حفظ نسل“ کی طرف لوٹتے ہیں۔ حلال کمانا، صحیح خرچ کرنا اور فقیروں کو اپنے مال میں سے حصہ دینا ”حفظ مال“ کی مصلحت کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہ ایک نمونہ ہے اس بات کا کہ مصالح کی دوسری دونوں قسمیں اپنی انتہاء اور انجام کار میں قسم اول کی طرف ہی لوٹتے ہیں؛ اسی لیے علمائے کرام نے قسمِ اول کو ”اصول دین اور قواعدِ شریعت“ کا نام دیا ہے۔

مصالح کی تین قسمیں ہیں: (۱) شارع کے نزدیک جو درخورِ اعتنا ہوں۔ (۲) شارع نے جس کا کوئی اعتبار نہ کیا

ہو۔(۳) جس کو مبہم چھوڑ دیا۔ یہ تیسری شکل ہماری بحث کا موضوع ہے۔

مصلحة معتبرة من الشارع الحكيم، ومصلحة ملغاة من الشارع الحكيم، ومصلحة مرسلة لم يعتبرها الشارع ولم يلغها. (الموافقات: (16/2)

۲: رفع حرج: الحرج لغة: الضيق و ما لا مخرج له، و قال بعضهم هو أضيق الضيق وسئل ابن عباس (رضی الله عنهما) عن الضيق؟ فدعا رجلا من هذيل، فقال له: ما الحرج فيكم؟ فقال: الحرج من الشجر ما لا مخرج له، فقال ابن عباس (رضی الله عنه) : هو ذلك، والحرج: ما لا مخرج له. ورفع الحرج: إزالة ما في التكليف الشاق من المشقة برفع التكليف من أصله أو بتخفيفه أو بالتخيير فيه أو بأن يجعل له مخرج كرفع الحرج في اليمين بإباحة الحنث فيها مع التكفير عنها أو بنحو ذلك من الوسائل. فرفع الحرج لا يكون إلا بعد الشدة خلافا للتيسير. (الموسوعة: باب التيسير. بيان رفع الحرج)

۸۔تیسیر کے مدنظر مذہب آخر پر فتویٰ دینے کی شرطیں:

اصول الافتاء وآدابہ میں دوسرے فقہی مذہب پر فتویٰ دینے کے لیے پانچ شرطیں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ذکر کی ہیں:

۱۔ضرورتِ شدیدہ ہو، اور اس معاملے میں ابتلاء عام بھی ہو، محض وہم نہ ہو اور ضرورت خیالی نہ ہو۔

۲۔مفتی بھی اس ضرورت کو بہت اہم سمجھتا ہو، اور اس ضرورت کا احساس فقہ واصول فتاویٰ کے رجال اور واقف کاروں کی باہمی گفت وشنید اور علمی تبادلہ خیال کے ذریعے ہو، مناسب تو یہ ہے کہ از خود تنہا فتویٰ جاری کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لے؛ بلکہ حتی المقدور دوسرے مفتیان کرام کے فتاویٰ جات سے بھی اپنے فتویٰ کو مؤید کرے، خصوصاً جب وسیع پیمانے پر فتویٰ کی اشاعت مقصود ہو تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

۳۔جس فقہی مذہب پر فتویٰ دے اس کی بڑی گہری اور عمیق تحقیق کرے، اور اس کے لیے مناسب ہے کہ اس مذہب کے علماء ومفتیان کرام سے رجوع کرے، کسی مسئلہ کی تحقیق میں ایک یا دو کتابوں پر اکتفا نہ کرے؛ کیوں کہ ہر مذہب کی مخصوص اصطلاحیں ہوتی ہیں، اور منفرد اسلوب ہوتا ہے، اور بسا اوقات ان اصطلاحوں کے واقف کاروں کے علاوہ دوسروں کے لیے اس سے آگہی دشوار ہوتی ہے۔

۴۔دوسرے مذہب پر دیا گیا فتویٰ ان شاذ ونادر اقوال سے ماخوذ نہ ہو جو جمہور کے مذہب کے خلاف ہو، اور جمہور کی جانب سے اس کا رد بھی آچکا ہو۔

۵۔اس مذہب کے مذکورہ فتویٰ کو مذہب میں معتبر تمام شرائط کی رعایت کرتے ہوئے لیا گیا ہو، تاکہ یہ فتویٰ ایک

مسئلے میں تلفیق کا سبب نہ بن جائے۔

﴿أصول الافتاء و آدابه: الفصل الخامس: الافتاء بمذهب آخر۔ شروط الافتاء بمذهب آخر بسبب الحاجة أو عموم البلوى: ۲۴۸/۲۴۶)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ''حیلۂ ناجزہ'' میں لکھتے ہیں:

''مذہبِ غیر پر عمل کرنا ضرورتِ شدیدہ کی بنا پر ہو، اتباع ہویٰ کے لیے نہ ہو، (عمل واحد میں) تلفیق خارقِ اجماع نہ ہو۔'' (الحیلۃ الناجزۃ ص: ۲۲۶)

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاوی رشیدیہ میں اسی موضوع کے ایک سوال کا جواب یہ دیا ہے:

''مذہب سب حق ہیں، مذہب شافعی پر عند الضرورت عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجت شرعیہ سے ہووے کچھ حرج نہیں۔'' (فتاوی رشیدیہ ص: 93، عنوان: عند الضرورت مذہب شافعی پر عمل کرنا)

حاصل یہ ہے کہ جب ضرورتِ شدیدہ ہو (جس کے لیے شرعاً اضطرار کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے) اور اپنے مذہب پر عمل کرنے میں حرج ومشقت لازم آتی ہو تو ایسی صورت میں کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کیا جاسکتا ہے بشرطے کہ دوسرے مذہب پر عمل کرنا خواہشِ نفس اور رخصت کو تلاش کرنے کی بنا پر نہ ہو اور نہ ہی تلفیق سے کام لیا جاتا ہو، لیکن ان شرائط کے متحقق ہونے کا فیصلہ کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے، اس لیے خود کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے ماہر اور متبحر مفتیان کرام کے سامنے اپنا مسئلہ اور معروضی حالات پیش کر کے ان سے فیصلہ کرایا جائے۔

شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

"وبه علم أن المضطر له العمل بذلك لنفسه كما قلنا وأن المفتي له الإفتاء به للمضطر. فما مر من أنه ليس له العمل بالضعيف ولا الإفتاء به محمول على غير موضع الضرورة، كما علمته من مجموع ما قررناه. والله تعالى أعلم... قال في خزانة الروايات: العالم الذي يعرف معنى النصوص والأخبار، وهو من أهل الدراية يجوز له أن يعمل عليها وإن كان مخالفا لمذهبه.انتهى" (ص: 89، ط: البشرى)

وهذا في غير موضع الضرورة، فقد ذكر في حيض البحر في بحث ألوان الدماء أقوالا ضعيفة. ثم قال: وفي المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا. (مقدمة رد المحتار على الدر المختار. ابن عابدين - محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين)

لیکن تلفیق بالاتفاق ناجائز اور باطل ہے۔تلفیق کے لغوی معنیٰ ملانے اور جمع کرنے کے ہیں؛ **تلفیق: لفق يلفق تلفيقا، لفق بين الأمرين جمع بينهما.** ﴿**معجم المعانی۔**﴾ اور اصطلاح میں: آسانی کے لیے مختلف مسالک کی رخصتوں پر عمل کرنا اور اس کے مشکل احکام کو چھوڑ دینا یا کسی عمل میں متعدد مسلک پر عمل کرنا، جب کہ وہ کسی بھی مسلک میں درست نہ ہو:

تتبع رخص المذاهب وتيسيراتها وترك ما يعسر عليه منها أو القيام بعمل يجمع فيه بين عدة مذاهب حتى لا يمكن اعتبار هذا العمل صحيحًا في أي مذهب من المذاهب. ﴿معجم المعانی۔﴾

اس کی مثال: کسی باوضوشخص کے بدن سے خون بہہ گیا اور اس نے عورت کو بھی چھولیا پھر اس نے اسی حالت میں نماز پڑھی تو چوں کہ حنفیہ وشافعیہ دونوں کے نزدیک وضو باقی نہیں رہا لہٰذا نماز نہیں ہوئی کیونکہ اس نماز میں شوافع واحناف کے مسلک کو ملا کر تلفیق کی گئی اور تلفیق بالاتفاق باطل ہے لہذا یہ نماز بھی نہیں ہوگی۔

وأن الحكم الملفق باطل بالإجماع. (قوله: وأن الحكم الملفق) المراد بالحكم الحكم الوضعي كالصحة. مثاله: متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلى فإن صحة هذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل، فصحته منتفية. اهـ. ح. مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه(مقدمة رد المحتار على الدر المختار. ابن عابدين - محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين)

ایک صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ مختلف مسائل میں مختلف مجتہدوں کے قول پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا: کہ جائز نہیں کیونکہ دین پابندی کا نام ہے اور اس میں مطلق العنانی (یعنی آزادی) ہے۔(دعوات عبدیت ص ۱۷ ج ۱۹)

۹۔دو جداگانہ عمل میں ضرورت کے وقت تلفیق جائز ہے:

عمل واحد میں ضرورت کی وجہ سے بھی تلفیق کی اجازت نہیں۔ ہمارے نزدیک ان اقوال مختلفہ میں یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جداگانہ ہوں تو ان میں (ضرورت کے وقت) تلفیق کی اجازت دی جائے گو ظاہراً خلاف اجماع لازم آتا ہو۔مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں، اور کوئی شخص ربع رأس سے کم مسح کرے تو حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ہوتا، پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور مسح کرے ربع رأس سے کم کا تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا۔اور یہ تلفیق خارج اجماع ہے۔اور اگر کسی نے وضو میں چوتھائی سر سے کم میں مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو

ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر، مگر وضو جدا عمل ہے اور نماز جدا، اس واسطے یہ تلفیق (ضرورت کے وقت) منع نہیں۔ محض حَظِّ نفس کے لئے تلفیق جائز نہیں۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص: ۲۶)

خلاصہ بحث

یسر و تیسیر کا فقہی مفہوم اَحکامِ شرعیہ میں شریعت کی عطا کردہ رخصتیں فراہم کرنا ہے۔

تیسیر کی متعدد حکمتیں ہیں جن میں:

(۱) دین داری کے تقاضوں کی برآوری (۲) دوام و استمرار کے مقاصد کی حصول یابی۔ (۳) غیر مسلموں کو مسلمان ہونے کی ترغیب۔ (۴) اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اظہار یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو استطاعت سے زیادہ احکام نہیں دیے۔ (۵) انسانی طرزِ حیات اور شرعی احکام میں ہم آہنگی۔ (۶) تیسیر اور آسانی ہر پائیدار مذہب کی پائداری کا راز ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں احکام کی تنفیذ نرمی اور ملائمت نیز رخصت اور آسانی کے ساتھ کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کو حنیفیہ اور سمحہ قرار دیا، یعنی جس میں نرمی کی حد تک نرمی ملحوظ خاطر رہتی ہے۔

۷۔ تیسیر کی تین بنیادیں سات اسباب اور دائرہ کار کے تحت پانچ امور بیان کئے گئے ہیں۔

۸۔ کتاب اللہ میں تیسیری احکام سے متعلق چھ آیتیں پیش کی گئی ہیں، اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ نمونے پیش کیے گئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حیات مبارکہ سے بھی پانچ واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔

۹۔ تیسیر سے متعلق بنیادی اصول و قواعد کے جواب میں آٹھ اصول و قواعد ذکر کیے گئے ہیں۔

۱۰۔ تیسیر اور رخصت میں فرق بیان کرتے ہوئے ان کی تعریف اور فقہی مثالیں پیش کی گئیں، تیسیر و رخصت دونوں کا تعلق عبادات و معاملات دونوں سے ہے۔ اس کی وضاحت کی گئی۔

۱۱۔ تینوں مقاصدی قواعد کی تفصیلی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۲۔ تیسیر کے مدنظر مذہب آخر پر فتویٰ دینے کی گنجائش کے تحت فتویٰ دینے کی پانچ شرطیں بیان کی گئی ہیں، اسی کے تحت تلفیق کے حدود و قیود اور اس کی شرعی حیثیت ذکر کی گئی ہے۔

''یسر و تیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے''

مولانا عبید الرحمٰن قاسمی

سوال نمبر (۱) شریعت اسلامی میں ''تیسیر'' کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی حکمت کیا ہے؟ اس بارے میں اصولیین کی گفتگو کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب: ''تیسیر'' ماخوذ ہے یسر سے اور لغت میں ''یسر'' کے معنی آسانی اور نرمی برتنے کے ہیں۔ لسان العرب میں ہے: **یسر الامر اذا سهله ولم یعسره علم یشق علی غیره (مقاییس اللغة ج ۶ ص: ۱۵۵۔ لسان العرب ج: ۵ ص: ۲۹۵)**

اور شریعت کی اصطلاح میں **''اباحة التصرف لامر عارض مع قیام الدلیل علی المنع (رد المحتار کتاب الحظر و الاباحة ج ۵/ص: ۲۳۷)**

ممنوع کی دلیل کے باوجود وقتی طور پر اباحت کا حکم لگانا۔

یا دوسری تعریف کے مطابق تنگی کو آسانی کی طرف پھیر دینا **''صرف الامر من عسر الی یسر (مبادی الاصول ص ۳۸)**

اسلام میں تیسیر اور رفع حرج کی ضرورت و حاجت اور حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

اعلم أن الحرج مرفوع عن المکف لوجهین: أحدهما الخوف من الانقطاع من الطریق وبغض العبادة وکراهة التکلیف، وینتظم تحت هذا المعنى الخوف من إدخال الفساد علیه في جسمه أو عقله أو ماله أو حاله والثاني خوف التقصیر عند مزاحمة الوظائف المتعلقة بالعبد المختلفة الأنواع مثل قیامه علی أهله وولده إلی تکالیف اخر تأتي في الطریق فربما کان التوغل في بعض الأعمال شاغلاً عنها وقاطعاً بالمکلف دونها وربما أراد الحمل للطرفین علی المبالغة فی الاستقصاء فانقطع عنهما (الموافقات في اصول الشریعة: ج ا ص: ۵۳۲)

مکلف سے تنگی دو اسباب سے اٹھالی گئی ہے، پہلا سبب یہ ہے کہ تنگی کی صورت میں اس بات کا خطرہ ہے کہ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے اور عبادت کو ناپسند کرنے لگے، حکم شرعی سے اس کا دل ہٹ جائے، اس کے تحت یہ بات بھی شامل ہے کہ تنگی کی صورت میں اس کے جسم یا عقل یا مال یا حال میں نقصان پہنچنے

کا خطرہ ہے، دوسری وجہ اس بات کا خوف ہے کہ انسان کے ساتھ جو بہت کی ذمہ داریاں لگی ہوئی ہیں، مثلاً بال بچوں کی دیکھ بھال وغیرہ، اس کی وجہ سے حکم شرعی کی تعمیل میں کوتاہی ہو، اگر احکام شریعت انتہائی پر مشقت ہوں گے تو ان میں سے بعض کی ادائیگی میں زیادہ انہماک اور غلو انسان کو اپنی انسانی ذمہ داریاں پورا کرنے سے مانع ہوگا اور اگر دونوں طرف کی ذمہ داریاں پورے طور پر انجام دینا چاہے گا تو خطرہ ہے کہ دونوں سے رو جائے گا، ایک بھی ذمہ داری کامل طور پر ادا نہیں کر پائے گا۔

البتہ فقہ التیسیر میں اسلامی قانون میں تیسیر کی چند حکمتوں کو بیان کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شریعت میں انسانی مصلحتوں کی رعایت کا بڑا دخل ہے اور انسانی مصلحتوں کا تعلق پانچ چیزوں سے ہے، اگر ان میں سے کسی ایک کی ادائیگی پر شرعی مجبوری درپیش ہو تو شریعت رفع حرج اور تیسیر کا حکم دیتی ہے تا کہ انسان اعمال کو دوام کے ساتھ کرتا رہے۔

(۲) انسانی کمزوری کو مدنظر رکھنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”**یرید اللہ ان یخفف عنکم و خلق الانسان ضعیفا (النساء ۲۸)** خدا تم پر بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور اس نے انسان کو کمزور پیدا کیا“ (النساء:28)۔

اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایت ان مصلحتوں اور رہنمائیوں کی وضاحت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے منتخب کی ہیں، جن میں انسانی کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر سہولت فراہم کرنا شامل ہے۔ اور یہ سہولت انسان کی کمزوری پر خدا کی رحمت ہے۔

(۳) غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے اور غیر مذہبی لوگوں کو مذہب اختیار کرنے کی ترغیب دینا: اس لئے کہ اگر غیر مسلم اسلام کی رواداری اور آسانی کو دیکھے گا دوسروں سے موازنہ کرے گا، تو اس کے دل میں قبول کرنے کی خواہش ہوگی۔

(۴) اللہ کی رحمت، کی نشانی ہے؛ کیونکہ اس نے ان پر کسی ایسی چیز کا بوجھ نہیں ڈالا جو اس کی طاقت سے زائد ہوا:

هذا إخبار عن عدله ورحمته كقوله تعالى: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ (الكشاف للزمخشري ۱/۳۳۳)

نیز تیسیر اسلامی قانون کے لافانی ہونے کی تصدیق کرتا ہے، اور ہر زمانے کے لیے اس کے جواز کی تصدیق کرتا ہے، کیونکہ یہ انسان کی مختلف رضا کارانہ اور جبری شرائط کو مدنظر رکھتا ہے، اور ہر حال میں اس کے مفادات کو حاصل کرتا ہے۔ (**فقه التيسير فى الشريعة الاسلاميه تاصيلا و تطبيقا ۱۹/۲۳**)

تیسیر اور رفع حرج کے بارے میں اصولیین کے اقوال:

کتاب وسنت میں بار بار یہ بات واضح کی گئی ہے کہ احکام شریعت میں حرج نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے احکام ایسے مشکل اور ناقابل عمل نہیں ہیں کہ انسان کو ان کی انجام دہی میں شدید دشواری اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے، مشقت کے حالات پیدا ہوتے ہی اسلامی شریعت احکام میں تخفیف کر دیتی ہے، مختلف اعذار و اسباب کی بنا پر

احکام شریعت میں تخفیف وتسہیل معروف بات ہے، مریض کوتیمم کرنے کی اجازت اسی مقصد سے ہے کہ مکلف انسان شدید مشقت اور دشواری میں مبتلا نہ ہو۔ دین میں حرج نہ ہونے کی تفسیر کرتے ہوئے مقاتل بن حیان فرماتے ہیں:

"لم يضيق الدين عليكم ولكن جعله واسعاً لمن دخله وذلك إنه ليس مما فرض عليهم إلا وقد ساق إليهم عند الاضطرار فيه رخصه فرض عليهم الصلاة في المقام أربع ركعات وجعلها في السفر ركعتين۔۔(الدر المثور ۱/۳۷۲)

اللہ تعالیٰ نے دین کوتمہارے لئے تنگ نہیں بنایا، بلکہ دین قبول کرنے والوں کے لئے اس میں وسعت رکھی ہے اور جوحکم ان پر فرض ہوا ہے اضطرار کے وقت اس میں رخصت دی گئی ہے جیسے: حالت اقامت میں چار رکعت مشروع ہے سفر میں دو رکعت ہوگئی ہیں۔

اس حوالہ سے امام ابوبکر جصاص رازی رقمطراز ہیں:

لما كان الحرج الضيق ونفى الله عن نفسه ارادة بنا الحرج ساغ الاستدلال بظاهره فى نفى الضيق وإثبات التوسعة فى كل ما اختلف فيه من حكام السمعيات فيكون القائل بما يوجب الحرج والضيق محجوجاً بظاهر هذه الاية (احكام القران للجصاص ۳۹۱/۲)

چونکہ حرج تنگی کا نام ہے اور اللہ تعالی نے اپنی ذات سے ہمارے ساتھ تنگی کی نفی کی ہے، لہذا اس کے ظاہر سے مختلف فیہ احکام میں تنگی کی نفی اور وسعت ثابت کرنے استدلال کیا جا سکتا ہے، جوشخص کسی مختلف فیہ مسئلہ میں حرج اور تنگی والے اقوال کو اختیار کرتا ہے، اس آیت کا ظاہر اس کے خلاف حجت ہے۔

سوال نمبر (۲) شریعت اسلامی میں تیسیر بنیادیں کیا ہیں؟ نیز تیسیر کے اسباب کیا ہیں اور اس کا دائرہ کیا ہے؟

جواب: تیسیر کی اہم بنیادیں تو ''عسر، حرج، اور ضرر'' ہیں (جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے) ان کے علاوہ بھی بہت سی بنیادیں ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(ا) انسان کی طاقت اور اس کا دائرہ عمل: انسان کی اہم خاصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وفہم، علم وادراک سے سرفراز فرمایا ہے تاہم: یہ تمام چیزیں محدود مقدار میں عطا فرمائی ہیں، یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی حکم انسان کی طاقت اور صلاحیت سے ماوراء نہیں ہے، قرآن میں ہے، لا يكلف اللّٰه نفسا الا وسعها (البقرة: ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے ہیں، امام رازیؒ فرماتے ہیں: انه ما يقدر الانسان عليه فى حالة السعة والسهولة لا فى حالة الضيق والشدة (تفسير رازی ۱۴/۷۹)

(۲) حالات سے دوچار ہونا: اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ احکام عمومی حالات میں انسان کی قدرت اور صلاحیت کے مطابق ہیں، البتہ بسا اوقات انسان ایسی مشقتوں اور مصائب سے دوچار ہوجاتا ہے، جو اسے عمل کی صلاحیت سے محروم یا کمزور کردیتے ہیں، تو ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس کو تیسیر عطا فرمائی ہے اور ایسی مشکلات میں شریعت انسانی قدرت اور ضعف کے مطابق چلتی ہے۔ جیسے: ایک میل یا اس سے زائد دوری یا دشمن یا درندہ کے خوف کی وجہ پانی کے موجود ہونے کے باوجود تیمم کی اجازت دینا، رکوع اور سجدہ کی عدم قدرت کی بنا پر اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم دینا تیسیر کی وجہ ہے۔

(۳) مذہبیت کے تقاضے کو پورا کرنا: چونکہ اسلام نام ہے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اس کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا اور لوگوں کے سامنے اس کے قوانین اور احکام پیش کرنے کا؛ تاکہ لوگ اس کی بندگی کرسکیں اور اس کے احکام مقاصد کی تکمیل کو یقینی بنایا جاسکے، لہذا: دین کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اس کی تعمیل کرنا یہ کام ناقابل برداشت مشقتوں اور بے جا سختیوں کے ذریعہ سے ممکن نہیں ہے؛ اس لئے آسانی کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا، جس آسانی اور سہولت کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ لہذا: یہ شرعی تیسیر دینی مطلوبات کی تکمیل کا باعث ہے۔

(۴) دوام اور تسلسل کا حصول: جو کام انسان کے لیے کام جتنا آسان ہوتا ہے اس کا کرنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ اور جو اس کو کرنے سے قاصر ہوں یا جو ان کے لیے مشکل ہو اور وہ برداشت نہ کرسکتے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے اپنا قاعدہ بتایا ہے کہ: اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا (البقرہ ۱۸۵)۔ دوام کے ساتھ انجام دینے اور اس پر پابندی کرنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف جو کام باعث مشقت اور تھکا دینے والا ہو تو لوگ اس سے بے اعتنائی برتنے لگتے ہیں حتیٰ کہ اعمال سے بیزار ہوجاتے ہیں۔ اس لئے یہ مطلوبہ تیسیر احکام کے مختلف شعبوں کی ضرورت ہے۔

اسبابِ تیسیر و رخصت:

(۱) الضرورة والاضطرار: یعنی جس کے بغیر زندگی کا قیام ممکن نہ ہو، دوسری تعریف: ضروریات خمسہ کی حفاظت کے واسطے مکلف آدمی کا ممنوع چیز کے استعمال پر مجبور ہوجانا (الوجیز للزحیلی ۲۳۰ ص)

اصولیین کے نزدیک دین اور دنیا کی مصلحتوں کی بقا کے لئے جن امور کا ہونا لازم ہے وہ پانچ ہیں: حفظ دین دین، عقل، نفس، نسل، مال (الاشباہ والنظائر للسیوطی ص: ۸۵) اسی ضرورت اور ضرر کی وجہ سے **الضروریات تبیح المحضورات** کا قاعدہ وجود میں آیا ہے (**المستصفیٰ ج: ۱ ص: ۲۸۷**)

(۲) مرض: وہ بیماری جس سے اعمال کی ادائیگی میں دشواری پیدا ہوتی ہو: **لیس علی الاعمی حرج ولا علی المریض حرج** (النور ۶۱) رمضان میں بیماری کی وجہ افطار کرنا، مسح علی الجبیرۃ، تیمم، جماعت میں عدم شرکت

،استقبال قبلہ پر قادر نہ ہونا اور اشارے سے نماز پڑھنا (احکام المرضیٰ ج ۱ ۲/۲)

(۳) اکراہ: کسی کو ناحق ناپسندیدہ بات یا عمل پر مجبور کرنا **حمل الغیر علی ما لا یرضاہ من قول او عمل (تحریر مع التیسیر ج: ۲ ص: ۱۳۱)**

اکراہ کبھی کسی فعل کے کرنے پر ہوتا ہے مثلاً: قتل، شراب، زنا وغیرہ پر مجبور کرنا: اور کبھی قول پر اکراہ ہوتا ہے جیسے: کلمہ کفر پر مجبور کرنا (**الموسوعۃ الفقھیۃ: ج: ٦ ص: ۱۰۴**)

(۴) سفر: مشروط سفر کی وجہ سے بھی رخصت ملتی ہے۔ جیسے: مسح علی الخفین، قصر، تیمم، سواری پر نفل نماز اور افطار وغیرہ (**احیاء علوم الدین ج: ۲ ص: ۲۵۸**)

(۵) حاجت: **مایترتب علی عدم الاستجابۃ الیھا عسر و صعوبۃ (الوجیز فی اصول الفقہ ۲۳۱)** جس کے قبول نہ کرنے کی بنا پر تنگی اور پریشانی لاحق ہو۔ اسی وجہ سے خلاف عقل اس کی کبھی اجازت عامہ دی جاتی ہے۔ جیسے: اجارہ، جعالہ، مضاربہ کیونکہ دراصل ان میں سے کچھ میں منافع معدوم ہیں اور کچھ میں جہالت ہے، یا اجازت خاصہ ہو۔ جیسے: مرض کی بنا پر ریشم کے کپڑے پہننا اور شکار یا نگرانی کے لئے کتا پالنا (**الاشباہ ر النظائر لابن نجیم ص: ۹**)

(٦) **جھل**: کسی چیز کی حقیقت سے واقف نہ ہونا جیسے خیار عیب بیع سلم وغیرہ (**الاشباہ و النظائر لابن نجیم ص ۹**)

(۷) عموم بلویٰ: ایسی چیزیں جن سے بچنا ناممکن ہو یعفی عنا لا یمکن الاحتراز عنہ (الوجیز ۲۳۱)) جیسے پیشاب کے باریک قطرات سے بچنا۔

(۸) النقص: کمی کا ہونا یعنی اہلیت کا نہ ہونا جیسے: بچہ اور مجنون ہونا یا عورتوں پر جمعہ، جماعت اور جہاد کا وجوب نہ ہونا۔ (اصول سرخسی ج۱/ص:۱۲۱)

''دائرہ عمل.''تیسیر کی مشروط اجازت ہے آزادانہ طور پر نہیں ہے، ابن عاشور فرماتے ہیں: '' تیسیر کا عمل اس وقت ہے جب انسان عمل کرنے سے عاجز ہو

وهذا دليل على عدم وقوع التكليف بما فوق الطاقة في أديان الله تعالى لعموم (نفساً) في سياق النفي، لأن الله تعالى ما شرع التكليف إلا للعمل واستقامة أحوال الخلق، فلا يكلفهم ما لا يطيقون فعله، (التحرير والتنوير ۳ص: ۱۳۵)

صاحب کشاف فرماتے ہیں: اللہ تعالی انسان کو اس چیز کا مکلف بنایا ہے جسے انسان پوری توانائی صرف کئے بغیر آسانی سے کرسکتا ہے:

الوسع ما يسع الإنسان ولا يضيق عليه ولا يحرج فيه، أي: لا يكلفها إلا ما يتسع فيه طوقه ويتيسر

عليه دون مدى الطاقة والمجهود. وهذا إخبار عن عدله ورحمته (الكشاف للزمخشري ١/٣٣٣)۔

سوال نمبر (٣) تیسیر کے بارے میں کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کار سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

جواب: کتاب وسنت اور صحابہ کرامؓ کے اقوال وہدایات میں امت پر بے جا سختیوں کی عمل برداری کا دخل ہے اور نہ ہی نفسانی سہولت پسندی کا شائبہ ہے۔ ذیل میں چند آیات واحادیث اور صحابہ کرام کے اقوال ذکر کئے جا رہے ہیں:

(١) ﴿وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ إِصۡرَهُمۡ وَٱلۡأَغۡلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ﴾ [الأعراف: ١٥٧]. اور ان سے وہ بوجھ اور طوق اتار دے گا جو ان پر لدے ہوئے تھے۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ سابقہ قوموں پر جو سختیاں تھیں امت محمد یہ ان سختیوں سے مبرا ہے، کیونکہ اسلام کی بنیاد تیسیر پر رکھی گئی ہے۔: أنه يضع عمن اتبع نبي الله، التشديد الذي كان على بني إسرائيل في دينهم (.تفسير ابن جرير، ١٣/١٦٧)

(٢) ﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِلَّا وُسۡعَهَا﴾ اللہ تعالی وسعت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں بناتے ہیں [البقرة: ٢٨٦]. وسعت وہ ہے جسے انسان آسانی اور سہولت کے ساتھ کر سکتے، جسے کرنے میں تنگی اور گھٹن پیش نہ آئے، اللہ تعالی انسان کو اس چیز کا مکلف بنایا ہے جسے انسان پوری توانائی صرف کئے بغیر آسانی سے کرسکتا ہے:

الوسع ما يسع الإنسان ولا يضيق عليه ولا يحرج فيه، أي: لا يكلفها إلا ما يتسع فيه طوقه ويتيسر عليه دون مدى الطاقة والمجهود. وهذا إخبار عن عدله ورحمته كقوله تعالى: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ (الكشاف للزمخشري (١/٣٣٣)

(٣) ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِي ٱلدِّينِ من حرج) (الحج: ٧٨) وقال: يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ) [البقرة: ١٨٥] وقال: ﴿فَاتَّقُوا الله ما استطعتُم) [التغابن: ١١٦]

ان آیات میں واضح طور پر تنگی کی نفی اور ہر میدان میں تیسیر کا اثبات کیا گیا ہے (تفسیر ابن ابی حاتم ج ٨ ص: ٢٥٠٦)

احادیث نبویہ:

(١) إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب الدين يسر)

دین آسان ہے اور کوئی دینی کاموں میں سختی سے کام لے گا تو وہ عاجز اور دین اس پر غالب آجائے گا، تو تم اعمال میں توسط اختیار کرو اور اگر اکمل پر عمل نہ کرسکو تو جو اس کے قریب ہو، اس پر عمل کرو، عمل دائم پر ثواب کی بشارت حاصل

کرواور دین کے اول وآخر میں عبادت پر مداومت سے مدد حاصل کرو۔

(۲) (أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللّٰهِ الحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب الدين يسر)

''اللہ کے نزیک سب سے محبوب ترین دین آسان اور دین حنیف ملت ابراہیم ہے، نہ کہ یہودیت ونصرانیت''۔

(۳) قال النبي ﷺ: (يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا ، وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا) (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي ﷺ يسروا ولا تعسروا)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسانیاں پیدا کرواور لوگوں کو تنگی میں نہ ڈالو، خوشخبریاں سناؤ اور متنفر نہ کرو''۔

(ب) رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا . . . (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي ﷺ يسروا ولا تعسروا)

''تم دونوں آسانیاں پیدا کرو، تنگی نہ کرو، خوشخبریاں سناؤ لوگوں کو متنفر نہ کرو''۔

(۴) (مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَافْعَلُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ) (متفق عليه)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، جس کام سے میں تم کو روک دوں، اس سے رک جاؤ، اور جن کاموں کا تمھیں حکم دوں، تو اس کو اپنی استطاعت بھر انجام دو۔ تم سے پہلے لوگوں کو ان کے کثرت سوالات اور انبیاے کرام سے اختلاف نے ہلاک کردیا۔

آثار صحابہ:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ وبن عاص کے ساتھ سفر پر نکلے ایک حوض پر پہنچے حضرت عمرو بن عاصؓ نے حوض کے مالک سے پوچھا کیا درندے وغیرہ آتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا مت بتانا۔۔۔(أخرجه مالك في الموطأ:٦٢)

ایسے ہی ایک مرتبہ ایک میزاب سے گزرے تو ایک صاحب نے پوچھا کہ اسکا پانی پاک ہے یا ناپاک آپ نے کہا مت بتانا اور آپ چلے گئے (إعلام الموقعين:۵۸/۱).

(۳) حضرت ابن عباسؓ سے مسافر کے روزے اور افطار کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؓ نے جواب دیا جو تمھارے لئے آسان ہو اس پر عمل کرو

فقال: »خذ بأيسرهما عليك«، قال الله تبارك وتعالى: ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة:۱۸۵] (الاعتصام للشاطبی ص ۳۹۵)

الحاصل: کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں بوقت ضرورت وحاجت تیسیر کا حکم دیا گیا ہے اور بے جا سختی، غلو اور شدت پسندی سے منع کیا گیا ہے۔

سوال نمبر (۴) تیسر سے متعلق بنیادی اصول وقواعد کیا ہیں؟

فقہ کی کتابوں میں اس کے چھ بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں:

(۱) المشقۃ تجلب التیسیر (۲) اذا ضاق الامر اتسع واذا اتسع ضاق (۳) الیقین لا یزول بالشک۔

(۴) الاصل فی الشئی الاباحۃ (۵) الضرورات تبیح المحضورات (۶) الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ عامۃ اوخاصۃ (۷) العادۃ محکمۃ (۸) الفتوی تتغیر بتغر الزمان والمکان والحال۔ (القواعد والضوابط المتضمۃ للتیسیر ج ا ص: ۴۲۷)

(۱) قاعدہ المشقۃ تجلب التیسیر: مشقت: اس سے مراد وہ تنگی اور دشواری ہے جس کی بنا پر انسان کو ذہنی یا بدنی تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑے تو اس کی وجہ سے حسب ضرورت آسانی فراہم ہوگی، دلیل: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ (التغابن: 16) حدیث میں ہے: " إنما بُعثتم میسّرین ولم تبعثوا معسّرین " (رواہ البخاری ۲۲۰) کبھی تو اس مشقت کا وجود ہوگا. جیسے: مریض کو مشقت کی بنا پر افطار کرنے کی اجازت اور مضطر کو ضرورت کی وجہ مردار کھانے کی اجازت دینا، اور کبھی اس کا وجود ظن غالب ہوگا جیسے: سفر میں قصر کرنا۔ یہ قاعدہ فقہی ابواب کی اکثریت پر مشتمل ہے (الاشباہ والنظائر ص: ۸۰)

(۲) اذا ضاق الامر اتسع واذا اتسع ضاق: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کام میں عذر لاحق ہوجائے تو آسانی کی خاطر گنجائش دی جاتی ہے جب عذر ختم ہوجائے تو تیسیر کا حکم منتقل ہوکر اصل (عزیمت) کی طرف لوٹ آئے گا کیونکہ حکم اپنی علت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ دلیل: آپ ﷺ نے فرمایا: کنت نہیتکم من اجل الدافۃ (مسلم ۱۹۷۱) میں نے تم لوگوں کو قلت غذا کے وقت جمع خوری سے منع کیا تھا لہذا: جب قلت غذا کا مسئلہ درپیش نہ ہو ذخیرہ اندوزی کرنے کی اجازت ہے۔ مثال: بیماری یا سخت ٹھنڈک کی وجہ سے وضو کے بدلے تیمم کی اجازت دینا اور جب بیماری یا ٹھنڈک ختم ہوجائے تو پھر سے اصل حکم وضو کا نافذ ہوگا۔

(۳) قاعدہ: الیقین لا یزال بالشك: یقین دل کے اطمینان اور سکون کا نام اور شک کسی چیز کے وقوع اور عدم وقوع کے مابین تردد کا نام ہے، اس کا مطلب ہے کہ یقینی چیز دلیل قاطع سے ہی ختم ہوسکتی ہے محض شک کی بنا پر اس کا حکم ختم نہیں ہوگا۔ دلیل ﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (یونس: 36)

حدیث نبوی ہے:

"إذا وجد أحدكم في بطنه شيء أشكل عليه أخرج منه شيء أولا فلا يخرج من المسجد حتى يسمع

صوتًا أو يجد ريحًا" (رواہ مسلم. ۳۶۱)

مثال : اگرکسی کو رکعتوں کی تعداد میں شک ہوجائے تین پڑھی یا چار، تو یقین پر عمل کرتے ہوئے تین کا اعتبار ہوگا (القواعد الفقهيه وتطبيقاتها محمد الزحيلي ج ا ص: ۹۸)

(۴) "الأصل في الأشياء الإباحة"، اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی پیدا کردہ تمام چیزیں مباح ہیں۔ حرام اور واجب صرف وہ چیزیں ہیں جن کی حرمت یا وجوب کے بارے میں صحیح اور واضح نص موجود ہوں، ورنہ وہ چیز حلال یا مباح مانی جائے گی، حدیث میں ہے کہ حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ سے گھی، پنیر اور پوستین (چمڑے کا لباس) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا، اور حرام وہ ہے، جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا **وما سكت عنه فهو مما عفا عنه**، اور جس چیز کے بارے میں وہ خاموش رہا وہ اس قبیل سے ہے جسے اللہ نے معاف کر دیا ہے، (یعنی اس کا استعمال جائز اور مباح ہے) " (ترمذی ۱۷۲۶)

(۵) **الضرورات تبيح المحظورات**: (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں) ضرورت کہتے ہیں انسان کا اس حد تک پہنچ جانا کہ اگر حرام چیز کا استعمال نہ کرے تو وہ ہلاک ہوجائے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے یعنی یہ مجبوری ضرورت سے بڑی ہو۔ (القواعد الفقهيه المتضمنة للتيسير ج ا ص ۲۸۷)

دلیل: **فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه** اس آیت میں جس ضرورت یا ضرر کا دفعیہ مقصود ہے اس کی حد بندی کرتے ہوئے حافظ ابن العربی فرماتے ہیں:

"هذا الضرر الذي بيناه يلحق إما بإكراه من ظالم أو بجوع في مخمصة أو بفقر لا يجد فيه غيره فإن التحريم يرتفع عن ذلك بحكم الاستثناء ويكون مباحا فأما الإكراه فيبيح ذلك كله إلى آخر الإكراه (احکام القرآن لابن العربی ۱/ ۸۲)

(ہمارا بیان کردہ یہ ضرر یا تو ظالم کے اکراہ سے لاحق ہوتا ہے یا شدید تر بھوک سے یا ایسے فقر سے کہ انسان ان محرمات کے سوا کچھ اور نہ پا سکے، ایسی صورت میں استثنائی طور پر حرمت کا حکم ختم ہوجاتا ہے اور وہ حرام چیز مباح ہوجاتی ہے، اکراہ ان تمام محرمات کو مباح کر دیتی ہے جب تک کہ اکراہ باقی رہے)۔

امام ابوبکر جصاص رازی اضطرار اور ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقد ذكر الله تعالى الضرورة في هذه الآيات وأطلق الإباحة فى بعضها بوجود الضرورة من غير شرط ولا صفة وهو قوله وقد فصل لكم ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم إليه فاقتضى ذلك وجود الإباحة بوجود أن الضرورة فى كل حال وجدت الضرورة فيها (احکام القرآن للجصاص ۱/ ۱۵۷)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ضرورت کا ذکر کیا ہے اور بعض آیات میں کسی شرط اور مفت کے بغیر ضرورت پائے جانے کی وجہ سے اباحت کا ذکر ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں بھی ضرورت پائی جائے وہاں اباحت پائی جائے"۔

(۶) الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة یہ قاعدہ بھی ماقبل کی طرح ہے، البتہ ضرورت میں انسان کی جان یا اعضاء کے تلف کا خطرہ ہوتا ہے اور حاجت میں انسان کی جان و مال کا خطرہ نہیں ہوتا ہے البتہ انسان اس کی وجہ سے بڑی مشقت میں پڑ جاتا ہے:

الحاجيات معناها أنها مفتقر إليها من حيث التوسعة ورفع الضيق المؤدي في الغالب إلى الحرج والمشقة اللاحقة بفوت المطلوب، (الوجيز لوهبه زحيلى ۲۲۹)

جیسے بیمار عورت کو علاج کے لئے دیکھنا اور شدید بارش کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنا **(الاشباہ والنظائر للسیوطی ج ۱ ص: ۲۱۸)**

(۷) العادة محكمة جس کے ذریعہ متعاقدین یا فریقین کے مابین فیصلہ کیا جائے جو شریعت کے مخالف نہ ہو۔

شرعی تعریف: انسان کا وہ عرف جو بندوں کے تصرفات میں قید بن آتا ہو یا ان حدود کو طئے کرنا جن کی شریعت نے حد بندی نہ کی ہو (فقہ التیسیر ۹۰) امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ "جس کا کوئی ضابطہ نہ لغت میں ہو اور نہ ہی شریعت میں ہو تو اس کے معنی کی تعیین میں عرف کا اعتبار ہوگا" (الاشباہ والنظائر للسبکی ۱ ص: ۵۱) البتہ شرط یہ ہے کہ وہ عرف کلی یا اکثری ہو **انما تعتبر العادة اذا طردت او اغلبت (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱۳۱)** دلیل: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الأعراف: 199) اے اللہ کے نبی لوگوں کو معاف کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔ اس کی تفسیر میں ابن الفرس کہتے ہیں کہ اے نبی آپ فیصلہ کرو ایسی چیزوں کا جن سے لوگ واقف ہیں اور وہ خلاف شرع نہ ہو:

قال ابن الفرس: المعنى: اقض بكل ما عرفته النفوس مما لا يرده الشرع، وهذا أصل القاعدة الفقهية في اعتبار العرف وتحتها مسائل كثيرة لا تحصى (الاكليل فى استنباط التنزيل ج ۱ ص ۱۳۲

(۲) فكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ (المائدہ ۸۹)

اس آیت کریمہ میں اس بات کا بیان ہے کہ کفارہ یمین میں دس مساکین کو کھانا کھلانا ہے، اب کون سا کھانا کھلانا ہوگا؟ تو یہ بات عرف پر موقوف ہوگی۔ **(فتاوی کبری لابن تیمیہ ۴ ص ۱۹۹)**

حدیث: آپ ﷺ نے نفقہ کے بارے میں فرمایا کہ جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے کافی ہو وہ لو **"خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف (متفق عليه)** ان نصوص میں عرف کا اعتبار کیا گیا ہے جیسے: سفر شرعی کی حد بندی میں، عورت کے نان ونفقہ میں، کفارہ کے کھانے میں عرف کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(۸) الفتوی تتغیر بتغیر الزمان والمکان والحال: عرف و عادات،ضرورت وحاجت،حرج ومشقت، زمان ومکان کی وجہ سے فتوی بدلتا رہتا ہے، اس لئے ضروری نہیں ہے کہ ایک ملک کا فتوی دوسرے ملک کے لئے لازم العمل ہو کیونکہ اسلامی فقہ میں ان تمام اسباب کی اسی اہمیت کے پیش نظر مجتہد، مفتی اور قاضی کے لئے اپنے دور کے عرف وعادات ضرورت وحاجت سے باخبر ہوا انتہائی ضروری قرار دیا گیا ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں: کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اجتہاد کی ایک شرط لوگوں کی عادات سے واقفیت ہے کیوں کہ بہت سے احکام زمانہ تبدیل ہونے سے بدل جاتے ہیں، کیوں کہ اس زمانہ کا عرف تبدیل ہوتا ہے یا کوئی نئی ضرورت پیش آجاتی ہے یا اہل زمانہ میں بگاڑ آجاتا ہے لہذا اگر پہلا حکم باقی رہے تو لوگ ''مشقت'' اور ضرر میں مبتلا ہوں گے اور شریعت کے ان اصولوں کی خلاف ورزی ہوگی جو تخفیف ''تیسر'' اور ''دفع ضرر'' پر مبنی ہیں (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۱۲۳)

نیز شرح عقود رسم المفتی میں اس کی تصریح ہے کہ اس زمانہ میں بھی اگر ضرورت جدیدہ کی وجہ سے تغیر زمان ہو جائے تو تب بھی تیسیر کا فتوی دیا جائے گا۔

''العرف یتغیر مرۃ بعد مرۃ فلو حدث عرف آخر لم یقع في الزمان السابق فھل یسوغ للمفتی مخالفة المنصوص واتباع العرف الحادث؟ قلت: نعم فان المتأخرین الذین خالفو المنصوص في المسائل المارۃ، لم یخالفوہ إلا لحدوث عرف بعد زمن الامام فللمفتی إتباع عرفه الحادث في الألفاظ العرفیة وکذا في الأحکام التي بناھا المجتھد علی ما کان في عرف زمانه وتغیر عرفه الی عرف آخر اقتداء بھم. (عقود رسم المفتی ص ۴۵)

الحاصل: مذکورہ ان اصول وقواعد پر تیسیر ورخصت کی بنا رکھی گئی ہے جب بھی رخصت وتیسیر کا حکم نافذ ہوگا انھیں قاعدوں کی بنا پر حکم نافذ ہوگا۔

سوال نمبر (۵) تیسیر اور رخصت دونوں یکساں ہیں یا ان دونوں میں فرق ہے، کیا رخصت اور تیسیر کا تعلق صرف معاملات سے ہے یا عبادات سے بھی ہے؟

جواب: رخصت کے لغوی معنی ''سہولت اور آسانی'' کے ہیں اور فقہ کی اصطلاح میں ممانعت کی دلیل کے باوجود عذر اور عاجزی کی وجہ سے جواز کی اجازت دینا۔

امام سرخسیؒ کے بقول ما استبیح للعذر مع بقاء الدلیل المحرم (اصول السرخسی ج ۱: ص: ۱۱۷ /الموافقات ج ۱ ص: ۴۶۶) رخصت ''حالت اضطراری عاجزی اور نا قابل برداشت حالات سے متعلق ہے (فقہ التیسیر ۱۱۳) خلاصہ یہ کہ رخصت مشقت کے بعد ہے (اصول السرخسی ج ۱: ص: ۱۱۷)

عند الاحناف بنیادی طور پر رخصت کی دو قسمیں ہیں: (۱) رخصت ترفیہ: یعنی حرمت کی بقا کے ساتھ فعل کی

رخصت، جس میں عزیمت کا حکم باقی ہو مگر مکلف کے واسطے رخصت دی گئی، ہو، لیکن عزیمت پر عمل کرنے سے ثواب کا حقدار ہوگا۔ جیسے: کلمہ کفر کا تلفظ، ااس لئے کہ کلمہ کفر کی حرمت ہر حال میں باقی ہے۔ **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان مطمئن بالایمان** کی قید اس بات پر دال ہے کہ کلمہ کفر ہر حال میں جائز ہے، نیز اس کا شان نزول بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۲) رخصت اسقاط: یعنی تغیرِ صفت کے ساتھ فعل کی رخصت۔ جس میں عزمت کا حکم باقی نہ ہو بلکہ رخصت عزیمت کے درجے میں ہو جائے جیسے: حالت اضطرار میں مردار کا کھانا **فمن اضطر غیر باغ و لا عاد فلا اثم علیه** (**علم اصول الفقه عبد الوهاب ۱۲۳**)

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ (۱) کبھی رخصت پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے جیسے: مضطر کا مردار کھانا (۲) کبھی اختیار ہوتا ہے جیسے کلمہ کفر کا تلفظ کہ اگر کوئی شخص اپنی جان دے دے اور کلمہ کفر سے اپنی زبان کو محفوظ رکھے تو وہ عنداللہ مستحق اجر ہوگا۔ (۳) کبھی اولی جیسے: مشقت کی وجہ سے سفر میں افطار کرنا اور (۴) کبھی غیر اولیٰ ہوتا ہے، جیسے: بلا مشقت مسافر کا رمضان میں افطار کرنا۔ (**جمع الجوامع مع حاشیة البنانی ج: ۱ ص: ۱۲۱**)

تیسیر اور رفع حرج دونوں ایک ہی چیز ہے (شرح النووی علی صحیح مسلم ومختار الصحاح ص ۵۴)

(۲) تیسیر اور رخصت عرفی طور پر یہ دونوں مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، اور فقہی طور پر تیسیر آسانی فراہم کرنے کا ذریعہ ہے اور رخصت اس کے تحت پائے جانے والے اسباب وعوامل ہیں (المستصفی ج:۱ ص:۲۸۷) نیز اصول کی کتابوں میں المشقة تجلب التيسير کے تحت رخصت کا ذکر ہے۔ مطلب رخصت تیسیر کا جزو ہے (دیکھیے: الوجیز للزحیلی ۲۳۰ الاشباہ والنظائر للسیوطی)

(۳) رخصت کا تعلق عبادات معاملات سبھی سے ہے، اس لئے کہ شریعت کے پیشِ نظر انسانوں کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کرنا ہے۔ پھر ہر وہ سہولتیں اور تخفیفیں جو شریعت کی طرف سے عطا کردہ ہیں، وہ عوارض کے پیش آنے کی بنا پر جائز کی گئی ہیں۔ اور یہ عوارض (حرج اور مشقت) احکام کی ہر قسم (ایمانیات، عبادات، معاملات، عقوبات) میں پائے جاتے ہیں جن کی شرعی سہولتوں کو شریعت مطہرہ میں تیسیر اور رخصت کا نام دیا گیا ہے:

قال الشاطبي: فإذا دخل على المكلفين على الجملة الحرج والمشقة، ولكنه لا يبلغ مبلغ الفاسد العادي المتوقع في المصالح العامة، وهي جارية في العبادات والعادات والمعاملات والجنايات [الموافقات 11/2.]

ابن عاشور لکھتے ہیں:

ما ورد من ذلك فهو في سياق العقوبات هذا حكم عام في الشرائع كلها. وامتازت شريعة الإسلام

باليسر والرفق، بشهادة قوله تعالى: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدين من حريج) (الحج: ۷۸] (التحرير والتنوير ۳ص: ۱۳۵)

مثالیں: (۱) ایمانیات میں: مکرہ کا کلمہ کفر کا تلفظ وغیرہ (۲) عبادات میں جیسے: مسافر کا قصر کرنا، مریض اور مسافر کا رمضان میں افطار کی اجازت ہونا، رکوع سجدہ پر عدم قدرت کی بنا پر اشارہ سے نماز پڑھنا، کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا، موزوں پر مسح کرنا، بیماری یا پانی کی کمی کی وجہ سے تیمم کی اجازت، اور جانور یا گاڑی سے نکلتے وقت نفلی نماز یا جہاز، خواہ سمت قبلہ کے علاوہ ہو۔

(۳) عادات میں رخصتیں: شکار کی اجازت، اور کھانے پینے، لباس اور رہائش کے لحاظ سے معاش کی اچھی چیزوں سے لطف اندوز کی مشروعیت۔

(۴) معاملات میں: تمام معاہدوں اور لین دین کی اجازت ہے جو لوگوں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں، جیسے کہ خرید و فروخت، کرایہ، مضاربات، ، ضمانتیں، اور عطیات، قرض، حوالہ، حجر (تصرفات کی بندش)، وصیت، سلم، اقالہ، شرکت، صلح، عاریت، ودیعت، رہن، ضمان، ابراء، اجارہ، مزارعت، مساقات، مضاربت، وکالت، وغیرہ۔

عقوبات میں : قصاص میں ولی کو معافی کا حق، عاقلہ پر دیت کا ڈالنا قاتل کی آسانی کی بنا پر، اور سزاؤں کا شبہات کی بنا پر ختم ہو جانا وغیرہ۔ (**مقاصد الشريعة ومكانتها فى استنباط الاحكام الشريعة ص ۸ /الوجيز للزحيلى ۲۲۱**)

سوال نمبر (۶) بعض مقاصدی قواعد بھی ہیں جن کا تعلق تیسیر ہے جیسے: جلب المصالح ودرء الفاسد اور رفع حرج ان کی قدرے وضاحت مطلوب ہے۔

جواب: یہ قاعدہ بہت سے ناموں سے موسوم ہے جیسے:

جلب المصالح ودرء الفاسد "دَفع المفاسِد مُقدَّمٌ على جلبِ المصالِح"، "درءُ المفسَدَة أولى مِن جَلب المصلَحَة"، "دفعُ المفسَدَة أهمُّ مِن تحصيلِ المصلَحَة (البحر المحيط، (280/7).

اگر کسی جگہ میں مصلحت اور فساد ایک ہی جگہ میں جمع ہو جائیں اور دونوں کا رتبہ مساوی ہو تو اس وقت مصلحت کے حصول کی بجائے دفع مضرت پر عمل ہوگا:

هو تعارضٌ بين المفاسد والمصالح وكانتا في منزلة ورُتبة واحدة، يقدَّم دفعُ المفاسد على الاعتناء بالمصالح (الوجيز في إيضاح قواعد الفقه 265)

إذا حدَث تعارضٌ بين المصالح والمفاسد وهُما في نفس المنزلة، ولا نستطيع الجمع بينهما، سنلجأ إلى الترجيح بدرء المفسدة على جَلب المصلحة.. (غمز عيون البصائر، (290/1)

دراصل: مصلحت اور مضرت کے جمع ہونے کی تین شکلیں ہیں (۱) مصلحت کا پہلو غالب ہوتو اس وقت مصلحت پر عمل ہوگا جیسے: حضرت ابن عمرؓ کا حج کے زمانے میں حجاج کے پاس جانا اور اس کو عرفہ کے دن جلدی کرنے، مختصر خطبہ دینے اور سنت پر عمل کرنے کی نصیحت کرنا (صحیح بخاری ۱۶۶۰) یہ اقدام ایک عظیم خیر کے حصول کے لئے تھا اس لئے آپؓ نے مضرت کا اعتبار نہیں کیا۔ (فتح الباری ج: ۳ص: ۵۱۲) [قواعد الأحكام، (98/1)

(۲) دوسری قسم: مضرت کا پہلو بڑا ہو اور خیر مغلوب ہو تو دفع مضرت کا اعتبار ہوگا۔ جیسے: کسی آدمی کو اس بات کا اختیار دینا کہ وہ یا تو اپنا قتل کرے یا پھر اپنا مال دے، تو ظاہر سی بات ہے کہ قتل سے بچنے لئے مال کی قربانی دینا لازم ہے۔ علامہ عز بن عبد السلام دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إن تعَذَّر الدَّرءُ والتَّحصيلُ فإن كانت المفسَدةُ أعظمَ من المصلَحةِ، درَأنا المفسَدةَ ولا نُبالي بفَواتِ المصلَحة"؛ لأن "دَرْء المفاسدِ أولى من جَلب المصالح، فإذا تَعارضَت مفسَدةٌ ومصلَحةٌ قُدِّم دفعُ المفسَدةِ غالبًا" [قواعد الأحكام، (98/1)]

(۳) مضرت اور مصلحت دونوں کا پہلو مساوی ہو تو یہاں بھی دفع مضرت کو اختیار کیا جائے گا،

امام سبکی فرماتے ہیں:

"درء المفاسد أولى من جلب المصالح. ويستثنى مسائل، يرجع حاصل مجموعها إلى أن المصلحة إذا عظم وقوعها، وكان وقع المفسدة [أخف]: كانت المصلحة أولى بالاعتبار. ويظهر بذلك أن درء المفاسد؛ إنما يترجح على جلب المصالح إذا استويا (الأشباه والنظائر 2"/105)

علامہ سیوطی اس کی دلیل میں فرماتے ہیں کہ شریعت نے معروفات سے زیادہ منہیات پر زور دیا ہے فرماتے ہیں:

"إذا تَعارضَت مفسَدةٌ ومصلَحةٌ، قُدِّم دفعُ المفسَدةِ غالبًا؛ لأنَّ اعتِناءَ الشارِعِ بالمنهِيَّات أشَدُّ مِن اعتنائِه بالمأمورات" (الأشباه والنظائر، /ج ا ص: ۸۷

دلائل: (۱) ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام: 108].

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے تا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ برا بھلا نہ کہیں کیونکہ یہ عمل اللہ کی برائی کا سبب ہے (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، 58/2)

(۲) ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ [البقرة:219]

اس آیت میں بتایا گیا کہ شراب میں کچھ اچھائیاں اور کچھ برائیاں ہیں مگر برائیوں کی کثرت ہے، اس لئے فساد سے بچنے کے لئے شراب حرام ہے (الجامع لأحكام القرآن، (60/3). قواعد الأحكام، (98/1)

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (إياكم والجلوسَ في الطرقات)، فقالوا: يا رسول الله، ما لنا من مجالسنا بدٌّ، نتحدث فيها، فقال: (إذا أبيتم إلا المجلس فأعطوا الطريق حقَّه) [البخاري، رقم الحديث: (5761)

آپ ﷺ نے لوگوں کو راستوں میں بیٹھنے سے اس لئے منع کیا اس لئے کہ اس میں اچھائیوں سے زیادہ برائیوں کا دخل ہے لیکن اگر بیٹھنا مجبوری ہو تو تمام آداب کی رعایت انتہائی ضروری ہے [نیل الأوطار (5/374)، فتح الباري (5/113)

رفع حرج: شریعت اسلامیہ کا ایک امتیاز عسر میں یسر پیدا کرنا اور حرج ومشقت میں نرمی برتنا ہے؛ اس لئے کہ شریعت کا مقصد بندوں کو بے جا تکلیفوں اور شدید مشقتوں سے دو چار کرنا بالکل نہیں ہے؛ بلکہ شریعت نرمی اور آسانی کے مواقع فراہم کرتی ہے اور یہ عمل ان جگہوں میں دستیاب ہوگا جہاں عسر اور مشقت کی بنا پر عمل کرنا محال ہو یا عمل کرنے کی صورت میں ضرر وغیرہ کا امکان ہو:

وذلك لان الشارع الحكيم لم يكن يقصد بعباده إلى التكليف الشاق والاعنات فيه. وان الشريعة موضوعة على مقصد الرفق والتيسير، ولو كان الشارع الحكيم يقصد المشقة في التكليف لما كان هناك ترخيص ولا تخفيف (رفع الحرج فی مفهومه الفقهی ص ۵۲)

اسی مشقت اور تنگی میں سہولت پیدا کرنے کا نام رفع حرج اور نفی حرج ہے:

"إزالة ما فی التكليف الشاق من المشقة برفع التكليف من اصله او بتخفيفه او بالتخيير فيه او بان يجعل له مخرج (مختار الصحاح ص: ۵۴)

رفع حرج کے شرائط: (۱) جس کا سبب معلوم ہو اور وہ موجود ہو، جس کی وجہ سے نا قابل برداشت مشقت لاحق ہو (۲) اور وہ نص قطعی یا ظنی کے مخالف نہ ہو۔ (۳) وہ عمومی مشقت ہو یعنی انسان کو اس سے چھٹکارہ پانے کی قدرت نہ ہو۔ (**رفع الحرج فی مفهومه الفقهی ص: ۵۱**)

حرج کی دو قسمیں ہیں (۱) حرج حقیقی: جس کا سبب حقیقتاً پایا جا رہا ہو جیسے: سفر اور مرض۔ (۲) حرج وہمی: جس کے پائے جانے کا وہم ہو۔ شریعت میں دوسرے کا اعتبار نہیں ہے (**رفع الحرج فی مفهومه الفقهی ص ۵۲**)

چونکہ رفع حرج اسلامی فقہ کا ایک عظیم مقصد ہے، اس لئے اس کے تحت **المصالح المرسلة، والاستحسان .المشقة تجلب التيسير وإذا ضاق الأمر اتسع، والضرر يزال، والضرورات تبيح المحظورات والحاجة تنزل منزلة الضرورة**، پائے جاتے ہیں کیونکہ سب کا تعلق تیسیر ہے اور رفع حرج تیسیر کی بنیاد ہے۔ (رفع الحرج فی الشریعۃ الاسلامیہ ص: ۴۷)

سوال (۷): اگر کسی مسلک کے کسی جزئیہ پر دشوار ہو تو تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کیا دوسرے مسالک سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب: تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اپنے مسلک کی تقلید کرتے ہوئے کسی خاص مسئلے میں تیسیر کے مدنظر دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے، جو شرطیں الحیلۃ الناجزہ میں مذکور ہیں (۱) شرط اولین تو یہی ہے کہ مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بناء پر ہو، اتباع ہوا کے لئے نہ ہوئی اور اس شرط پر تمام امت کا اجماع ہو۔ (۲) افتاء بمذہب الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کے لئے بدون، کوئی تکلیف نا قابل برداشت پیش آجائے (۳) کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جائے۔ (۴) اگر کسی عمل میں بضرورت دوسرے مذہب پر عمل کیا جائے تو اس عمل کی تمام جزئیات پر عمل کرنا چاہیئے (الحیلة الناجزة: ۲٦)

دلائل: اگر خواہش نفس کی بنا پر ایسا کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے بالاتفاق:

اتَّفَق الفُقَهاءُ على أنَّ الانتقالَ إذا كان للتلهِّي فهوحرام قطعًا؛ لأنَّ التلهِّيَ حرامٌ بالنُّصوصِ القاطعة (فواتح الرحموت ج: ۲ ص: ۱٦۲)

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: نصَّ الإمامُ أحمدُ وغيرُه أنَّه ليس لأحَدٍ أن يعتَقِدَ الشَّيءَ واجبًا أو حرامًا ثمَّ يعتَقِده غيرَ واجبٍ أو غيرَ حرامٍ بمُجَرَّدِ هواه اتباعًا لقولِ عالمٍ آخَرَ، فهذا ممنوعٌ من غير خِلاف (مجموع الفتاویٰ ج: ۲۰ ص: ۲۲۰)

شرح عقود رسم المفتی میں عالم اور فقیہ کو اس کی اجازت دی گئی ہے نہ کہ عوام کو:

قال في خزانة الروايات: العالم الذي يعرف معنى النصوص والأخبار، وهو من أهل الدراية يجوز له أن يعمل عليها وإن كان مخالفا لمذهبه. (شرح عقود رسم المفتيص: 89،)

موافقات میں ہے کہ اگر اس کی عام اجازت دے دی جائے تکلیف بے معنی ہو جائے گا:

ان تَتَبُّع الرُّخَصِ مؤدٍّ إلى إسقاطِ التكليف في كُلِّ مسألة مختَلَف فيها؛ لأنَّ له أن يفعَلَ ما يشاء ويختارَ ما يشاء، وهو عينُ إسقاطِ التكليفِ، فيُمنَعُ سَدًّا للذَّريعةِ (الموافقات ج ۵ ص: ۱۰۳).

اسی طرح تمام علمائے ہند نے مذکورہ شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل الحیلۃ الناجزۃ نامی کتاب ہے جس میں امام مالکؒ کے مسلک پر فتویٰ دیا گیا ہے؛ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ "حیلۂ ناجزہ" میں لکھتے ہیں: "مذہبِ غیر پر عمل کرنا ضرورتِ شدیدہ کی بنا پر ہو، اتباع ہویٰ کے لیے نہ ہو، (الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۵)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاوی رشیدیہ میں اسی موضوع کے ایک سوال کا جواب یہ دیا ہے:

''مذہب سب حق ہیں، مذہب شافعی پر عند الضرورت عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجت شرعیہ سے ہو، کچھ حرج نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص: 93،عنوان: عند الضرورت مذہب شافعی پر عمل کرنا)

سوال (۸)۔عرب علماء کے یہاں فقہ التیسیر ایک مستقل موضوع ہے، اور احکام کی تطبیق میں اس پر کافی زور دیتے ہیں

جواب: فقہ الاقلیات (یعنی ان مسلمانوں کا فقہ جو غیر مسلم ممالک میں اقلیت کے ساتھ رہائش پذیر ہیں اور وہاں کے قوانین غیر اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں ان کا چلن ہے) تو ایسے مقامات کے لئے یہ حکم ہے کہ جہاں بھی احکام پر عمل کرنے میں دشواری ہو تو ایمانیات عبادات، معاملات، عقودات، عقوبات میں تیسیر کا راستہ اختیار کیا جائے گا اور تیسیر کا یہ عمل حرج، مشقت، ضرورت، حاجت کی تمام شرطوں کے ساتھ نافذ ہوگا کیونکہ تیسیر اعمال کو برتنے کے لئے ہے نہ کہ اعمال کے ترک کے لئے، چنانچہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: کہ شریعت کی بنیاد حکمتوں اور بندوں کی مصلحتوں پر رکھی گئی ہے، اس لئے کہ شریعت میں عدل اور توازن ہے لہذا جہاں کوئی مسئلہ عدل سے ظلم کی طرف یا مصلحت سے فساد کی طرف منتقل ہو جائے، تو وہ شریعت کا حصہ نہیں ہے اور مصلحتوں کی بنا کی بنا پر تیسیر کا حکم لگتا ہے، لہذا: جہاں بھی انسانی مصلحتیں مفقود ہو رہی ہوں وہاں تیسیر ہوگی:

"فإن الشريعة مبناها وأساسها على الحكم ومصالح العباد في المعاش والمعاد، وهي عدل كلها، ورحمة كلها، ومصالح كلها، وحكمة كلها؛ فكل مسألة خرجت عن العدل إلى الجور، وعن المصلحة إلى المفسدة، فليست من الشريعة وإن أدخلت فيها بالتأويل؛ فالشريعة عدل الله بين عباده، ورحمته بين خلقه، وظله في أرضه (إعلام الموقعين (11/3)

نیز شریعت میں وسعت ہے اور ''وسعت'' کی تشریح کرتے ہوئے علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

وسعت وہ ہے جسے انسان آسانی اور سہولت کے ساتھ کر سکتے، جسے کرنے میں اسے اور گھٹن پیش نہ آئے، اللہ تعالی انسان کو اس چیز کا مکلف بنایا ہے جسے انسان پوری توانائی صرف کئے بغیر آسانی سے کر سکتا ہے:

إن الوسع هو ما يسع الإنسان ولا يضيق عليه ولا يحرج فيه فالله لا يكلف النفس إلا ما يتسع فيه طوقها ويتيسر عليها دون مدى غاية الطاقة المجهودة (تفسير زمخشرى ۴۰۸/۱)

ابن عاشور کے بقول: وسط بين التضييق والتساهل (التحرير والتنوير ج۵ ص/۲۲) تنگی اور سہولت پسندی کے درمیان کے راستے کو تیسیر کہتے ہیں اسلئے جس علاقہ اور زمانے میں بھی اعمال کی ادائیگی میں شرعی تنگی درپیش ہوگی

وہاں رخصت ہوگی، محض تن پروری کی بنا پر اس کی اجازت نہیں ہے، اسی لئے ضرورت کے وقت تیسیر پر عمل کرنے کی اجازت ہے اور اس ضرورت کی شرط میں مزید کوئی قید نہیں ہے بلکہ فقہ میں علی الاطلاق ضرورت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عام ہے ہر ضرورت کو خواہ وہ کسی زمان یا مکان میں پیدا ہوئی ہو خواہ وہ ہندوستان میں ہو یا دوسری جگہ۔ جہاں ضرورت ہوگی تیسیر نافذ العمل ہوگی جیسا کہ عقود در سم المفتی میں ضرورت کو عام رکھا گیا ہے:

فهذه كلها قد تغيرت احكامها لتغير الزمان إما للضرورة وإما للعرف وإما لقرائن الاحوال (عقود رسم المفتی ص ۴۵)

یہی وجہ ہے تیسیر اسلامی قانون کے لافانی ہونے کی تصدیق کرتا ہے، اور ہر زمانے اور ہر علاقے کے لیے اس کے جواز کی تصدیق کرتا ہے، کیونکہ یہ انسان کی مختلف رضا کارانہ اور جبری شرائط کو مدنظر رکھتا ہے، اور ہر حال میں اس کی مصلحت کی بقا پر بحث کرتا ہے۔ (فقہ التیسیر فی الشریعۃ الاسلامیہ تاصیلا وتطبیقا ص:۱۹)

الحاصل: مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں تیسیر کی شرطوں کی بنا پر ان کو رخصت کی اجازت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خلاصہ سوالات:

سوال: (۱) تیسیر (۱) اباحة التصرف لامر عارض مع قيام الدليل على المنع ۔ممنوع کی دلیل کے باوجود وقتی طور پر پر اباحت کا حکم لگانا۔

(۲) اس کی بہت سی حکمتیں ہیں جیسے: اگر مشقت میں تخفیف نہ دی جائے تو انسان کا عبادات سے روگردانی کرنے کا قوی امکان ہے، نیز: جان مال جسم وذہن پر گہرا اثر پڑتا ہے اور شریعت میں دین، جان، مال، عقل اور نسل کی حفاظت شریعت کی اساسی ضروریات میں سے ہیں، بسا اوقات یہ عمل غیر مسلموں کے قبول اسلام کا سبب بنتا ہے۔

(۳) اصولیین کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ احکام شریعت قیامت تک کے لئے ہیں، انسان مشقتوں اور حرج سے دوچار ہوتا رہتا ہے، ان دشواریوں میں شریعت پر عمل کے لئے تیسیر کا حکم نازل ہوا ہے۔

سوال: (۲) تیسیر کی اصل بنیاد تو حرج، عسر، اور ضرر ہیں تاہم: انسان کی طاقت اور اس کے حدود، حالات کی سنگینی، مذہب کے تقاضوں کی تکمیل، محدود علم وادراک بھی اس کی بنیادیں ہیں۔

(۲) اسباب تیسیر: ضرورت، اکراہ، حاجت، جہل، عموم بلویٰ، سفر، مرض، اور نقص وغیرہ ہیں۔

(۳) اسباب تیسیر اور شرائط تیسیر کے بغیر رخصت ممنوع ہے اور یہی اس کا دائرہ نفاذ ہے۔

سوال: (۳) کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں بوقت ضرورت تیسیر کا حکم دیا گیا ہے، غلو اور شدت پسندی سے منع کیا گیا ہے۔

سوال:(۴) تیسیر کے بنیادی اصول وقواعد (جواب میں تفصیل سے گزر چکا ہے) ان پر تیسیر کی بنا ہے جب بھی تیسیر ورخصت کا حکم نافذ ہوگا تو ان میں ان میں سے ایک قاعدہ کا ہونا لازم ہے۔

سوال:(۵) تیسیر ورخصت کا استعمال عرفی طور پر مساوی ہے البتہ: اصطلاح میں رخصت المشقۃ تجلب التیسیر کے تحت پائی جاتی ہے، یعنی رخصت تیسیر کا جزو ہے،(۲) رخصت وتیسیر صرف عبادات کے ساتھ خاص نہیں ہے، جہاں بھی ضرورت ومشقت ہوگی وہیں پر المشقۃ تجلب التیسیر کا قاعدہ جاری ہوگا۔

سوال:(۶)۔جلب المصالح ودرء المفاسد میں اگر فساد ونقصان کا پہلو غالب ہو یا مصلح اور مفاسد کے پہلو مساوی ہوں تو فساد کے خاتمہ کے لئے فائدہ کو ترک کردیا جائے گا،(۲)''رفع حرج'' یہ اصل الاصول قاعدہ ہے اس کے تحت مصالح مرسلہ، استحسان، المشقۃ تجلب التیسیر، اذا ضاق اتسع، الضرر یزال، الضرورات تبیح المحضورات، وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

سوال:(۷) تیسیر کے پیش نظر مذکورہ شرطوں کے ساتھ دوسرے مذاہب پر عمل کرنا جائز ہے(۱) مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بناء پر ہو، اتباع ہوا کے لئے نہ ہو اور اس شرط پر تمام امت کا اجماع ہو۔(۲) افتاء بمذہب الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کے لئے بغیر عمل تکلیف نا قابل برداشت ہو (۳) اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جائے۔(۴) اگر کسی عمل میں بضرورت دوسرے مذہب پر عمل کیا جائے تو اس عمل کی تمام جزئیات پر عمل کرنا چاہیئے (الحیلۃ الناجزۃ:۲۶)

سوال:(۷) فقہ الاقلیات میں فقہ التیسیر پر احکام کی تطبیق میں تیسیر ورخصت کی تمام تر شرطوں کا اعتبار ہر حال میں ناگزیر ہے خواہ وہ ہندوستان میں ہو یا کسی دوسرے ملک میں ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

اسلام میں یسر وتیسیر کا مفہوم اوراس کی حقیقت

مولانا اسجد حسن ندوی

استاذ: مدرسۃ العلوم الاسلامیہ علی گڑھ

دینِ اسلام ایک فطری اور عالمی دین ہے، اسی لیے شریعت مطہرہ میں لوگوں کے لیے جواحکام مرتب کئے گیے ہیں ان میں لوگوں کے احوال کا خاص کا خیال رکھا گیا ہے، اور حالت واستطاعت کی بہت رعایت کی گئی ہے، مکلف اسی کو بنایا گیا ہے جو اس کی استطاعت وقدرت رکھتا ہو، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دین آسان ہے، دین اسلام میں آسانی ہے، اسی موضوع سے متعلق مختلف سوالات کے جواب دیے جارہے ہیں،

تیسیر کی لغوی تعریف:

لفظ ''تیسیر'' باب تفعیل سے مصدر ہے، معنی ہے آسانی پیدا کرنا، ارشاد ربانی ہے:

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ" (سورہ قمر: 22)

ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنادیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

تیسیر کی اصطلاحی تعریف:

تیسیر کی اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف فقہاء نے کی ہے، لیکن "فقہ التیسیر الشریعہ الاسلامیہ" میں ڈاکٹر عبدالراقب صالح الشامی نے جو تعریف کی ہے وہ تمام ہی تعریف کو جامع ہے، اسی تعریف کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"بناء الأحكام الشرعية وفق القدرة البشرية العادية ومراعاة الأحوال الطارئة والإستثنائية بأحكام خاصة مخففة" (فقه التيسير: ص: 15)

تیسیر کی حکمت: جہاں تک بات تیسیر کی حکمت کی ہے تو قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے مطالعہ سے جو اہم بات نکل کر سامنے آتی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(ا) اسلام ایک عالمی دین ہے، جس کا معنی ہے سر تسلیم خم کرنا، اور ایک اللہ کی عبادت کرنا، اور یہی اصل دین کا تقاضہ ہے، اور یہ عمل بغیر تیسیر کے ممکن نہیں ہے، اگر شریعت آسان نہ ہو تو لوگوں کو مشکل و پریشانی میں ڈالنا لازم آئے گا۔

(۲) مذہب اسلام کی ایک اہم خصوصیت بقااور استقرار ہے، یعنی یہ مذہب قیامت تک باقی رہنے والا ہے، اور استقرار بغیر تیسیر کے ممکن نہیں ہے۔

(۳) تیسیر کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غیر مسلم اسلام کی طرف اسلام کی سہولت وآسانی کو دیکھ کر راغب ہو، اور مذہب اسلام کو قبول کرے۔

مشہور فقیہ ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب فتاویٰ معاصرہ میں تشدد وسختی کا راستہ چھوڑنے اور تخفیف وتیسیر کا راستہ اختیار کرنے کی دو وجہیں لکھی ہیں:

(۱)"إن الشريعة مبنية على التيسير و رفع الحرج عن العبادة"

"اسلامی شریعت کا مزاج ہی تخفیف وآسانی ہے"

(۲) دوسری وجہ یہ لکھی ہے امتِ مسئلہ جن مشکلات سے دو چار ہیں، ایسے حالات میں علماء کرام کو چاہیے کہ عوام کے سامنے دین کی باتوں کو حتی الامکان آسان بنا کر پیش کریں، اور آگے امام سفیان ثوری کا مشہور مقولہ نقل کرتے ہیں،

"إنما العلم الرخصة من الثقة اما التشديد فيحسنه كل أحد" (فتاویٰ معاصرہ: ص:۱۲)

تیسیر کے بارے میں اصولین کے آراء:

تیسیر کے بارے میں اصولین کے یہاں مختلف تعریفات موجود ہیں، صاحب اصول الشاشی نے اپنی کتاب میں تیسیر کی تعریف کچھ یوں کی ہے: تیسیر شریعت میں مکلف آدمی کا کسی عذر کی وجہ سے عسر سے یسر کی طرف پھرنے کا نام ہے:

"وَفِي الشَّرْع صرف الْأَمر من عسر الى يسر بِوَاسِطَة عذر فِي الْمُكَلف" (أصول الشاشي ص:۳۸۵)

سوال نمبر (۲۔۳) کا جواب:

شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیاد قرآن مجید اور احادیث نبویہ ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ"

(اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا) (سورۃ البقرۃ، آیت 185)

(۲) دوسری جگہ فرمایا: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (اللہ کسی جان پر اس کی طاقت کے برابر ہی بوجھ ڈالتا ہے)۔(سورۃ البقرۃ، آیت 286)

(۳) ایک اور مقام پر ہے:"وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ" (اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی) (سورۃ الحج، آیت 78)

(۴) روزوں کے معاملے میں حکمِ تیسیر یوں بیان کیا گیا: "وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" (اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے (سورۃ البقرۃ، آیت 185)

(5) ایک جگہ یوں فرمایا گیا: یرِیدُ اللہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا"
(اللہ چاہتا ہے کہ تم پر آسانی کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا ہے) (سورۃ النساء، آیت 28)
مذکورہ بالا آیات کے علاوہ دیگر بہت سی آیتیں ہیں جن میں سہولت اور آسانی پر مبنی احکامات کو ذکر کیا گیا ہے۔
احادیث اور تیسیر:
بخاری شریف میں ہے:

"عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه"
ترجمہ: نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ نماز کو لمبا کروں، مگر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں، تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ اِس بات کو برا سمجھتا ہوں کہ اُس کی ماں کے لیے آزمائش پیدا کروں۔ (صحيح البخاري، جلد 1، باب من أخفّ الصلاة عند بكاء الصبي، صفحه 98)
بخاری شریف میں ہی دوسری جگہ ہے:

"عن ابی مسعود الانصاری قال: قال رجل: یا رسول اللہ لا اکاد ادرک الصلاۃ مما یطول بنا فلان، فما رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی موعظۃ اشد غضبا من یومئذ، فقال: ایھا الناس انکم منفرون فمن صلی بالناس فلیخفف فان فیھم المریض والضعیف وذا الحاجۃ"
(حضرت ابو مسعود انصاری رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی کہ یارسول اللہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہوسکتا ہے کہ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کر سکوں، کیونکہ فلاں شخص ہمیں بہت طویل قراءت کے ساتھ نماز پڑھاتا ہے، حضرت ابو مسعود رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کہتے ہیں کہ میں نے نصیحت کرنے کے لحاظ سے اُس دن سے زیادہ کبھی نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو جلال میں نہیں دیکھا، آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کے بندوں کو دِین سے دور کرتے ہو، اب جو شخص بھی لوگوں کو نماز پڑھائے اُسے چاہیے کہ قراءت میں تخفیف کرے، کیونکہ نمازیوں میں بیمار، کمزور جان اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں) (صحیح البخاری، جلد 1، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم اذا رای مایکرہ، صفحہ 19)
ایک جگہ فرمایا: "إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه" ترجمہ: بے شک دین آسان ہے اور جو

شخص بھی دین پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، اُس پر دین غالب آ جائے گا۔(صحیح البخاری، جلد 1، کتاب الایمان، صفحہ 17، مطبوعہ دارطوق النجاۃ،)

جب حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہ تعَالٰی عَنہُ کو یمن روانہ فرمانے لگے، تو انہیں یوں ہدایات ارشاد فرمائی: "یسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا، وتطاوعا ولا تختلفا" ترجمہ: تم دونوں (وہاں جا کر لوگوں کے لیے) آسانیاں پیدا کرنا، انہیں تنگی میں نہ ڈالنا۔ خوشخبریاں دینا، متنفر نہ کرنا۔ آپس میں ایک دوسرے کی معاونت کرنا اور آپس میں اختلافِ رائے نہ کرنا۔(صحیح البخاری، جلد 4، باب ما یکرہ من التنازع، صفحہ 65، مطبوعہ دارطوق النجاۃ)

تیسیر کے اسباب:

تیسیر و رخصت کے مختلف اسباب فقہاء کے یہاں مذکور ہیں، لیکن موسوعہ الفقہیہ الکویتیہ میں ان تمام اسباب کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، موسوعہ کی روشنی ہی میں یہاں تیسیر اسباب کو قلم بند کیا جا رہا ہے۔

" مرض، سفر، اکراہ، نسیان، جہل، خطا، عسر و عموم بلوی، نقص، اور نو مسلم"

(الموسوعۃ الفقہیۃ ج:۱۴ ص:۲۲۷-۲۳۳)

تیسیر کے دائرہ کار:

تیسیر کے جو اسباب ہیں ان کی وجہ سے مکلفین کو سہولت و آسانی ملتی ہے، ہر سبب کا الگ الگ دائرہ کار ہے، جیسے اگر کوئی مسافر ہے تو نماز میں قصر، روزہ کی قضا، موزوں پر مسح کی اجازت اور وجوب قربانی کا ذمہ سے ساقط ہونا اسی طرح تمام اسباب کے الگ الگ دائرہ کار موجود ہیں، جس کو یہاں مزید مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حج کی فرضیت کو استطاعت کی سہولت کے ساتھ مشروط کیا گیا۔

(۲) خطاءً قتل ہونے کی صورت میں حکم قصاص نہیں رکھا گیا، بلکہ دیت مقرر کی گئی، کیونکہ قاتِل نے عمداً قتل نہیں کیا تھا، لہذا اُس کی جان بچائی گئی اور دیت مقرر کی گئی۔

(۳) کفارہِ ظہار میں تیسیراً تین اختیارات دیے گئے۔ اولاً غلام کو آزاد کرنا، ورنہ مسلسل ساٹھ روزے، ورنہ ساٹھ مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا

(۴) کفارہِ یمین میں بھی تیسیر یعنی نرمی کو رکھا گیا۔

(۵) مقروض کی تنگدستی اور مجبوری کی بناء پر قرض دینے والے کو حکمِ تیسیر ورِفق (نرمی) دیا گیا

(۶) اضطراری حالات میں ہمارا دینِ فطرت وُسعت کا وسیع باب کھولتا ہے، جس کے احکامات ڈھکے چھپے نہیں

ہیں۔ بہت سی ممنوعہ اشیاء کے بقدرِ ضرورت استعمال کو جائز قرار دے دیتا ہے۔

کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کار سے رہنمائی:

کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کار سے ہمیں درج ذیل رہنمائی ملتی ہیں،

(۱) عسر ویسر میں سے یسر کے پہلو کو اپنانا چاہیے۔

(۲) منصوص فیہ مسائل میں یسر کے پہلو کو اپنانا نے گریز کرنا چاہیے۔

(۳) دین کو آسان بنانا کر پیش کرنا چاہیے، دین آسان ہے مشکل نہیں ہے۔

سوال نمبر (۴) کا جواب:

تیسیر سے متعلق قواعد فقہ کی کتابوں میں مختلف قواعد مذکور ہیں، ان میں سے دو کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) مشہور قاعدہ ہے، "**المشقة تجلب التيسير**" (مشقت آسانی کو لاتی ہے) یہ قاعدہ دراصل قرآن مجید کی بہت سی آیت کریمہ کو سامنے رکھ کر فقہاء نے مرتب کیا ہے، کچھ آیات کریمہ وہ ہیں جن کو سوال نمبر 2 کے جواب میں پیش کیا جا چکا ہے، خصوصاً تیسواں پارہ کی آیت ''فإن مع العسر يسرا '' اس قاعدہ کی وضاحت وتشریح کو سمجھنے کے لیے کافی ہے، یعنی ہر مشکل کے بعد آسانی ہے، مشکلات آسانی کو لاتی ہے، مشکلات آسانی کا سبب بنتی ہے

(۲) فقہاء یہاں اسی سے قریب تر ایک قاعدہ ہے "**الأمر إذا ضاق إتسع و إذا إتسع** " (جب کسی کام میں شدید تنگی ہوگی تو وسعت ہوگی، اور جب وسعت زیادہ دی جائے گی تو پھر تنگی ہوگی)

مفہوم کچھ یوں ہے، شریعت کے احکام میں سہولت وتخفیف ہے، **الأشباه و النظائر** میں اس کی وضاحت کچھ اس طرح کی گئی ہے، کہ تخفیف کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو محض آسانی کے لیے شریعت نے مقرر کی ہے، دوسری قسم وہ جو عوارض کے پیش آنے پر جائز کی گئی ہے، مذکورہ قاعدہ میں دوسری قسم مراد ہے، مطلب عذر کی بقا تک سہولت اور جیسے ہی عذر ختم سہولت بھی ختم ہو جاتی ہے، جیسے سفر کی پریشانی کی وجہ سے قصر کرنے کی اجازت ہے لیکن جیسے ہی وہ مقیم ہوگا سفر کی پریشانی ختم ہوگی، یہ قصر کرنے کی رخصت بھی ختم ہو جائیگی، (الأشباہ والنظائر: ج:۱ ص:۲۷۷)

(۳) "**المشقة و الحرج إنما يعتبر ان في موضع لا نص فيه** " اس قاعدہ کا بھی تعلق مشقت و پریشانی ہی سے ہے، مشقت و پریشانی میں سہولت کب ملے گی اس کے لیے دائرہ کار کو متعین کیا گیا ہے، سہولت اسی مسئلہ میں ملے گی جس کے سلسلے میں کوئی نص وارد نہ ہو، لیکن اگر نص موجود ہے تو پھر مشقت کی وجہ سے آسانی نہیں ملے گی۔

سوال نمبر (5) کا جواب:

''رخصة'' **فعلة** کے وزن پر ہے، لغت میں اس کے کئی معانی موجود ہیں، ایک معنی ہے، انکار کے بعد کسی چیز کی اجازت دینا، دوسرا معنی نرمی، تیسیر اور خفت کے ہیں:

"الإِذْنُ فِي الأَمْرِ بَعْدَ النَّهْيِ عَنْهُ: يُقَال: رَخَّصَ لَهُ فِي الأَمْرِ إِذَا أَذِنَ لَهُ فِيهِ، وَالاِسْمُ رُخْصَةٌ عَلَى وَزْنِ فُعْلَةٌ مِثْل غُرْفَةٍ، وَهِيَ ضِدُّ التَّشْدِيدِ، أَيْ أَنَّهَا تَعْنِي التَّيْسِيرَ فِي الأُمُورِ، يُقَال: رَخَّصَ الشَّرْعُ فِي كَذَا تَرْخِيصًا، وَأَرْخَصَ إِرْخَاصًا إِذَا يَسَّرَهُ وَسَهَّلَهُ." (الموسوعة الفقهية: ج:۲۲ ص:۱۵۱)

اصولیین کے یہاں رخصت کی اصطلاحی کئی تعریفات موجود ہیں، مولانا محمد علی ندوی نے رخصت کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے:

"ما شرع من الأحكام تخفيفا للعزيمة لعذر مع بقاء حكم العزيمة ولكن بغير إلزام للعباد بالعمل به۔ (اصول فقه: ص:٤٢)

احکامِ شرعیہ میں سے جس کی تشریع میں کسی عذر کی وجہ سے عزیمت میں تخفیف پائی جائے، بغیر بندے کے لئے اس پر عمل کے لازم ہونے کے، عزیمت کا حکم باقی رہے۔

اسی طرح صاحب موسوعہ نے امام غزالی کی تعریف نقل ہے:

وَفِي الاِصْطِلاَحِ عَرَّفَهَا الْغَزَالِيُّ بِأَنَّهَا عِبَارَةٌ عَمَّا وُسِّعَ لِلْمُكَلَّفِ فِي فِعْلِهِ لِعُذْرٍ عَجزَ عَنْهُ مَعَ قِيَامِ السَّبَبِ الْمُحَرِّمِ. (الموسوعة الفقهية: ج:۲۲ ص:۱۵۱)

تیسیر کی وضاحت سوال نمبر ایک کے ضمن میں آچکی ہے، بظاہر تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، تیسیر عام ہے، خواہ عذر کی وجہ سے رخصت ہو یا بغیر عذر کے دونوں کو شامل ہے، جبکہ رخصت خاص ہے، جس میں صرف عذر کہ وجہ سے جو سہولت ملتی ہے وہی مراد ہے۔

سوال نمبر (٦) کا جواب:

مقاصدی قواعد جن کا تعلق تیسیر ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(ا) "در المفاسد اولي من جلب المصالح" یہ قاعدہ مکمل کچھ اس طرح ہے:

"إذا تعارضت المنفعة والمضرة في الشيئ فإن ترجح أحدهما كان الحكم له وإن استويا يرجح جانب المضرة دفعًا للمفسدة" (الأشباه ج:۱ ص:۳۲۲)

(جب کسی چیز میں منفعت ومضرت (نفع ونقصان) متعارض ہوجائیں تو اگر ایک جانب راجح ہوجائے تو اس پر عمل ہوگا اگر دونوں جانب برابر ہوں تو نقصان سے بچنے کے لیے مفسدہ والی جہت کا اعتبار ہوگا)

"در المفاسد اولي من جلب المصالح" یہ جز بھی اسی قاعدے کا حصہ ہے جس مطلب ہے کہ اگر دونوں جہت (نفع ونقصان) برابر ہو تو نقصان سے بچنے کے لیے مفسدہ والی جہت پر عمل کیا جائے گا۔

مثال: صحیح البخاری میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَامُوا إِلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُزْرِمُوهُ". ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ، فَصُبَّ عَلَيْهِ. (صحیح بخاری)

[ترجمہ: ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو صحابہ کرام اس کی طرف دوڑ پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس کے پیشاب کو مت روکو۔" اس کے بعد آپ نے پانی کا ڈول منگوایا اور پیشاب کی جگہ پر بہا دیا]

اس واقعہ میں مفسدہ و مصلحت جمع ہو گئے تھے، مفسدۃ مسجد میں پیشاپ کرنا اور مصلحت پیشاپ کرنے والے دیہاتی شخص کے ساتھ نرمی کرنا اور اس کے دل کو مائل کرنا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت والی جانب کو راجح قرار دیا، کیونکہ یہ یہ جانب کئی اعتبار سے راجح ہے:

(۱) پیشاپ کرنا والا شخص لاعلم تھا۔

(۲) اس کو نہ روکنے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ مسجد کا زیادہ حصہ گندہ نہ ہو۔

(۳) آدمی کو پیشاپ روکنے کی وجہ سے تکلیف نہ ہو

(۴) پیشاپ کے بعد مسجد کو صاف کرنا انتہائی آسان کام تھا۔

(۶) پیشاپ کرنے والے کی دلجوئی بھی مقصود تھی۔

اسی وجہ سے اس مسئلہ میں مصلحت و مفسدت متعارض آنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت والی جانب کو ترجیح دی۔

سوال نمبر (۷) کا جواب:

شریعت اسلامی میں تیسیر ورخصت پسندیدہ ہے، اسی لیے تمام احکام میں تخفیف کی رعایت کی گئی ہے، بشرطیکہ کوئی نص موجود نہ ہو، موجودہ زمانہ میں عام طور پر مسلمان کسی نہ کسی مسلک کے پابند ہو کر زندگی گذار رہا ہے، لیکن بعض دفعہ مسلک کے بعض جزئیہ پر عمل کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں تیسیر کے پہلو کو سامنے رکھ کر دوسرے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی؟

مسلک غیر پر عمل کرنے کی اجازت ہے، اور بہت سے مسائل میں فقہاء نے اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک پر عمل بھی کیا ہے اور عمل ہو بھی رہا ہے، لیکن مسلک غیر پر عمل کرنا کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے، جن شرائط کا تذکرہ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب "الحیلۃ الناجزۃ" میں کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) اتباع ہونہ ہو۔

(۲) ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو۔

(۳) ائمہ اربعہ کی مخالفت نہ ہو۔

(۴) فتویٰ دینے والا شخص کسی ماہر استاذ سے فن کو حاصل کیا ہو۔

(۵) متعدد علماء کرام ضرورت کا تحقق کرے۔ (الحیلۃ الناجزۃ:۵۲)

حاصل یہ ہے کہ جب ضرورتِ شدیدہ ہو (جس کے لیے شرعاً اضطرار کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے) اور اپنے مذہب پر عمل کرنے میں حرج ومشقت لازم آتی ہوتو ایسی صورت میں کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کیا جاسکتا ہے بشرط یہ کہ دوسرے مذہب پر عمل کرنا خواہش نفس اور رخصت کو تلاش کرنے کی بنا پر نہ ہو اور نہ ہی تلفیق سے کام لیا جاتا ہو، لیکن ان شرائط کے متحقق ہونے کا فیصلہ کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے، اس لیے خود کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے ماہر اور متبحر مفتیان کرام کے سامنے اپنا مسئلہ اور معروضی حالات پیش کر کے ان سے فیصلہ کرایا جائے،

شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

"وبه علم أن المضطر له العمل بذلك لنفسه كما قلنا وأن المفتي له الإفتاء به للمضطر. فما مر من أنه ليس له العمل بالضعيف ولا الإفتاء به محمول على غير موضع الضرورة، كما علمته من مجموع ما قررناه. والله تعالى أعلم... قال في خزانة الروايات: العالم الذي يعرف معنى النصوص والأخبار، وهو من أهل الدراية يجوز له أن يعمل عليها وإن كان مخالفا لمذهبه.انتهى"(ص: 89، ط: البشرى)

یسر و تیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مولانا سعود ممتاز ندویؔ

تعریف:

شریعت اسلامی میں تیسیر کہا جاتا ہے آسانی کو یا مشقت اور غیر عادیہ تکلفات کے دور کرنے کو۔

حکمت:

چونکہ اسلام کے معنی ہی خود کو اللہ کے سامنے پورا پیش کر دینا ہے۔ اور اس کے احکام کی مکمل بجا آوری ہی اصل مقصد ہے۔ اور یہ جب ہی زیادہ ممکن ہے جب احکام غیر متکلفہ نہ ہوں: ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا'' ترجمہ: اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا۔

(۲) شریعت اسلامی میں تیسیر کی بنیادیں متعدد اصولوں اور قواعد پر مبنی ہیں جو دین اسلامی کی عمومی روح اور اسلام کے فلسفہ تیسیر کو مزید واضح کرتی ہے۔

قرآن سے اس کی مثالیں:

(۱) ''وَیَضَعُ عَنۡھُمۡ اِصۡرَھُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡھِمۡ'' (سورہ اعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں اتارتا ہے جو ان پر تھیں۔ یہاں اصر سے مراد وہی بوجھ اور ثقل مراد ہے جو انسانی کے لئے باعث مشقت یا غیر عادیہ ہیں۔

(۲) ''رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَآ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا'' (سورہ بقرہ: ۲۸۶)

ترجمہ: اے رب ہمارے اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔

یہاں بھی ''اصراً'' سے مراد وہی مشقتیں جو بہت دشوار تھیں جیسے بنی اسرائیل میں توبہ کے لئے نفس کا قتل کیا جانا، اور زکوۃ میں ایک چوتھائی مال، اور جہاں نجاست لگی ہو اس کو کاٹ کر الگ کرنا۔

(۳) ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا'' (سورہ بقرہ: ۲۸۶)

ترجمہ: اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا۔ یعنی جتنی کی صرف وہ طاقت رکھتا ہو۔

(۴) ''یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ'' (سورہ بقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر تنگی نہیں چاہتا۔ اللہ تو تم سے صرف تیسیر کا ہی معاملہ چاہتا ہے، اسی لئے مسافر کے لئے اور مریض کے لئے اباحت دی گئی کہ روزہ کی قضاء کر لے۔

(۵) ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' (سورہ حج: ۷۸)

ترجمہ: اور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی۔ یعنی کسی طرح کی کوئی تنگی نہیں بلکہ سہولت کا معاملہ کیا اور ضرورت کے وقت اور زیادہ آسان کیا، قصر، تیمم، اور مردار کھانے کی اجازت، مرض اور سفر میں خاص رعایتیں۔

احادیث نبویہ سے:

(۱) ''إن هذا الدين يسر ولن يشاد هذا الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا وأبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة'' (البخاری)

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بیشک یہ دین آسان ہے، جو بھی اس دین سے زور آزمائی کرے گا یہ اسکو پچھاڑ دے گا۔ اسلئے راہ راست پر چلتے رہو، میانہ روی اختیار کرو، خوشخبریاں سناتے رہو اور صبح کے وقت، شام کے وقت اور رات کو کچھ وقت (عبادت کرکے) مدد حاصل کرتے رہو۔''

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: ''مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا'' (البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ ان میں آسان چیزوں کو اختیار فرمایا، بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔

(۳) ''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا وَأَبَا مُوْسَى إِلَى الْيَمَنِ، قَالَ: ''يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا''۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ ہدایت فرمائی تھی کہ (لوگوں کے لئے) آسانی پیدا کرنا، انہیں سختیوں میں مبتلا نہ کرنا، ان کو خوش رکھنا، نفرت نہ دلانا، اور تم دونوں آپس میں اتفاق رکھنا، اختلاف نہ پیدا کرنا۔ (رسول اللہ ﷺ اپنے حکام کو ہدایات دیتے تھے کہ وہ امور اختیار کریں جن میں لوگوں کے لئے آسانی ہو، ان کیلئے کسی قسم کی مشقت یا سختی کا پہلو نہ ہو۔)

آیات اور احادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام ہر طرح سے آسان ہے۔ اسکے اصولی اور فروعی

احکام اور جس قدر اوامر نواہی ہیں سب میں اسی حقیقت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے مگر صد افسوس کہ بعد کے زمانوں میں خود ساختہ ایجادات سے اسلام کو اس قدر مشکل بنالیا گیا ہے کہ اللہ کی پناہ۔

یسر اور اصولیین کا خلاصہ اور قواعد:

تیسیر فقہ اسلامی کا اہم رکن ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جہاں کہیں فقہاء نے استخراج واستنباط سے کام لیا ہے وہاں پر یسر کا پہلو سامنے رکھا ہے، جن مسائل میں ہمیں سختی نظر آتی ہے وہ دراصل (اکثر وبیشتر) زمان ومکان سے متعلق مسئلہ ہوتا ہے، بعض دفعہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو سماج کے لئے ناسور بن جاتی ہیں، ایسے میں فقہاء پھر تیسیر کے بجائے احوط پر فتوی دیتے ہیں، یہ مسائل حالات، زمان ومکان اور سیاسی احوال کے اعتبار سے تغیر پذیر ہوتے ہیں۔

اصول فقہ میں یہ ایک مستقل باب ہے اور بہت وسیع باب ہے، جس سے اجتہاد واستنباط کے اہم دروازے کھلتے ہیں، بالخصوص مصالح مرسلہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو بعض فقہاء کے نزدیک مستقل اصول تخریج واجتہاد میں سے ہے، اس کے علاوہ وہ اصول بھی موجود ہیں جو تمام اصولیین کے نزدیک مشترک ہے، ہم یہاں پر دو اہم ترین اصول تیسیر اور قواعد کا ذکر کریں گے:

پہلا۔المشقۃ تجلب التیسیر: ''مشقت یسر کا سبب بنتی ہے''

یہ شریعت کا اصل اصول ہے کہ جہاں کہیں دقت پیش آئے گی وہاں یسر کا پہلو اختیار کیا جائے گا، اس مسئلہ میں ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے سہولت پیدا کی جائے گی، یہ اصول کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، چنانچہ جہاں کہیں مشقت کا ذکر وہاں شریعت نے رخصت دے دی ہے، مثلاً:

* مریض، مسافروں کے لئے روزہ رکھنا دشوار کن امر تھا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

''فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ''(سورہ بقرہ: ۱۸۴)

''پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا سفر پر ہو، تو دوسرے دنوں میں اتنے ہی دن روزے رکھ لے''۔

بیماری اور سفر ایسا عذر ہے، جس کی وجہ سے وقتی طور پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے کہ جس میں روزہ سے نقصان کا اندیشہ ہو، یعنی اگر روزہ رکھے، تو بیماری بڑھ جائے گی یا طول پکڑ لے گی یا مریض کے اندر بھوک کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہ ہو، جس کا فیصلہ ماہر معتبر معالج کے مشورہ سے اور خود مومن کے ضمیر کی آواز پر ہوگا، کوئی ایک ہی حد ہر مریض کے لئے متعین ومقرر نہیں، کیوں کہ قویٰ، عمر، موسم اور ہمت وحوصلہ کے فرق کے اعتبار سے ہر انسان کے اندر قوت برداشت مختلف ہوتی ہے۔

اسی طرح یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سفر سے مراد ''سفر شرعی'' ہے، جس کی مسافت کم سے کم ۴۸ میل (۷۷

کیلومیٹر) ہو، اس سے کم کے سفر میں روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن اسفار میں روزہ چھوڑنا ثابت ہے، وہ طویل اسفار ہی ہیں، چند میل کے سفر پر روزہ توڑ لینا ثابت نہیں، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین قریب قریب اس پر متفق ہیں، (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۴۵)

شریعت اسلامی میں تیسیر (آسانی) سے متعلق کچھ بنیادی اصول وقواعد یہ ہیں:

۱۔ "**المشقة تجلب التيسير**" (مشقت آسانی کو لے آتی ہے)

اصول: اگر کوئی شرعی حکم کسی شخص کیلئے مشقت کا باعث بن جائے تو اس حکم میں نرمی اور آسانی پیدا کی جائے گی۔

مثال: بیمار شخص کے لئے نماز میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت۔

۲۔ "**الضرورات تبيح المحظورات**" (ضروریات ممنوعات کو مباح کرتی ہیں)

اصول: جب کوئی ضروری حالت پیش آجائے تو بعض ممنوع چیزیں مباح ہوجاتی ہیں۔

مثال: بھوک کی شدت سے جان بچانے کے لئے حرام چیز کھانے کی اجازت۔

۳۔ "**إذا ضاق الأمر اتسع**" (جب معاملہ تنگ ہوجائے تو کشادگی ہوتی ہے)

اصول: جب کوئی معاملہ بہت مشکل یا تنگ ہوجائے تو شریعت اس میں کشادگی اور آسانی پیدا کرتی ہے۔

مثال: سفر میں نماز قصر کرنا (چار رکعت والی نماز کو دو رکعت پڑھنا)۔

۴۔ "**لا ضرر ولا ضرار**" (نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان اٹھاؤ)

اصول: کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جو کسی دوسرے کیلئے نقصان دہ ہو، اور نہ ہی اپنے آپ کو نقصان پہنچایا جائے۔

مثال: کاروبار میں دھوکہ دہی یا فراڈ نہ کرنا۔

۵۔ "**العادة محكمة**" (عادت کو قانونی حیثیت حاصل ہے)

اصول: عام لوگوں کی عادات اور عرف کو شرعی احکام میں مدنظر رکھا جائے۔

مثال: لین دین میں مقامی عادات اور طریقوں کا لحاظ رکھنا۔

۶۔ "**الأمور بمقاصدها**" (اعمال کا اعتبار ان کے مقاصد کے مطابق ہے)

اصول: ہر عمل کا اعتبار اس کے مقصد اور نیت کے مطابق کیا جائے گا)

مثال: عبادات اور معاملات میں نیت کی اہمیت، جیسے کہ حج میں نیت کا درست ہونا۔

۷۔ "**اليقين لا يزول بالشك**" (یقین شک سے زائل نہیں ہوتا)

اصول: یقین کو شک کی بنیاد پر ختم نہیں کیا کیا جاسکتا۔

مثال: نماز میں شک ہونے پر یقین کے مطابق عمل کرنا۔

۸۔ "ماجعل علیکم فی الدین من حرج" (دین میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی گئی)

اصول: دین اسلام میں کسی قسم کی تنگی یا مشقت نہیں رکھی گئی ہے۔

مثال: وضو نہ کر سکنے کی صورت میں تیمم کی اجازت۔

۹۔ "الضرر یزال" (نقصان دور کیا جائے گا)

اصول: کوئی بھی نقصان یا ضرر دور کیا جائے گا۔

مثال: راستے میں پڑی ہوئی رکاوٹ کو ہٹانا تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

۱۰۔ "التیسیر فی المباحات" (مباحات میں آسانی)

اصول: مباح اور جائز امور میں آسانی کی گنجائش ہے۔

مثال: کھانے پینے میں مختلف چیزوں کی آزادی اور انتخاب۔

تیسیر اور رخصت دو مختلف فقہی اصطلاحات ہیں، اگرچہ دونوں کا مقصد آسانی اور نرمی فراہم کرنا ہے، لیکن ان کے استعمال اور اطلاق میں فرق ہوتا ہے۔

تیسیر (آسانی)

تیسیر کا مطلب ہے کہ شرعی احکام کو آسان اور سہل بنایا جائے تاکہ لوگوں کی زندگی میں مشقت اور دشواری نہ ہو، یہ اصول عام طور پر تمام اسلامی احکام پر لاگو ہوتا ہے اور یہ شریعت کا ایک عمومی اصول ہے۔

رخصت (رعایت)

رخصت ایک مخصوص قسم کی آسانی ہے جو شریعت نے بعض خاص حالات میں دی ہے۔ یہ استثنائی اور عارضی حالات کے لئے ہوتی ہے، جیسے سفر، بیماری، یا کسی خاص مجبوری کی صورت میں۔

فرق بین تیسیر و رخصت

عموم و خصوص:

تیسیر ایک عمومی اصول ہے جو تمام احکام میں آسانی کی غرض سے استعمال ہوتا ہے۔

رخصت مخصوص حالات میں دی جانے والی رعایت ہے، جیسے سفر یا بیماری کی حالت میں۔

دائمی و عارضی:

تیسیر عمومی طور پر ہر وقت اور ہر حالت میں لاگو ہو سکتی ہے۔

رخصت عارضی ہوتی ہے اور مخصوص حالات میں لاگو ہوتی ہے۔

تعلق معاملات اور عبادات سے

تیسیر اور رخصت دونوں کا تعلق صرف معاملات سے نہیں بلکہ عبادات سے بھی ہے۔شریعت نے عبادات میں بھی آسانی اور رعایت کے اصولوں کو اپنایا ہے۔

تیسیر کے تحت، نماز میں خشوع وخضوع کی اہمیت ہے لیکن اگر کسی شخص کو وضو یا تیمم کرنے میں مشکل ہو تو اس کے لئے آسانی فراہم کی جاتی ہے۔

روزہ: مریض یا مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت تیسیر کے اصول کے تحت آتی ہے، تاکہ اس کی صحت یا سفر میں مشقت نہ ہو۔

نماز میں قصر: سفر کی حالت میں نماز کو قصر (چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھنا) کرنا ایک رخصت ہے۔

روزے کی قضا: بیماری یا سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا اور بعد میں قضا کرنا رخصت ہے۔

خلاصہ: تیسیر: عمومی اصول ہے جو تمام احکام میں آسانی کی غرض سے استعمال ہوتا ہے۔

رخصت: مخصوص حالات میں دی جانے والی رعایت ہے جو عارضی ہوتی ہے۔

دونوں کا تعلق معاملات اور عبادت دونوں سے ہے، اور ان کا مقصد مسلمانوں کی زندگی میں آسانی اور نرمی پیدا کرنا ہے۔

بعض مقاصدی قواعد جن کا تعلق تیسیر سے ہے:

تیسیر (آسانی) کے اصول وقواعد کے ساتھ بعض مقاصدی قواعد بھی ہیں جو اسلامی قانون (فقہ) میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ قواعد شریعت کے مقاصد (مقاصد الشریعہ) کو پورا کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں، اور ان کا تعلق تیسیر سے بھی ہے۔ان قواعد کی قدرے وضاحت درج ذیل ہے:

ا۔جلب المصالح (مصلحتوں کا حصول)

مقصد: شریعت کا بنیادی مقصد لوگوں کی بھلائی اور فلاح ہے،جس کے تحت لوگوں کے لئے ہر ممکن آسانی اور فائدہ فراہم کرنا ہے۔

وضاحت: شریعت نے ایسے احکام اور قوانین بنائے ہیں جو لوگوں کی مصلحتوں کو حاصل کرنے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہیں۔

مثال: تجارت اور معیشت کے اصول ایسے بنائے گئے ہیں کہ لوگوں کی معاشی فلاح وبہبود کو یقینی بنایا جائے۔

۲۔درءالمفاسد (مفاسد کا خاتمہ)

مقصد: شریعت کا ایک اور مقصد لوگوں کو نقصان اور فساد سے بچانا ہے، تاکہ ان کی زندگی میں کوئی تنگی یا مشکل نہ ہو۔

وضاحت: شریعت نے ایسے احکام اور قوانین بنائے ہیں جو لوگوں کو نقصان دہ چیزوں اور اعمال سے بچانے کے لئے ہیں۔

مثال: شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کی ممانعت، تاکہ لوگوں کی صحت اور معاشرتی نظام محفوظ رہے۔

۳۔ رفع الحرج (تنگی کا خاتمہ)

مقصد: شریعت نے لوگوں کی زندگی میں آسانی پیدا کرنے کے لئے تنگی اور مشقت کو دور کرنے کا حکم دیا ہے۔

وضاحت: یہ اصول تمام احکام میں نرمی اور آسانی پیدا کرنے کی غرض سے ہے، تاکہ لوگوں کو دین پر عمل کرنے میں کوئی مشکل نہ ہو۔

مثال: بیمار شخص کے لئے روزے کی قضا کی اجازت، تاکہ اس کی صحت متاثر نہ ہو۔

ان قواعد کی اہمیت اور تیسیر سے تعلق:

یہ مقاصدی قواعد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ شریعت اسلامی کا بنیادی مقصد لوگوں کی فلاح و بہبود ہے، اور دین میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ یہ قواعد نہ صرف عبادات میں بلکہ معاملات اور دیگر زندگی کے پہلوؤں میں بھی آسانی اور نرمی فراہم کرتے ہیں۔

خلاصہ:

جلب المصالح: مصلحتوں کا حصول۔ لوگوں کی بھلائی اور فلاح کو یقینی بنانا۔

درء المفاسد: مفاسد کا خاتمہ۔ نقصاندہ چیزوں اور اعمال سے بچانا۔

رفع الحرج: تنگی کا خاتمہ۔ لوگوں کی زندگی میں آسانی پیدا کرنا۔

ان مقاصدی قواعد کا تعلق تیسیر سے ہے اور ان کا مقصد شریعت کے بنیادی مقاصد کو پورا کرنا ہے، یعنی لوگوں کے لئے آسانی، نرمی اور بھلائی پیدا کرنا۔ یہ اصول اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ شریعت کا ہر حکم اور قانون لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہے، اور ان کی زندگی میں آسانی اور سہولت فراہم کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔

"الفساد" (قواعد الاحکام: ۱/۹۸)

علامہ ابن نجیمؒ نے "الاشباہ۔۸۹" میں یہی قاعدہ نقل کیا ہے: "اذا تعارضت مفسدتان: روعی اعظمها ضرراً بارتكاب اخفها" ایک اور مقام پر ہے کہ: ضرر خاص کو ضرر عام کے لئے برداشت کرلیا جاتا ہے "يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام" (۸۷)

کسی دوسرے مسلک سے استفادہ:

جب ایک ہی مسلک میں کسی مسئلہ کا حل نہ ملتا ہو تو اصحاب حل وعقد اور فقہ وفتاوی نے "تلفیق" کی راہ تلاش

کی ہے، یعنی ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف بہ ضرورت رجوع کرنا اور ان کے مصادر وجزئیات سے استفادہ کرنا تلفیق کہلاتا ہے، جسے ’’عدول‘‘ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

تلفیق ’’لفقت الثوب، الفقه لفقا‘‘ سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنی ہی ملانے کے ہوتے ہیں، جو کہ باب تفعیل سے مصدر ہے، کہا جاتا ہے، ’’لفق الثوب‘‘ یعنی کپڑے کو دوہرا کر سینا، (ابن منظور: لسان العرب۔مادہ: لفق۔۱۰/ ۳۳۰)، فقہ کے اندر ایک دبستان فقہ سے دوسری دبستان فقہ کی طرف جزوی عدول کی ایک صورت ’’تلفیق‘‘ ہے، تلفیق سے مراد ایک ہی عمل میں دومختلف فقہاء کی رائے کو اس طرح قبول کرنا ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ عمل ان دونوں میں سے کسی کے نزدیک بھی درست قرار نہ پاتا ہو، ’’القيام بعمل يجمع فيه بين عدة مذاهب حتى لا يمكن اعتبار هذا العمل صحيحا في أى مذهب من المذاهب‘‘ یعنی ایسا عمل جس میں کئی مذاہب اس طرح جمع ہوجائیں، کہ کسی بھی مذہب کے اعتبار سے وہ عمل صحیح قرار دینا ممکن نہ ہو، (معجم لغۃ الفقہاء: ۴۴)

علامہ وہبہ زحیلی نے اس کی تعریف بہت واضح اور مناسب طور پر یوں کی ہے: ’’هو الاتيان بكيفية لا يقول بها المجتهد‘‘، تلفیق کسی عمل کو ایسی کیفیت سے انجام دینے کا نام ہے، جس کا کوئی قائل نہ ہو، علامہ اس کی تشریح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں:

’’دو یا زائد اماموں کی ایک ہی مسئلہ میں تقلید کرنا، جس کے کچھ ارکان یا جزئیات جن کا باہم تعلق ہو اور ہر ایک کا خاص حکم ہو جو ان ائمہ کے مابین اختلافی ہو اور تقلید اس طرح کرے، کہ ایک حکم میں ایک رائے کی مان لے اور دوسرے حکم میں دوسرے امام کی، چنانچہ وہ فعل اس طرح انجام پائے کہ دو یا دو سے زائد مذہبوں پر مشتمل ہو‘‘ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱/ ۸۶)

جیسے عبادت یا تصرف کو ایسے طریقے سے ادا کیا جائے جیسے کسی نے وضو کیا اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے ترتیب کی رعایت نہ رکھی اور اس کے جسم سے خون بہہ نکلا، پھر امام شافعی کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے نماز پڑھی تو یہ شخص تلفیق کرنے والا ہے۔ (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱/ ۸۵، نیز ملاحظہ ہو: مباحث فقہیہ: ۱۸۳)۔

امام شافعی کے یہاں بالغہ لڑکی کا نکاح ولی کی شرکت کے بغیر نہیں ہوسکتا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے وہ خود اپنا نکاح کرسکتی ہے، امام ابوحنیفہ کے یہاں نکاح کیلئے گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، امام مالک کے نزدیک مہر نہ ہونے کی شرط لگادی جائے تو نکاح نہ ہوگا، احناف وشوافع کے یہاں ہوجائیگا، چنانچہ اگر ایک شخص بغیر ولی کے بغیر گواہوں کے اور بغیر مہر کے نکاح کرتا ہے اور مسئلہ میں اس فقیہ کے مسلک کو قبول کرتا ہے جس کی رو سے اسکا نکاح درست ہوجائے تو یہ تلفیق ہے۔ (دیکھئے: قاموس الفقہ: ۲/ ۵۳۳)

تلفیق یا مسئلہ عدول کا تذکرہ ساتویں صدی ہجری سے قبل کے فقہاء کے یہاں نہیں ملتا، عام طور پر دسویں صدی ہجری کے بعد متاخرین فقہاء نے اسکا تذکرہ کیا ہے، حالانکہ حافظ ابن حجرؒ نے تلفیق کے ممنوع ہونے پر اجماع نقل کیا ہے (اصول الفقہ الاسلامی: ۲ / ۱۱۴۲)، یہی بات علامہ شامی نے بھی لکھی ہے: "**ان الحکم الملفق باطل بالاجماع**" (ردالمحتار: ۱ / ۵۱)، نیز شیخ علی جھوری شافعی (اصول الفقہ الاسلامی: ۲ / ۱۱۴۳) اور علامہ قرافی مالکی سے بھی تلفیق کی ممانعت نقل کی گئی ہے۔ (تیسر التحریر: ۳ / ۲۵۴)۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن حجر اور علامہ شامی رحمہا اللہ کا تلفیق کی حرمت پر اجماع ثابت کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے خود شامی کی "تنقیح حامدیہ" سے نقل کیا ہے کہ شیخ طرطوسی اور ابوالسعو داس کو جائز قرار دیتے تھے، یہی بات ابن نجیمؒ جیسے بلند پایہ فقیہ نے "بیع وقف" کے ایک مسئلہ میں کہی ہے، بزازیہ میں بھی تلفیق کو جائز قرار دیا گیا ہے، ابن عرفی مالکی اور علامہ عودی کی بھی یہی رائے منقول ہے، علامہ بیجوری وغیرہ نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہی نقل کیا ہے لیکن جواز کو ترجیح دی ہے۔ (دیکھئے: اصول الفقہ الاسلامی: ۲ / ۴۹ / ۱۱۴۸)۔

الغرض تلفیق کے جواز کا ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز شریعت کے اصولوں اور بنیادوں کی پامالی کا سبب بنے اور اس کی تدبیروں اور حکمتوں کے زوال یا ختم ہونے کا ذریعہ ہو وہ ناجائز ہے، اور بالخصوص ممنوعات شرعی جیسے شراب وجوا یا چوری ڈکیتی اور لوٹ کھسوٹ وغیرہ، اس کے برعکس جو غیر شرعی بنیادوں کی پختگی کا ذریعہ بنے، شریعت کی حکمت بتائے، جس میں لوگوں کے لئے دونوں جہانوں کے لئے بہتری مضمر ہو، جو عبادات کو ان کے لئے آسان کرے اور معاملات میں ان کے لئے فوائد کی حفاظت کرے تو وہ جائز اور مطلوب ہے، اس سلسلہ میں علامہ شامی نے بھی لکھا ہے کہ: "اگر کسی نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کر لیا تو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی، یعنی یہ تبدیلی مذہب بغیر کسی پسندیدہ شرعی مقصد کے ہو۔۔۔۔ اور اگر کسی نے اپنے مذہب کو کسی واضح اجتہادی رائے کی وجہ سے چھوڑا (نہ صرف یہ جائز بلکہ) قابل ستائش اور قابل اجر عمل ہوگا، البتہ اگر یہ تبدیلی مذہب بغیر کسی شرعی (معتبر) دلیل کے ہو یا کسی دنیوی غرض سے ہو تو ایسا عمل قابل مذمت وگناہ ہے، جس پر مرتکب تعزیر و تادیب کا حقدار ہوگا"۔

"مطلب فیما اذا ارتحل الی غیر مذہبہ۔۔۔ای اذا کان ارتحالہ لالغرض محمود شرعا،۔۔۔۔اما انتقال غیرہ من غیر دلیل بل لما یرغب من عرض الدنیا وشھوتھا فھو المذموم الآثم المستوجب للتأدیب والتعزیر لارتکابہ المنکر فی الدین واستخفافہ بدینہ ومذہبہ" (حاشیہ ردالمحتار علی الدر: ۴/۸۰)

ہندوستان میں تیسیر:

ہندوستان میں تیسیر کے پہلو کو اختیار کرنا شرعی تقاضہ ہے، اس تناظر میں اسلاف نے بہت سے مسائل میں راہ

نکالی بھی ہے، معاملات میں شئر مارکیٹ اور خرید وفروخت کی متعدد شکلوں کے ساتھ عبادات میں قاضی کی تعیین، جمعہ وعیدین کا قیام اور پھر کورونا کے زمانے میں تعدد جماعت اور جمعہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ اب ملک کی صورت حال کیا ہے، جذبات اور قانونی باتیں اپنی جگہ، لیکن حقیقت ان سب سے پرے ہے، چنانچہ گزشتہ سال مجلس نے عوامی مقامات پر نماز کے مسئلہ پر بحث کی اور بہت حد تک یہ بات سامنے آئی کہ خطرات اور اندیشے ملحوظ رکھتے ہوئے نماز قضا کی جاسکتی ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے ضرورت وحاجت کے دائرہ پر بحث کی، جس میں سینکڑوں ایسے مسائل زیر بحث آئے جن میں ملک عزیز کے پیش نظر یسر کے پہلو کو سامنے رکھا گیا، اس پہلو پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے، جمعہ کی نماز میں اگر کسی مسجد میں تعداد حد سے زیادہ ہو جائے اور لوگ عوامی مقامات استعمال کرتے ہوں تو وہاں اسی مسجد میں تعدد جمعہ، یا کسی مناسب جگہ پر جمعہ کا حکم، سونا اور چاندی میں چاندی کو معیار بنانے کا مسئلہ جس پر مجلس بحث کر چکی ہے، مگر مزید اس مسئلہ پر تشفی بخش بحث کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وغیرہ۔

مناقشہ

مناقشہ

موضوع: یسر وتیسیر اور عصر حاضر کے تقاضے

مفتی عتیق احمد بستوی

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ہو، ادارہ مباحث فقہیہ ہو یا تحقیقات شرعیہ ہو اگر آپ ان کے فیصلوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان سب نے جو سفر شروع کیا ہے اس میں کافی آگے بڑھے ہیں اور جن مسائل میں گنجائش ہوسکتی ہے ان میں گنجائش نکالی ہے، اگر آپ مطالعہ کریں تو کافی چیزیں آپ کو ملیں گی، بہت سے موضوعات ہیں جو کافی مشکل اور حساس تھے، اصحاب فقہ وافتاء نے ان پر غور وفکر کیا اور جو گنجائش نکل سکتی تھی اس کو امت کے سامنے پیش کیا، دین کا مزاج یسر کا ہے، دین ایسا نہیں ہے کہ وہ نا قابل عمل ہو، اس لئے دین کو امت کے سامنے اس طرح پیش کرنا کہ وہ قابل عمل محسوس ہو اور کوئی دشواری نہ ہو، یہ ہماری ذمہ داری ہے، یسر وتیسیر کا جو موضوع اس سمینار میں رکھا گیا ہے، اس کا مقصد جزئیات کو حل کرنا نہیں ہے، اصل مقصد موضوع کا یہ ہے کہ ہم اصولی انداز سے چیزوں کو طے کریں کہ یسر وتیسیر کے تعلق سے شریعت کے اصول کیا ہیں؟ اس کا نظام کیا ہے؟ اور کن چیزوں کا لحاظ اصحاب افتاء واصحاب علم کو اپنے فتاوی میں رکھنا چاہیے؟ کمیٹی انشاء اللہ اس پر غور کرے گی اور ایسی چیزیں ضرور شامل کرے گی جو اصولی اور نمایاں ہو، اصل چیز یہی ہے کہ اگر گنجائش کسی بھی فقیہ یا مسلک کے قول کے مطابق ہوسکتی ہو تو اس کے جواز کو ضرور اختیار کرنا چاہیے اور رخصت کو سامنے رکھنا چاہیے۔

مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی

پہلے سوال سے متعلق جو توسیع کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں، ان کی منجملہ حکمتوں میں سے ایک حکمت کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام واقعی دین فطرت ہے، کیونکہ انسان طبعی طور پر جب مشقت میں مبتلا ہوتا ہے تو آسانی کا طالب ہوتا ہے، نیز اس سے غیروں تک بھی پیغام جاتا ہے کہ اسلام دین فطرت کے مطابق ہے، دوسری بات یہ ہے کہ سوال نمبر سات جو مختلف فیہ مسئلہ ہے، غیر مسلک کو تیسیر کے لئے اختیار کرنا، علامہ شامی نے رسم المفتی میں یہ بات لکھی ہے کہ مشقت اور حاجت ضروریہ کے وقت ظاہر الروایۃ کو چھوڑا جاسکتا ہے، ایسی صورت حال کے اندر یعنی حاجت شدیدہ میں غیر مسلک یعنی مرجوح قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے ذکر کیا ہے، دوسری بات یہ کہی

ہے کہ یہ جو اختیار کرنے کی بات ہے، کیا یہ عام ہے یا کچھ خاص ابواب تک محدود ہے؟ کیونکہ ابھی بات آئی تھی کہ معاملات میں توسع ہے، معاملات کے باب میں تو ٹھیک ہے اور عائلی قوانین کے تعلق سے بھی بعض نظیریں مل جاتی ہیں کہ دوسرے مسالک پر فتوے دئے گئے ہیں، لیکن عبادات کے باب میں تو نظیر ایسی نہیں ملتی ہے اور خود نکاح اور طلاق کے باب میں اگر تیسیر کی خاطر غیر مسلک کو اختیار کرنے کا فتوی دیا جائے تو حرج لازم آئے گا، یعنی اس میں کچھ قیدیں لگانی پڑیں گی، خاص طور پر حرمت مصاہرت کا مسئلہ آئے گا کہ یقیناً احناف کے یہاں جو مسئلہ ہے وہ معلوم ہے کہ پھر جماع کے وقت بھی مصاہرت ثابت نہیں ہونی چاہیے، اس لئے کہ جہاں گھنی آبادی ہے اور جہاں پر بڑی مشکل سے اوپر نیچے لوگ گھر بنا کر رہتے ہیں، وہاں واقعہ پیش آجاتا ہے، اور بڑی مشقت ہوتی ہے، وہ بھی قابل غور ہے، کیا تیسیر کی خاطر مشقت سے نکالنے کیلئے امام شافعی کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟ اگر گنجائش ہے تو لوگوں کیلئے بڑی راحت کی بات ہوگی، اسی طرح عبادت کے باب میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ عبادت کے باب میں فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہوتا ہے وہ نصوص کی بنیاد پر ہے، قیاس برائے نام ہے، اب اگر عبادات میں دشواری پیدا ہورہی ہے جس کی وجہ سے ہم دوسرے مسلک پر فتوی دیں اور لوگوں کیلئے گنجائش پیدا کریں تو اس میں خطرہ اس بات کا ہے کہ تمام لوگ نفس پرستی اور ھوی پرستی میں مبتلا ہوں گے اور ایسی صورت میں سدِ ذرائع کیلئے کچھ سوچنے کی ضرورت پڑے گی، اسی طرح ہمیں یہ بھی غور کرنا ہے کہ دشواری سے کیا مراد ہے؟ کیا شخصی مراد ہے یا اجتماعی، اس لئے کہ عام طور پر دشواری اضافی ہوتی ہے، ایک آدمی کیلئے ایک چیز دشوار ہے اور دوسرے کیلئے دشوار نہیں ہوتی ہے، تو پھر ہم فتوی تو شخصی طور پر دیں گے یا اجتماعی طور پر؟ یہ بھی طے کرنا پڑے گا، کیونکہ اگر عمومی طور پر فتوی دیں گے تو جن کے لئے دشواری نہیں ان کے لئے بلاضرورت گنجائش نکل آئے گی، اس لئے اس پر بھی خاص طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور اگر تجویز پاس ہوتی ہے تو قیود وغیرہ لگانے کی ضرورت ہے۔

مفتی عثمان بستوی

ایک سوال یہ عرض کیا گیا تھا کہ تیسیر کے اسباب کیا ہیں؟ پھر مقالہ نگار حضرات کی آراء نقل کی گئی ہیں، ان آراء میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ جس چیز کا ذکر کیا گیا کہ وہ ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی آخرالزماں ہونا اور اس امت کا امت وسط ہونا، کہا گیا کہ یہ تیسیر کا سبب ہے، بندہ اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ یہ علم فقہ کی مجلس ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اسباب کن کو کہا جاتا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اس کی صراحت ہے کہ وہ اوصاف جو احکام میں مؤثر ہوتے ہیں اور جن اوصاف پر احکام مرتب ہوتے ہیں، وہ اوصاف اسباب کہلاتے ہیں اور جن اوصاف پر احکام کا ترتب نہیں ہوتا ہے وہ اسباب نہیں کہلاتے ہیں، ظاہر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی آخرالزماں ہونا اس امت کا امتِ وسط ہونا یہ چیز تمام احکام مشروعہ میں پائی جاتی ہے، تو اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ تمام احکام میں تیسیر

ہوتی، تخفیف ہوتی، حالانکہ بہت سے احکام شاقہ ہیں جو مشروع ہیں، جہاد کا حکم ہے، حدود کے احکام ہیں، اور اس طرح کی بہت سی چیزیں ہیں، اس میں شریعت نے تخفیف نہیں رکھی ہے، تو معلوم ہوا کہ اصل سبب وہ نہیں ہے، بلکہ سبب اصل کچھ اور ہے، اور حضرات فقہاء نے تیسیر کے الگ الگ اسباب شمار کرائے ہیں کہ شریعت نے ان اوصاف پر تیسیر کو اور تخفیف کو مرتب مانا ہے اور شریعت نے صراحت فرمائی ہے کہ یہ اسباب مؤثر ہوں گے احکام کی تیسیر میں موثر ہونگے، دو طرح کی چیزیں ہیں ایک وہ چیز جو منصوص ہے، دوسری وہ چیز ہے جو غیر منصوص ہے، منصوص کا مسئلہ نہیں ہے، یہاں غیر منصوص کا مسئلہ ہے، یعنی کون سی چیز ایسی ہوگی جو منصوص نہیں ہے اور تیسیر میں وہ مؤثر ہے، تو ظاہر ہے کہ جب تمام چیزوں پر غور کیا جائے گا تو ''المشقۃ تجلب التیسیر'' پر ہی بات آئے گی، کہ اصل مشقت ہے، سب کے پیچھے مشقت ہی تیسیر کی بنیاد بنتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ جو احکام شاقہ خود مشروع ہیں تو اس میں مشقت تیسیر کا سبب نہیں ہے، بلکہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ جس حکمِ منصوص میں تیسیر کا سبب منصوص ہو، اب غیر منصوص کوئی چیز پائی جائے جو ضرر اور مشقت میں اس سے مساوی ہو یا اس سے اعلی ہو، تو غیر منصوص چیز جو ضرر اور مشقت میں منصوص سبب سے بڑھی ہوگی یا برابر ہوگی وہ تیسیر کا سبب بنے گی اور جو مشقت اس سے ادنی ہوگی وہ تیسیر کا سبب نہیں بنے گی، آج کے موجودہ زمانہ میں ایک مسئلہ جو حل طلب ہے، وہ یہ ہے کہ بڑے شہر جیسے دہلی اور ممبئی وغیرہ ہیں، اس میں لوگ گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں، خصوصاً مغرب کے وقت رش کی وجہ سے وہ اپنی گاڑیوں میں موجود ہوتے ہیں، شہر کے اندر ہیں، پانی ان سے بہت قریب ہے، اب مسئلہ کس کا آتا ہے؟ وضو کا، اگر اپنی گاڑی چھوڑ کر وہ وضو کرنے کیلئے جائیں تو ظاہر ہے کہ اس میں بڑی مشقت ہے، اب یہ مشقت تیمم کے جواز والی مشقت سے بڑھی ہوگی یا مساوی ہوگی؟ سب نے لکھا ہے کہ شہر میں تیمم جائز نہیں کیونکہ وہاں پانی قریب ہے، اب یہ چیز روزمرہ کا مسئلہ ہے، ایک آدمی اپنی کمپنی، فیکٹری اور اپنی جائے ملازمت سے اپنے گھر لوٹتا ہے اور دو نمازیں، تین نمازیں اس کی اس میں پھنستی ہیں، تو کیا ایسی صورت میں اس پر ہم غور کر سکتے ہیں؟ اصل بات مجھے یہی عرض کرنی تھی کہ علت کی تعیین میں ہمیں فقہاء کے کلام کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے، اور جو چیزیں حکمت اور نکتے کے طور پر بیان کی جاتی ہیں، ان کو فقہاء کی اصطلاح نہیں کہنی چاہیے۔

مفتی محمد اعظم ندوی

جو منصوصات اور ثوابت ہیں ان میں تصلب اور ثبات ہونا چاہیے، اور متغیرات و مجتہد فیہ مسائل میں توسع ہونا چاہیے، ہماری فقہی کتابوں میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں، اسی طرح قربانی اور بعض دیگر جگہوں پر علامہ شامی نے لکھا ہے ''لمکان الاجتھاد فیہ'' یعنی ''لکون المسألۃ مجتھداً فیہ''، اس نظریاتی بحث کی تطبیقی شکل اگر دیکھنی ہو تو آج بیع معدوم پر جو بحث ہوئی اور اس میں جو عرض مسئلہ سامنے آیا، اس میں پوری پوری تطبیق اس کی ہمیں نظر آتی ہے، تمام مسائل میں علماء نے تیسیر کا پہلو ملحوظ رکھا، کہیں فقہ مقارن کے نمونے سامنے آئے، اور زیادہ تر عدول اور تلفیق کے بغیر

مسئلہ کو حل کیا گیا، بیع معدوم کے تعلق سے ایک بات رہ گئی تھی، وہ یہ کہ اگر تجویز میں آرڈر دینے کے ساتھ ساتھ آن لائن آرڈرس اور آن لائن سامان خریدنے سے متعلق بھی وضاحت ہوجائے تو تیسیر کے تقاضے پورے ہوں گے، کیونکہ زیادہ تر لوگوں کے سوال آن لائن آرڈرس سے متعلق ہی ہوتے ہیں۔

مفتی نذیر احمد کشمیری

زیر بحث مسئلہ سے متعلق جو گزارشات مجھے پیش کرنی تھی ان میں دو تین ہمارے بعض رفقاء نے ارشاد فرمادئے ہیں، میں صرف ایک بات عرض کرنا چاہوں گا، وہ یہ کہ تیسیر اور تحریف ان دونوں میں ہر وقت فرق ملحوظ رکھنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ ہم تیسیر کرتے کرتے تحریف تک پہنچ جائیں، جیسا کہ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ مسئلہ اصولی ہے اور یقینا اصولی ہے، جزئیات طے نہیں کرنی ہیں، تو اصولی کے معنی یہ ہے کہ دین کا مزاج محفوظ رہنا چاہیے، ہم ایک اصول طے کررہے ہیں، اور ایسا نہ ہو کہ ہم شریعت کے مزاج سے ہٹ جائیں، ایک طرف شریعت تیسیر دیتی ہے اور خوب دیتی ہے اور وہ سب کے سامنے ہے، لیکن اس تیسیر کے پہلو کو اپناتے اپناتے ہم کہیں تحریف تک نہ پہنچ جائیں، جیسا کہ دوسرے مذاہب کا حال ہوگیا ہے، کہ وہ ایک ایک چیز کو حلال کرتے گئے اور ایک ایک چیز ان کے مذہب سے نکلتی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے یہاں اب صرف لفظی ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے، سیمینار میں موجود شخصیات درحقیقت اس طبقہ کے نمائندہ ہیں، جو طبقہ دین کے تحفظ کا ذمہ دار ہے، اس لئے مزاج دین بھی محفوظ رہنا چاہیے، اور مزاج دین کے محفوظ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نہ اتنی سختی ہو کہ دین پر عمل کرنا مشکل ہو، اور نہ اتنی آسانی ہو کہ دین اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ ہم کو حق پر جمنے اور امت کی صحیح رہنمائی کی توفیق نصیب فرمائیں۔

مفتی عمر عابدین قاسمی مدنی

السلام علیکم، مجھے چار نکات بہت اختصار کے ساتھ عرض کرنے ہیں، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عتیق احمد بستوی صاحب اور مجلس تحقیقات شرعیہ کو مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جن موضوعات کو منتخب کیا گیا ہے وہ بہت اصولی ہیں، اور آج ہندوستان میں اس کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے، اس سیمینار کے ذریعہ سے دو تین درجن لوگوں نے اس موضوع کو گہرائی کے ساتھ پڑھا، امید ہے کہ آگے برت کر بھی دکھائیں گے، دوسری بات یہ ہے کہ ہندوستان میں تیسیر کی بنیاد منظم انداز میں اگر کسی نے قلمبند کیا ہے تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نام لیا جانا چاہیے، الحیلۃ الناجزۃ ان کی اسی طرز کی کوشش ہے، تیسری بات یہ ہے کہ تلفیق کے مسئلہ پر عرض مسئلہ میں کافی تفصیل سے بات کی گئی، اس حوالہ سے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے اصول الافتاء وآدابہ میں حضرت شیخ الہند علامہ رشید احمد گنگوہی اور خود حضرت تھانوی وغیرہ کے اقتباسات نقل کئے ہیں، اس میں ایک بہت

اچھی تعبیر استعمال کی ہے کہ تلفیق کے مسئلہ کا اصل تعلق تقلید کے واجب شرعی یا واجب انتظامی ہونے سے ہے، اگر تقلید شخصی کا مسئلہ واجب انتظامی سے متعلق ہے تو اس میں اس درجہ شدت وحدت اختیار کرنے کی راہ ہمیں نہیں ملتی، اور حضرت تھانوی نے یہی بات کہی ہے کہ تقلید شخصی کا مسئلہ واجب انتظامی سے ہے، تو اس نکتہ کو ہم سامنے رکھیں، اور اس کے بعد مذاہب فقہیہ سے استفادہ کی جو مناسب اور معتدل راہ ہو اسے اختیار کریں، چوتھی بات حضرت مولانا سے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اسلامی فقہ اکیڈمی کے تحت بھی اور یہاں بھی اصولی مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے لیکن عام طور پر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اصولی مسائل پر ہم بحث کر کے گزر جاتے ہیں، لیکن جب فقہ وفتاوی کا معاملہ آتا ہے تو ہم سے اس کی تطبیق نہیں ہو پاتی ہے، تو کس طرح فقہ وفتاوی میں اس کی تطبیق ہو؟ اس سلسلے میں میری ایک رائے تھی کہ مجلس تحقیقات شرعیہ کے تحت ''سلسلۃ فقہ التیسیر وتطبیقاتھا المعاصرۃ للأقلیۃ المسلمۃ فی الھند'' کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا جائے، جو عبادات، انکحہ اور معاملات وغیرہ میں تطبیق کا کام کر سکے، تو شاید فقہاء کیلئے کام آسان ہو، پانچویں بات میں عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ جیسے مفتی عثمان بستوی صاحب نے کار میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا، تیمم کی بات کی، اسی طرح ایک بہت اہم مسئلہ ہے جس سے سیکڑوں نہیں ہزاروں لوگ دوچار ہیں، آج پورے ہندوستان میں کارپریٹ کمپنیاں بہت بڑے پیمانے پر ہے، بنگلور، کرناٹکا، پونے، حیدرآباد، ودیگر جگہ کارپریٹ کمپنیوں میں وضو کیلئے کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہوتی ہے، سیکڑوں مسلمان نوجوان صرف اس لئے نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ جوربین پر مسح کو ناجائز کہا جاتا ہے، حالانکہ فقہاء کے یہاں جواز وعدم دونوں طرح کی آراء ملتی ہیں، اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہیکہ کم از کم ۱۴ صحابہ کرام کے فتاوی موجود ہیں مسح جوربین کے جواز پر، میں کوئی رائے نہیں دے رہا، لیکن صرف معلومات کیلئے بات کہہ رہا ہوں، اور ان تمام لوگوں کی نمازیں اس لئے رہ جاتی ہیں کہ وہ لوگ بار بار موزے اتار کر وضو نہیں کر پاتے اور فرض نماز چھوڑ دیتے ہیں، اس بنیاد پر بعض علماء نے رائے دی ہے احناف میں سے بھی، بعض علماء نے جواز کی رائے دی ہے۔

آخری بات یہ ہیکہ اتباع ھوی کو ہم تلفیق کے عدم جواز کے لئے بنیاد بناتے ہیں، کیا ہر ھوی ناجائز اور حرام ہے؟ شریعت میں اگر ایک سے زائد نصوص کے ذریعہ سے ہمارے پاس جہات موجود ہیں، تو اگر کوئی ایک کو چھوڑ کر دوسرے نص کے مطابق عمل کرے، جبکہ وہ بھی نص نص شارع سے ثابت ہے تو کیا اس کو اتباع ھوی ممنوع میں شامل کریں گے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر بھی بحث ہونی چاہیے۔

مفتی اختر امام عادل قاسمی

یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ عبادات میں اس انداز کا توسع نہیں ہے جتنا معاملات میں اختیار کیا جاتا ہے، یہ درست ہے کہ دین کی بنیاد ہی یسر پر ہے، عبادات جو اللہ تعالی نے بندوں پر واجب کئے ہیں، اس کی بنیاد بھی یسر ہی پر

ہے، بندوں کی مصلحتوں کے اعتبار سے، بندوں کی طاقت کے حساب سے ہی ساری عبادتیں متعین کی گئی ہیں، یا بعض حالات میں جو قصر کی اجازت یا تخفیف کی اجازت ہے اس کی بنیاد یسر پر ہی ہے، مگر عبادتیں متعین اور محدود ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب متعین کردی ہیں، تمام شقیں متعین کردی ہیں، وہ حالات تقریباً یکساں ہی رہتے ہیں، لیکن معاملات غیر متعین ہیں، لامحدود ہیں، قیامت تک نئے نئے معاملات آتے رہیں گے، اس لئے ان کی تعیین و تحدید ممکن نہیں، چونکہ معاملات کا تعلق بندوں سے ہے اور بندے عاجز ہیں، اس لئے اس میں توسع کی راہ دی گئی ہے، اور عبادات میں بہت حد تک احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا ہے، خاص طور سے اگر عبادت کے اثبات یا اسقاط کا معاملہ تو اس میں بہت زیادہ احتیاط ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد میں فقہاء کے یہاں ایک دستور ہے کہ اللہ کے حقوق میں احتیاط ہے اور بندوں کے حقوق میں احتیاط نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حق اللہ ثابت ہونے یا نہ ہونے میں شبہ ہے تو احتیاط یہ ہے کہ اس کو ثابت مان لیا جائے، اور حقوق العباد میں اگر شبہ ہے کہ وہ ثابت ہے کہ نہیں ہے تو احتیاط یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے، بندہ کو آزاد کردیا جائے، مثال کے طور پر نماز کے بارے میں اگر انسان کو شک پیدا ہوجاتا ہے تو احتیاط یہ ہے کہ نماز دوبارہ پڑھ لی جائے، وہاں نہ پڑھنا احتیاط نہیں ہے، بلکہ پڑھنا احتیاط ہے، اس کے علاوہ اگر کسی بندہ پر جرمانہ عائد ہوتا ہے، لیکن ثبوت میں شک ہے، تو اسے واجب نہیں کہا جائے گا، بلکہ احتیاطاً چھوڑ دیا جائے گا، اسی طرح زکوۃ کے مسئلہ میں دوطرح کا نصاب ہمارے سامنے ہے، چاندی کا اور سونے کا، چاندی کا نصاب مکمل ہوگیا اور سونے کے مطابق نصاب مکمل نہیں ہوا، اب چونکہ یہ حقوق اللہ میں ہے، اس لئے احتیاط یہی ہے کہ ادا کیا جائے، کیونکہ یہاں اثبات میں احتیاط ہے، سونے کے انتظار میں رکنا یہ احتیاط کے خلاف ہے، یہ فقہاء نے صاف صاف لکھا ہے، اور قواعد فقہ میں بھی ہے کہ حقوق اللہ میں احتیاط ہے اور حقوق العباد میں احتیاط نہیں ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبادت اور معاملات میں فرق ہے، ایک اصول یہ بھی فقہاء کے یہاں ہے "الأمر اذا ضاق اتسع واذا اتسع ضاق" یعنی جب امر میں تنگی آتی ہے تو وسعت بھی آتی ہے اور جب حد سے زیادہ وسعت آتی ہے تو تنگی بھی ضروری ہوتی ہے، یہ اسلام کا مزاج، تو اس کو بھی سامنے رکھنا چاہیے، دوسری بات یہ کہ فقہ المقاصد، فقہ المقارن اور فقہ التیسیر، کا جس طرح عرب علماء میں کا رواج چل پڑا ہے، یہ صحیح نہج نہیں ہے، اس لئے کہ ہمارے یہاں جتنی بحثیں خروج عن المذھب ہو یا عمل بمذھب الغیر کے تعلق سے آئی ہیں، دوسرے مذہب پر فتوی دینے کے جو شرائط ذکر کئے گئے ہیں، ان سب کی بنیاد ضرورت ہے، ضرورت اور رفع حرج کیلئے چاروں مذاھب کسی بھی مذہب اور اس کے جزئیہ پر عمل کی اجازت دی گئی ہے، لیکن ابھی فقہ المقارن، فقہ المقاصد فقہ التیسیر کا، جو طریقہ رائج ہے اس میں علماء کا جو طرز عمل ہے وہ یہ ہیکہ وہ لوگ دلائل اور مصالح کی بنیاد پر کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں، ۱۴ سالوں میں ہمارے پاس کوئی تاریخ نہیں ہے کہ دلیلوں کی بنیاد پر بعد کے مقلدین اپنے ائمہ کے قول کو ترجیح دیں، یہ ہمارے اختیار سے باہر ہے، ہمارے اختیار میں صرف یہ ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید کریں اور اگر کسی امام کے کسی قول میں کوئی دشواری پیدا ہورہی ہو تو دوسرے قول کو

اختیار کرسکتے ہیں اس کے تمام شرائط کے ساتھ اختیار کرسکتے ہیں، اپنی ضرورت کی تکمیل اور یسر وسہولت کیلئے، لیکن اگر ہم یہ عنوان بنائیں گے کہ فلاں کی دلیل کی بنیاد پر یا مقاصد ومصالح کی بنیاد پر ہم ترجیح دیتے ہیں تو اسی سے عدم تقلید کا راستہ کھلتا ہے، اس لئے جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے اور تجویز دی گئی ہے کہ فقہ المقارن طلباء کو پڑھایا جائے اور اس سے استفادہ کرایا جائے، اس کو بھی محدود کرنے کی ضرورت ہے، جزاکم اللہ۔

مولانا ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

گزشتہ سال مجلس تحقیقات شرعیہ کے اجلاس میں اس کی ضرورت محسوس کی گئی تھی کہ یسر وتیسیر کے موضوع پر مستقل بحث کی جائے تو میں شکر گذار ہوں ذمہ داروں کا کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا، جو عرض مسئلہ پیش کیا گیا ہے اس سے متعلق چند باتیں عرض کرنی ہے، کوئی بات ناگوار گزرے تو پیشگی معذرت کی درخواست ہے، بار بار یہ بات آئی کہ اتباع ھوی نہ ہو تو اس کی اجازت ہے، بھائی سائل اتباع ھوی کیلئے پوچھ رہا ہے یا دین کیلئے اس کا فیصلہ مفتی کیسے کرے گا؟ سائل کے دل میں کیسے وہ جھانکے گا؟ پھر دوسری بات یہ ہے کہ جب دو کام جائز ہیں، ایک کام ایک مذہب میں اور دوسرا دوسرے مذہب میں، تو دوسرے فقہ کے مسئلہ کو اختیار کرنا یہ اتباع ھوی کیسے ہو جائے گا؟ یہ میری سمجھ سے باہر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ آپ دو معاملات میں سے ایسر کو اختیار کرتے تھے، ہم جب یہ کہتے ہیں کہ فقہاء کے جو اقوال ہیں کوئی باطل نہیں ہیں، سب برحق ہیں، بس راجح مرجوح کا اختلاف ہے، تو اگر واقعی کوئی دشواری پیش آرہی ہے، اس میں اگر کسی دوسرے فقہ پر کوئی رائے دی جائے، تو اس میں یہ شرط عائد کرنا کہ اگر اتباع ھوی نہ ہو، تو یہ شرط میں بالکل زائد سمجھتا ہوں، دوسری بات یہ کہی گئی عبادات میں احوط یہ ہے کہ تیسیر کو اختیار نہ کیا جائے اور معاملات میں احوط یہ ہے کہ تیسیر کو اختیار کیا جائے، میں اس تقسیم کے حق میں بالکل نہیں ہوں، جب قرآن میں روزہ سے مریضوں سے متعلق تخفیف دی گئی ہے، اور قرآن میں ہے کہ ”یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات میں بھی تیسیر کو ملحوظ رکھنا چاہیے، معاملات اور عبادات میں کوئی فرق نہیں، اس کی تقسیم صحیح نہیں ہے، زندگی کے ہر معاملہ میں چاہے وہ نجاسات وطہارات کا معاملہ ہو اور عبادات میں نماز، روزہ اور حج کا معاملہ ہو یا معاملات ومعاشرت کا معاملہ ہو، ہر مسئلہ میں شریعت نے تیسیر کو ملحوظ رکھنے کی اجازت دی ہے، اس کی تائید عبدالرقیب شامی کی کتاب ”فقه التيسير في الشريعة الاسلامية تأصيلاً و تطبيقاً“ سے ہوتی ہے، انہوں نے مستقل ایک باب باندھا ہے ”التيسير في العبادات“ بہت سی مثالیں انہوں نے دی ہیں، اور اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے تیسیر فی المعاملات کا کوئی باب ہی نہیں باندھا ہے، کیونکہ معاملات میں عام طور پر تیسیر کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

تیسری بات ہے کہ ایک بات یہ آئی ہے کہ تیسیر کا مسئلہ صرف ائمہ اربعہ کے اقوال ہی تک محدود ہے، کچھ لوگوں یہ رائے ہوسکتی ہے، لیکن میری نظر میں صرف ائمہ اربعہ تک ہی محدود رکھنا، یہ بات صحیح نہیں ہے، حالات اتنی تیزی سے

بدل رہے ہیں کہ عبادات اور معاملات پر عمل کرنا لوگوں کو دشوار ہو رہا ہے، اقلیتی ممالک میں تو اور زیادہ بری صورت حال ہے، اس لئے ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مذاہب کو بھی اختیار کرنا چاہیے، اور یہ بات کہنا کہ صرف ایک ہی فقہ میں تیسیر کے مسئلہ کو محدود کیا جائے دوسرے فقہ کو دیکھا ہی نہ جائے یہ تو اور زیادہ شدت پسندی ہوگی، اگر ایسی بات ہے تو ہمیں تیسیر کے تعلق سے غور ہی کیوں کرنا؟

ایک بات یہ آئی کہ دوسرے مذہب کا قول اختیار کرنے کی بات شرائط کے ساتھ ہونی چاہیے یا بغیر شرائط کے ساتھ ہونی چاہیے؟ دونوں طرح کے آراء مقالہ نگاروں کی عرض میں آئی ہیں، شرائط عائد کرنا مناسب ہے، لیکن ہم ایسی شرائط عائد کردیں کہ ان پر عمل ممکن ہی نہ ہو تو اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ مثلاً یہ شرط لگانا کہ دوسرے مذہب پر عمل ہو تو ایک دو کتابوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ماہرین سے رجوع کرنا ضروری ہے، پھر تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ایسی شرطیں لگانا چاہ رہے ہیں کہ جس پر عمل کرنا مشکل ہے، اور یہ کہنا کہ تیسیر اس وقت اختیار کریں گے جب اس پر اجتماعی اجتہاد ہو اور فقہ اکیڈمی اس پر غور کرے، تو میں اس سے بھی اختلاف رکھتا ہوں، اجتماعی اجتہاد مناسب ہے، بہتر ہے، لیکن اگر مفتی کے پاس کوئی آتا ہے اور وہ سخت دشواری و تنگی کا شکار ہے، تو مفتی یا فقیہ انفرادی طور پر بھی ایسر رائے کو پیش کرسکتا ہے، اس کو عمل کی آزادی دے سکتا ہے، اور اس سلسلے میں مجھے علامہ سید سلیمان ندوی کی آراء سے بہت تقویت ملی ہے، کئی مرتبہ انہوں نے سامنے والے کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے فتوی دیا، مثلاً ایک نومسلم جوڑا تھا، کچھ دن پہلے اسلام قبول کیا تھا، اس نے کسی وجہ سے غصہ میں آکر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، اب ظاہر ہے کہ فقہ حنفی میں ہمیشہ کیلئے حرمت ہوگئی ہے، لیکن سید صاحب کی تحریر موجود ہے کہ انہوں نے اہل حدیث کے مسلک کے مطابق ان دونوں کا رجوع کرادیا، اس کے علاوہ انہوں نے کئی مقامات پر ایسر کو اختیار کیا، انہوں نے جمع بین الصلاتین وغیرہ میں بھی اجازت دی، یہ چند باتیں مجھے عرض کرنی تھی۔

مولانا اصطفاء الحسن ندوی

مجھے عرض مسئلہ کے ایک تعبیر سے اختلاف ہے، وہ یہ کہ ''ہر مسلک دین کا مکمل ترجمان نہیں ہے''، اگر یہ مان لیا جائے پھر تو دوسرے مسالک سے استفادہ واجب ہوجائے گا، مناسب تعبیر یہ ہوگی کہ ہر مسلک اپنی اپنی رائے میں کل دین کا ترجمان ہے، دوسری بات یہ آئی کہ مسالک اربعہ میں حصر کیا جائے گا، امام اوزاعی، امام اسحق بن راہویہ، امام زھری وغیرہ کے مسلک کو اس طرح نہیں قبول کیا گیا جس طرح مسالک اربعہ کو قبول کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہیکہ ان کے مسالک مدون و مکمل نہیں تھے، لیکن یہ بات بھی مسلم ہے کہ آج تک ان کو علماء برحق مانا گیا ہے، تو کیا ان کے آراء سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

عرض مسئلہ میں ایک شرط لگائی گئی کہ وہ مسئلہ شاذ نہ ہو، تو شاذ کی تعریف بھی آنی چاہیے، کیا کسی ایک کے قول کو تفرد

کی بناپر شاذ کہا جائے گا؟ ہم تمام مسالک میں دیکھتے ہیں کہ متفرد کے قول کو مفتی بہ مانا گیا ہے۔

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

مفتی عثمان صاحب نے جو بات کہی ہے کہ مصلحت اور علت کو دیکھیں، ان کی بات درست ہے، یقیناً احکام کی بنیاد علت پر ہوتی ہے، شریعت نے بنیاد علل پر ہی رکھی ہے، یقیناً شریعت کی بنیاد مصالح پر نہیں ہے، لیکن جہاں پر علت کو اختیار کرنے میں مصالح فوت ہو رہے ہوں تو پھر فقہاء نے تخلف اختیار کیا ہے اور مصالح کو بنیاد بنایا ہے، اور یہ جو قاعدہ ہے ''المشقة تجلب التيسير''، ''الضرورات تبيح المحظورات'' یہ سب ایسی مشقت کو دور کرنے کے طریقے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ مشقت کو بنیاد بنا رہے ہیں، مسئلہ منصوص ہو یا غیر منصوص اگر دشواری پیش آ گئی ہے، اور ضرورت متقاضی ہے، تو پھر ایسی صورت میں مسلک غیر کو اختیار کرنے کی طرف غور کریں گے، دوسری بات یہ ہیکہ علامہ شاطبی کے حوالہ سے موافقات میں موجود ہے کہ تیسیر کا تعلق تمام احکامات سے ہے، عبادات، ایمانیات، معاملات، جنایات، سب سے تیسیر کا تعلق ہے، جہاں بھی دشواری اور حرج ہوگی، وہاں تیسیر کی اجازت ہوگی، رفع حرج خود شریعت کے اصول میں سے ہے۔

مولانا ڈاکٹر فہیم اختر ندوی

سوالنامہ میں سوال نمبر سات اہم ہے، اس میں یہ ہے کہ اگر کسی جزوی مسئلہ پر عمل کرنا دشوار ہو تو کیا دوسرے مسالک کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ اس تعلق سے ہمارے یہاں یہ نظریہ ہے کہ جب تک ضرورت نہ ہو اس وقت تک دوسرے مسلک پر عمل نہیں کر سکتے، اب بھی ہمارا تاثر یہی بنا ہوا ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ چاروں مذہب پر اتنا کام ہوا ہے کہ چاروں برحق ہیں اور انہوں نے ''عقد الجید'' کے آخر میں عامی کا مسلک اس کے مفتی کا فتوی بتلایا ہے، اور صاحبِ فتح القدیر کے حوالہ سے راجح اسی کو قرار دیا ہے، ہمارے یہاں جو ''ضرورت'' کی بات ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ایک بات ابھی یہاں آئی تھی کہ دیگر فقہاء کے آراء میں ہم ترجیح کا عمل نہیں کر سکتے، یہ مناسب نہیں ہے، اس لئے فقہ مقارن کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے، میں یہ بات کہتا ہوں کہ ہمارے پاس صرف قرآن وحدیث کے دلائل ہیں، فقہاء کرام کے اجتہادات انہیں دلائل سے مستنبط شدہ ہیں، وہ مصادر نہیں، اگر فقہاء کرام کے آراء میں اختلاف ہے تو اس میں ترجیح کا عمل خود ہمارے اصحابِ ترجیح نے کیا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے کہ ایک فقہی مسلک کے اندر جو مختلف آراء ہیں وہ سب مل کر فقہی مسلک بنتے ہیں، اور اسی طرح مسالک کے جو آراء ہیں وہ سب مل کر شریعت بنتے ہیں، اور اگر عرب کے علماء مختلف مسالک کے آراء کو سامنے رکھ کر ترجیح کا عمل اختیار کرتے ہیں تو اس میں غلط کیا ہے؟ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ

اگر فقہی مسالک میں اختلاف آراء ہیں تو یہ گفتگو تو جاری رہے گی کہ کون سی رائے راجح ہے اور کون سی مرجوح ہے؟ لیکن جب سارے مسالک برحق ہیں، اور ان کے دلائل ہیں، تو اگر کوئی شخص کسی دوسری رائے کو اختیار کرتا ہے تو اس کو غلط کیسے کہا جا سکتا ہے؟ ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں کہ عبادات کے اندر بھی یسر ہے، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ عبادات میں کم اختیار کیا گیا ہے اور معاملات میں زیادہ، لیکن اس کا سرے سے انکار کر دینا یہ بات درست نہیں ہے۔

آخری بات یہ کہنا چاہوں گا کہ ہم سب یہاں پر اہل علم ہیں اور اہل علم کی مجلس میں گفتگو ہو رہی ہے، یہ احساس آنا کہ ہم اتباع ھوی پر جا رہے ہیں یا تیسیر کے مقابلہ میں تحریف پر جا رہے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ مناسب رجحان نہیں ہے۔

مفتی عتیق احمد بستوی

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم اپنی نیت کو صحیح کریں کہ یہاں پر جو لوگ بھی بیٹھے ہیں وہ دین کی حفاظت کیلئے بیٹھے ہیں، اتباع ھوی یا تحریف کیلئے نہیں بیٹھے ہیں، ہم سب اہل علم واصحاب افتاء ہیں، جو بھی رائے پیش کر رہے ہیں وہ دین کے دائرہ میں پیش کر رہے ہیں، جن کی رائے میں وسعت ہے وہ بھی دین کی خاطر ہے اور جن کی رائے میں شدت ہے وہ بھی دین کی خاطر ہے، اس لئے اپنے آراء کے اظہار میں دوسرے کا احترام کریں، یہ تاثر نہیں ہونا چاہیے کہ گویا جو دوسرا طبقہ ہے وہ حق کا طالب نہیں ہے، یہ بات ٹھیک ہے کہ یہاں حنفی علماء زیادہ ہیں، لیکن دوسرے مذہب کے علماء بھی یہاں آتے ہیں، ہمیں ان کی بات بھی سننی چاہیے، جو لوگ تقلید شخصی کو لازم نہیں کہتے، ان کو بھی ہم گمراہ نہیں کہہ سکتے، تقلید شخصی انتظامی چیز ہے اس سے اتباع ھوی سے حفاظت ہوتی ہے، جو لوگ اسے لازم نہیں مانتے وہ بھی اپنے عالم سے پوچھ کر ہی عمل کرتے ہیں، ہم جدید مسائل کو لے کر غور کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ چیزیں دیگر مذاہب میں بھی ہیں، انہیں بھی جدید مسائل سے واسطہ پڑتا ہے، جیسا کہ بیع تعاطی کا مسئلہ ہے، ظاہر ہے کہ شافعیہ کے یہاں یہ جائز نہیں ہے، ان کے یہاں ایجاب وقبول ضروری ہے، اور آج کے دور میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ ہم مال (Mall) میں جاتے ہیں، سامان لے کر پیسہ دے دیتے ہیں اور ایک لفظ بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس طرح بہت سے مسائل ہیں جو نئے ہیں اور قابل غور ہیں، اور جہاں مسالک اربعہ کی بات ہے تو ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ میں فرق یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب مدون ہیں اور مکمل ہیں، جبکہ دوسرے ائمہ کے مسالک مدون نہیں ہیں، حالانکہ ان میں بہت سے بڑے پائے کے فقیہ تھے، اگر مسالک اربعہ کے دائرہ میں مسائل کا حل ممکن ہے تو ظاہر ہے کہ ہمیں کسی دوسرے کی فقہ لینے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے بزرگوں نے کئی مقامات پر دوسرے مسالک سے استفادہ کیا ہے اور اس کے مطابق فتوی دیا ہے، مسلکِ غیر کہنا اسی لئے مناسب نہیں، وہ غیر نہیں ہیں، سارے ائمہ ہمارے ہیں، اسی لئے

ہمارے علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ جس علاقہ میں جو فقہ رائج ہے اور اس کی کتابیں اور علماء وہاں دستیاب ہیں وہاں کے لوگوں کو اسی فقہ کی تقلید کرنی چاہیے، وہاں کے لوگوں کو کسی دوسرے مذہب کی دعوت درست نہیں ہے، سارے مذاہب برحق ہیں، پھر یہ بات کہنا کہ تیسیر صرف معاملات میں ہے یہ بات صحیح نہیں ہے، تیسیر پورے دین میں ہے، ہاں یہ الگ بات ہے کہ کسی شعبہ میں کم ہے اور کسی شعبہ میں زیادہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ فقہ مقارن کو بالکل الگ کر دیا جائے، اسے پڑھا نہ جائے یہ بھی مناسب نہیں ہے، ہم کو دوسرے مذاہب کے دلائل کو بھی پڑھنا چاہیے، اس کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے، اس سے بھی فائدہ ہوتا ہے، اسے آپ چھوڑ دیں گے تو نقصان ہوگا، ہمارے سامنے جو آراء آرہی ہیں، ان کا احترام کرنا چاہیے، ہم اپنے آراء میں کوئی ایسی تعبیر استعمال نہ کریں جس سے کسی دوسرے کی رائے کی تنقیص ہو۔

قاضی مشتاق علی ندوی

تمام اصولی باتیں آچکی ہیں، میرے ذہن میں ایک بات ہے کہ عوام کے سامنے بھی جو دین کا تصور پیش کیا جائے وہ آسانی والا پیش کیا جائے، بسا اوقات عوام واقف نہ ہونے کی وجہ سے دین کو بہت مشکل سمجھتے ہیں اور جہاں پر رخصت ہوتی ہے وہاں پر بھی اصرار سے کام لیتے ہیں، اور مشقت اٹھاتے ہیں، کیونکہ انہیں آسانی کا علم نہیں ہوتا، بہت سے ایسے واقعات عوام میں دیکھنے کو ملتے ہیں کہ جب انہیں آسانی کے بارے میں پتہ چلتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ دین اتنا آسان ہے، اس لئے ہمیں چاہیے کہ عوام کے سامنے دین کا ایسا تصور پیش کریں جو عملی ہو اور آسان ہو۔

مفتی جمیل احمد نذیری

عنوان یقیناً یسر و تیسیر کا ہے، لیکن اس عنوان کے تحت بعض لوگوں نے ایسی باتیں کہیں ہیں جن پر اظہار خیال ضروری ہے، ایک بات یہ کہی گئی کہ ائمہ اربعہ میں حصر کیوں کرتے ہیں؟ دوسرے فقہاء کی رائے کیوں نہیں لیتے؟ اس کا جواب میں دینا چاہتا ہوں کہ جس طرح ائمہ اربعہ کی فقہ مدون ہے ''کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب الفرائض تک'' ان چار ائمہ کو چھوڑ کر کسی بھی امام کی فقہ اتنی مدون نہیں ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ دوسرے ائمہ کو مہارت حاصل نہیں تھی، بلکہ تفقہ فی الدین کے اعتبار سے وہ بھی ائمہ اربعہ کے درجہ کے تھے، لیکن پریشانی یہ ہے کہ ان کی فقہ باقی نہیں، مدون نہیں، اس لئے ہم ائمہ اربعہ کے مسالک تک ہی محدود رہتے ہیں، ائمہ اربعہ کی فقہ مدون ہے، مکمل ہے اور ہر زمانہ میں اس کی خدمت کرنے والے لوگ موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔

دوسری بات جو یہ کہی گئی کہ تقلید کو چھوڑنے سے اتباع ھوی کہاں ہوتا ہے؟ اگر وقت کم نہ ہوتا تو میں مثالیں دیتا

کہ کیسے اتباع ھوی ہوتا ہے؟ کئی فتاوی میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی

تیسیر میں اصل بنیاد خطر موہوم اور خطر محقق ہے، خطر موہوم کی بنیاد پر یسر و تیسیر سے روکنا صحیح نہیں، بعض لوگ خطر موہوم کی بنیاد پر تیسیر سے منع کرتے ہیں، مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ سڑک پر نہ جاؤ حادثہ ہوسکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ خطر موہوم ہے، ہاں اگر کبھی خطر محقق ہوتو پھر روکا جائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ تیسیر یہاں پر دو حلال چیزوں کے درمیان ہورہا ہے، حلال اور حرام چیزوں کے درمیان نہیں ہورہا ہے، اس لئے اس سے روکنا صحیح نہیں، ایک اہم بات یہ ہے کہ ہمیں ''جہل'' کے تعلق سے بھی تھوڑی بہت رعایت اور یسر کو ملحوظ رکھنا چاہیے، آج کے نئے حالات میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ جہالت کی وجہ سے بہت مشقتیں پیدا ہوجاتی ہیں، بہت سی باتیں ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے ہیں اور نہ جاننے کی وجہ سے ایسا عمل کر بیٹھتے ہیں جو بہت ہی دشواری اور مشقت کا سبب بنتا ہے، اس لئے ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے، یہ باب ایسا ہے کہ اس میں تیسیر کے بہت سے مسائل حل ہوسکتے ہیں، حقیقت یہ ہیکہ ہماری کوئی فقہ کی کتاب نہیں ہے جس میں دوسرے ائمہ کے اقوال نقل نہ ہوئے ہوں، یہاں تک کہ امام جعفر صادق کے اقوال بھی موجود ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بہت سے ائمہ کے مسالک مدون نہیں ہوئے، لیکن ان کے اقوال موجود ہیں اگر ضرورت پڑے تو ہمیں اسے بھی اختیار کرنا چاہیے کیونکہ حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں، یہ بھی ایک شکل ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے مذاہب کے قول کو اختیار کررہا ہے تو ہم اس کی زجر و توبیخ نہ کریں، ہم یہ بھی سہولت پیدا کرسکتے ہیں، اور ہونا یہی چاہیے کہ علماء کو عزیمت پر عمل کرنا چاہیے اور عوام کیلئے آسانی فراہم کرنا چاہیے، لیکن اب شاید الٹا ہورہا ہے، اپنے لئے آسانی تلاش کرتے ہیں اور دوسرے کیلئے تنگی۔ جزاکم اللہ خیراً۔

Shariah Academy
For Research & Studies

Nadwatul Ulama, Taigore Marg. Lucknow. U.P. (India)
E-mail. : shariahacademynadwa@gmail.com www.mtsnadwa.org